# تاریخِ ملّت

حصہ دوم

# خلافتِ راشدہ



قاضی زین العابدین میرٹھی

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین من بعدی

سلسلہ

"تاریخ ملت" کا حصہ دوم

# خلافتِ راشدہ

جس میں

عہدِ خلافتِ راشدہ کے واقعات، قدیم و جدید مستند عربی تاریخوں کی بنیاد پر تحقیق و جامعیت کے ساتھ سلیس و شگفتہ زبان میں بیان کیے گئے ہیں

تالیف

قاضی زین العابدین صاحب میرٹھی رفیق ندوۃ المصنفین

باہتمام

ناظم ندوۃ المصنفین قرول باغ دہلی

۱۳۶۱ھ ۱۹۴۲ء

جید برقی پریس دہلی میں طبع ہوئی

(جملہ حقوق محفوظ)

قیمت غیر مجلد ۸ؔ مجلد ۱۲ؔ

# فہرست مضامین خلافتِ راشدہ

۲۷-۲-۲۰۱۶

# پیش لفظ

الحمد للہ رب العلمین، والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین، وآلہ الطیبین الطاہرین، وخلفائہ الراشدین المہدیین۔

"سلسلہ تاریخ ملت" کا دوسرا حصّہ "خلافت راشدہ" نذرِ ناظرین ہے۔
عہد خلافت راشدہ تاریخ اسلام کی پیشانی کا نور ہے۔ نونہالانِ ملت جو شاہراہِ زندگی میں قدم رکھ رہے ہیں اگر اس عہد کے واقعات کو مشعلِ راہ بنائیں تو بلاشبہ صلاحِ دنیوی و فلاحِ اُخروی کی منزلِ مقصود کو پہنچ سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس حصّہ کی ترتیب میں کسی قدر تفصیل سے کام لیا گیا ہے۔ تمام واقعات قدیم و جدید معتبر و مستند تاریخی کتابوں سے اخذ کئے گئے ہیں اور انہیں بے کم و کاست مورخانہ ذمہ داری کے ساتھ سپردِ قلم کیا گیا ہے۔ بیانِ واقعات کے ساتھ، واقعات کے اسباب و علل، اور ان کے اثرات و نتائج سے بھی جابجا تعرض کیا گیا ہے تاکہ طلبہ میں ذوقِ تحقیق اور وسعتِ نظر پیدا ہو۔ زبان سہل و سلیس اور طرزِ بیان دلچسپ و دلنشین اختیار کیا گیا ہے۔

یہ اپنی سی کوشش کا بیان ہے، جو بہر حال انسانی کوشش اور مجھ جیسے ہیچمدان انسان کی کوشش ہے، اِس پر مستزاد یہ کہ کتاب کا معتدبہ حصّہ اس طرح لکھا گیا کہ تسوید و کتابت کے مرحلے ساتھ ساتھ انجام پاتے رہے ہیں۔ بنابریں اگر یہ کوشش اربابِ فکر و نظر کی نظرِ معارف پرور میں قابلِ قبول نہ ٹھہرے تو عفو و درگزر کی التجا ہے!

ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا ـــ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

مؤلف

# ماخذ خلافتِ راشدہ

"مؤلّف" نے اِس کتاب کی تالیف کے سلسلہ میں کُتبِ ذیل سے خصوصیت کے ساتھ استفادہ کیا ہے۔ بنا بریں مؤلّف منت پذیری و احسان شناسی کے دلی اعتراف کے ساتھ، اِن کتابوں کے مصنّفین کے لئے، بارگاہِ ربّ العزت میں رأفت و رحمت کی دُعا کرتا ہے:۔

(۱) ترجمہ قرآن کریم:۔ از حضرت شیخ الہند مولنا محمود حسن رحمۃ اللہ متوفی ۱۳۳۸ھ
(۲) صحاح ستہ:۔ از امام بخاری، مسلم، ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ، نسائی رحمہم اللہ
(۳) التاج الجامع للاصول:۔ از علامہ شیخ منصور علی ناصف مصری۔
(۴) الاخبار الطوال:۔ از احمد بن داؤد ابو حنیفہ دینوری متوفی ۲۸۱ھ۔
(۵) فتوح البلدان:۔ از احمد بن یحییٰ البلاذری متوفی ۲۷۹ھ۔
(۶) تاریخ الامم والملوک:۔ از ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ۔
(۷) الکامل:۔ از ابن اثیر جزری متوفی ۶۳۰ھ
(۸) البدایۃ والنہایہ:۔ از حافظ عماد الدین ابو الفداء اسمٰعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ۔
(۹) اشہر مشاہیر الاسلام:۔ از علامہ رفیق بک العظم۔
(۱۰) محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ:۔ از شیخ محمد خضری بک مصری۔
(۱۱) اتمام الوفاء فی سیرۃ الخلفاء:۔ ایضاً
(۱۲) الفاروق:۔ از علامہ شبلی نعمانی۔ متوفی ۱۳۳۲ھ۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فمن ادرک ذالک منکم فعلیہ بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین

سلسلۂ

"تاریخ ملت" کا حصہ دوم

# خلافت راشدہ

جس میں

عہد خلافت راشدہ کے واقعات، قدیم وجدید مستند عربی تاریخوں کی بنیاد پر تحقیق وجامعیت کے ساتھ سلیس وشگفتہ زبان میں بیان کیے گئے ہیں

تالیف

قاضی زین العابدین صاحب میرٹھی رفیق ندوۃ المصنفین

باہتمام

ناظم ندوۃ المصنفین قرول باغ، دہلی

۱۳۶۱ھ — ۱۹۴۲ء

جید برقی پریس دہلی میں طبع ہوئی

قیمت مجلد سہ — قیمت غیر مجلد عہ

# فہرست مضامین خلافتِ راشدہ

# پیش لفظ

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین، وآلہ الطیبین الطاہرین، وخلفائہ الراشدین المہدیین۔

■ "سلسلہ تاریخ ملت" کا دوسرا حصہ "خلافت راشدہ" نذرِ ناظرین ہے۔ عہد خلافت راشدہ تاریخِ اسلام کی پیشانی کا نور ہے۔ نونہالانِ ملت جو شاہراہِ زندگی میں قدم رکھ رہے ہیں اگر اُس عہد کے واقعات کو مشعلِ راہ بنائیں تو بلاشبہ صلاحِ دنیوی و فلاحِ آخروی کی منزلِ مقصود کو پہنچ سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اِس حصّہ کی ترتیب میں کسی قدر تفصیل سے کام لیا گیا ہے۔ تمام واقعات قدیم و جدید معتبر و مستند تاریخی کتابوں سے اخذ کئے گئے ہیں اور انہیں بے کم و کاست مورخانہ ذمہ داری کے ساتھ سپردِ قلم کیا گیا ہے۔ بیانِ واقعات کے ساتھ، واقعات کے اسباب و علل، اور ان کے اثرات و نتائج سے بھی جابجا تعرض کیا گیا ہے تاکہ طلبہ میں ذوقِ تحقیق اور وسعتِ نظر پیدا ہو۔ زبان سہل و سلیس اور طرزِ بیان دلچسپ و دلنشین اختیار کیا گیا ہے۔

یہ اپنی سی کوشش کا بیان ہے، جو بہر حال انسانی کوشش اور مجھ جیسے ہیچمدان انسان کی کوشش ہے، اِس پر مستزاد یہ کہ کتاب کا معتد بہ حصّہ اِس طرح لکھا گیا کہ تسوید و کتابت کے مرحلے ساتھ ساتھ انجام پاتے رہے ہے۔ بنابریں اگر یہ کوشش اربابِ فکر و نظر کی نظرِ معارف پرور میں قابلِ قبول نہ ٹھہرے تو عفو و درگزر کی التجا ہے!

ربنا لا تواخذنا ان نسینا او اخطأنا ـــــ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

مؤلف

# ماخذ خلافتِ راشدہ

"مؤلف" نے اِس کتاب کی تالیف کے سلسلہ میں کُتبِ ذیل سے خصوصیت کے ساتھ استفادہ کیا ہے۔ بنابریں مؤلف منّت پذیری و احسان شناسی کے دِلی اعتراف کے ساتھ، اِن کتابوں کے مصنّفین کے لئے، بارگاہِ ربّ العزت میں رأفت و رحمت کی دُعا کرتا ہے:-

(۱) ترجمہ قرآن کریم:- از حضرت شیخ الہند مولٰنا محمود حسنؒ متوفی ۱۳۳۹ھ

(۲) صحاح ستہ:- از امام بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائیؒ

(۳) التاج الجامع للاصول:- از علامہ شیخ منصور علی ناصف مصری۔

(۴) الاخبار الطوال:- از احمد بن داؤد ابو حنیفہ دینوری متوفی ۲۸۱ھ۔

(۵) فتوح البلدان:- از احمد بن یحیٰی البلاذری متوفی ۲۷۹ھ۔

(۶) تاریخ الامم والملوک:- از ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ

(۷) الکامل:- از ابن اثیر جزری متوفی ۶۳۰ھ

(۸) البدایۃ والنہایہ:- از حافظ عماد الدین ابو الفداء اسمٰعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ۔

(۹) اشہر مشاہیر الاسلام:- از علامہ رفیق بک العظم۔

(۱۰) محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ:- از شیخ محمد خضری بک مصری۔

(۱۱) اتمام الوفاء فی سیرۃ الخلفاء:- ایضاً

(۱۲) الفاروق:- از علامہ شبلی نعمانی۔ متوفی ۱۳۳۲ھ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

# مقدّمہ

## خلافت

اسلام میں "خلافت" سے مراد وہ "حکومتِ الٰہی" ہے جو خدا کی مخلوق کی دُنیا و آخرت کی سعادت کی ذمہ دار ہو، جو قانونِ الٰہی کی بُنیاد پر قائم ہو، جو دُنیا کے چپہ چپہ سے ظلم و جور کے خس و خاشاک کو صاف کر دے اور عدل و انصاف کے لہکتے مہکتے پھولوں سے اسے رشکِ جنّت بنا دے۔

اس خداوندی حکومت کا رئیس "خلیفہ" کہلاتا ہے۔ کیونکہ وہ زمین پر خدا کا نائب ہوتا ہے اور خلیفہ کے معنی یہی ہیں۔ قرآن کریم میں خلافت ارضی کو بہت بڑی نعمت بتایا گیا ہے۔ یہ خدا کے ان نکوکار اور فرمان بردار بندوں کو عطا کی جاتی رہی ہے جو اسکی ذمّہ داریوں کو پورا کرنیکی صلاحیت رکھتے تھے۔

وھو الذی جعلکم خلائف الارض ۔ وہی پروردگار ہے جسنے تم کو زمین کی خلافت دی

| | |
|---|---|
| واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد قوم نوح ۔ | اور یاد کرو جب تم کو قوم نوح کے بعد خلیفہ بنایا ۔ |
| یا داؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض ۔ | اے داؤد ہم نے تم کو دنیا کا خلیفہ بنایا ۔ |
| ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون ۔ | اور زبور میں ہم نے لکھ دیا کہ نصیحت کے بعد زمین کی حکومت ہمارے صالح بندوں کے ہاتھ آئے گی ۔ |

ہجرت مدینہ کے بعد ہی جب مسلمان ہر طرف دشمنوں سے گھرے ہوئے تھے ۔ ایک طرف مکّہ والے مدینہ آکر مسلمانوں پر حملہ کرنے کیلئے اپنے ہتھیار تیز کر رہے تھے دوسری طرف خود مدینہ کے یہود و منافقین مسلمانوں کو پھانسنے کے لئے نئے نئے جال بچھا رہے تھے تو خداوند قدوس نے اس پریشانیوں کے ہجوم میں انہیں اطمینان دلایا تھا ۔

| | |
|---|---|
| وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضٰی لھم ولیبدلنّھم | تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے خدا نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ انہیں وہ زمین کی خلافت دیگا جس طرح اس نے پچھلی (نیک عمل) قوموں کو دی اور ان کے لئے ان کا خدا کا پسندیدہ دین |

من بعد خوفهم امنا　　　　مضبوط کر دیگا اور ان کے خوف کے دنوں کو
امن کے زمانہ سے بدل دے گا۔

چنانچہ یہ وعدہ خداوندی بہت جلد پورا ہو گیا۔ ہجرت کے دس سال بعد یہی مظلوم و مجبور و بے سروسامان مسلمان، سارے جزیرۃ العرب پر حکومت الٰہی کے جھنڈے گاڑ چکے تھے۔ ایک طرف وہ کسریٰ کی طاقت کو دھمکا رہے تھے اور دوسری طرف قیصر کی قوت سے ٹکرا رہے تھے۔

اس نئے دور "خلافت اسلام" کے پہلے خلیفہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم تھے اور دوسرے خلیفہ جنہیں اوّل خلیفہ رسول ہونے کا فخر حاصل ہوا ابوبکر صدیق رضؓ۔

لیکن تاریخ اسلام میں چونکہ "خلیفہ" کا استعمال "خلیفہ رسول اللہ" کے معنی میں ہوا ہے۔ اس لئے خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضؓ ہی شمار کئے جاتے ہیں۔

## نصب خلافت:۔

جمہور اسلام اس امر پر متفق ہیں کہ خلیفہ کا مقرر کرنا اُمت کیلئے واجب ہے لیکن وجوب کی صورت میں اختلاف ہے۔ ایک جماعت کا قول ہے کہ شرعاً واجب ہے۔ دلائل یہ ہیں:۔

(۱) رسول اکرم صلعم نے ارشاد فرمایا ہے: ۔من مات ولیس

فی عنقہ بیعۃ مات میتۃ جاھلیۃ۔ جو شخص دنیا سے رخصت ہوا اور خلیفۂ وقت کی بیعت کے حلقہ سے اس کی گردن خالی ہوئی وہ جاہلیت کی موت مرا۔

(۲) رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد صحابہ کرام نے بالاتفاق خلیفہ کا مقرر کرنا ضروری سمجھا اور اس کام کو اس قدر اہم قرار دیا کہ آپ کی تدفین پر اس کو مقدم کیا۔

(۳) شریعت اسلامیہ نے جو امور مسلمانوں پر واجب کئے ہیں مثلاً حدود شرعیہ کا اجراء وغیرہ، بغیر خلیفہ کے پورے نہیں ہو سکتے اور یہ امر مسلّم ہے کہ واجب جن چیزوں پر موقوف ہو وہ بھی واجب ہوتی ہیں۔

دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ شرعاً نہیں بلکہ عقلاً واجب ہے، کیونکہ ہر جماعت کو ایک ایسی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کے قانون کو عملی طور پر نافذ کرے، افرادِ امت کے جھگڑے چکائے اور ملک میں امن و امان کے قیام کی ذمہ دار ہو، اسی وجہ سے انسانی سوسائٹی کی مسلم ضروریات میں ایک صاحبِ اقتدار حاکم کی ضرورت داخل ہے۔

لیکن یہ دونوں رائیں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں اور دونوں میں توفیق ممکن ہے حقیقت یہ ہے کہ عقل اور شرع دونوں خلیفہ کے تقرر کی ضرورت پر متفق ہیں۔ عقل قوم کے نظم وضبط کے لئے ایک حاکمِ با اختیار کی ضرورت کا تقاضا کرتی ہے اور شرع ملت کی پیشوائی کیلئے ایک ایسے اعلیٰ نمونہ کی طلبگار ہے جس کی طاقت کا

سرچشمہ اُمّت ہی کی طاقت ہو اس کا ذاتی جاہ و جلال نہ ہو۔

علامہ ابن خلدون نے "مقدمہ تاریخ" میں ایک تیسرے گروہ کا بھی ذکر کیا ہے جو نصبِ امام کو شرعاً یا عقلاً کسی طرح ضروری نہیں سمجھتا۔ معتزلیں سے "اصم" اور بعض خوارج اسی گروہ میں شامل ہیں۔ ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ "یہ تو ضروری ہے کہ امّت میں قانونِ الٰہی کا رواج ہو لیکن جب یہ قانون دستور کی حیثیت اختیار کرلے اور ملک میں امن و امان ہو جائے تو کسی امام یا خلیفہ کی ضرورت نہیں رہتی"۔ اجماعِ امّت اس گروہ کی رائے کے خلاف ہے۔ خلفاء راشدین کے بعد، خلفاء میں حکومت و ریاست کے اثرات سے جو اخلاقی کمزوریاں پیدا ہو گئیں ان سے متاثر ہو کر ان لوگوں نے یہ مذہب اختیار کیا۔

الحاصل علماء کا اتفاق ہے کہ مسلمانوں کو اپنا خلیفہ یا امام مقرر کرنا ضروری ہے جس سے اُمّت کا شیرازہ مجتمع اور اس کی جماعتی حیثیت برقرار رہے اور وہ انتشارِ خیال و پراگندگی عمل کا شکار ہو کر صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح نہ مٹ جائے۔[1]

## شروطِ خلافت:۔

دُنیا کے ہر ملک اور ہر قوم کے عقلاء یہ اصول تسلیم کرتے ہیں کہ ملک کا بادشاہ اور قوم کا سردار ایسا شخص ہونا چاہیئے جو عاقل ہو، بالغ ہو، آزاد ہو،

---

[1] السیاسۃ الشرعیہ (عبدالوہاب خلاف)

مرد ہو، بہادر ہو، عقلمند ہو، صاحب اثر و اقتدار ہو۔ اسلام نے ان شروط پر جو عقلاً ضروری ہیں حسب ذیل شروط کا اور اضافہ کیا ہے:۔

مسلمانوں کے خلیفہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ

(۱) مسلمان ہو۔

(۲) عالم ہو تاکہ قرآن کریم (جو حکومت اسلامی کا قانون ہے) کی دفعات کو سمجھ سکے اور سنت رسول اللہ کی روشنی میں اس کی تفصیلات کو حل کر سکے۔

(۳) عادل ہو تاکہ ماتحت حکام کے لیے جن کا اس وصف سے موصوف ہونا ضروری ہے ایک بہترین نمونہ بن سکے۔

(۴) قریشی (خاندان قریش کا فرد) ہو۔

پہلی تین شرطیں ایسی ہیں جن پر تمام علماء امت کا اتفاق ہے لیکن چوتھی شرط میں اختلاف ہے۔

رسول اکرم صلعم نے ارشاد فرمایا ہے

الائمة من قریش — امام قریش میں سے ہوں۔

اور

قدموا قریشا ولا تقدموها — قریش کو مقدم رکھو ان سے مقدم نہ ہو۔

(بیہقی و طبرانی)

یہ اور اسی قسم کی بعض دوسری حدیثیں اشتراط قرشیت کی بنیاد بحث

ہیں۔ شرطِ قرشیت کے منکرین کہتے ہیں :۔

(۱) خداوند تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو مساواتِ انسانیت کا علمبردار بنا کر بھیجا اور آپ نے انسانوں کے بنائے ہوئے تمام جنسی و خاندانی امتیازات کو مٹا دیا۔ پھر یہ کیونکر ممکن تھا کہ آپ خلافت کو قریش کے ساتھ مخصوص کر کے ان غیر اسلامی امتیازات کے نشانات باقی رکھتے۔

(۲) رسول اکرم صلعم نے ارشاد فرمایا :۔

اسمعوا و اطیعوا وان ولی علیکم عبد حبشی ذو زبیبۃ

اگر ایک حقیر صورت حبشی غلام بھی تم پر حاکم بنا دیا جائے تو اس کی بھی بات سُنو اور اطاعت کرو۔

اور حضرت عمر فاروق رضؓ نے فرمایا :۔

لو کان سالم مولی حذیفۃ حیا لولیتہ۔

اگر سالم حذیفہ کے غلام زندہ ہوتے تو میں انہیں ولی عہد بناتا۔

ان ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ رسول اکرم صلعم نے خلافت میں شرط قرشیت کا اعتبار ضروری سمجھا اور نہ حضرت عمرؓ نے۔

(۳) کائنات عالم کا ایک اٹل قانون ہے کہ دُنیا ہمیشہ انقلابات کا گہوارہ رہی ہے اور رہیگی۔

تلک الایام نداولہا بین الناس

یہ (مختلف حالات پر مشتمل) اوقات ہیں جنہیں ہم انسانوں میں ادلتے بدلتے رہتے ہیں۔

قریش بھی اس قانون کے دائرہ سے خارج نہ تھے۔ پھر یہ کیونکر ممکن تھا کہ شریعت ان کے ساتھ خلافت کی تخصیص کر کے ہر زمانہ میں خواہ وہ اس کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں، یہ بار ان کی گردن پر رکھ دیتی۔

(۴) پہلی حدیث کوئی حکم یا تشریع نہیں بلکہ ایک پیشین گوئی ہے جو رسول اللہ صلعم نے خلافت کے متعلق فرمائی اور دوسری حدیث سے خلافت کے مسئلہ کا تعلق واضح نہیں۔

امام اشاعرہ قاضی ابوبکر باقلانی اور علامہ ابن خلدون کی یہی رائے ہے۔

شرط قرشیت کے مؤیدین کہتے ہیں :۔

(۱) بے شک اسلام مساواتِ انسانی کا علمبردار ہے، لیکن یہ معنی نہیں کہ تمام انسان تمام حیثیات سے برابر ہیں۔ ان میں مرتبہ اور درجہ کا کسی قسم کا کوئی فرق ہی نہیں۔ تمام انسانوں میں حقوق انسانیت کے اعتبار سے مساوات ہے مثلاً اوامر و نواہی، حدود وغیرہ میں، لیکن اسلام ان میں اختلاف اوصاف کے لحاظ سے اختلاف مراتب کو تسلیم کرتا ہے۔ مثلاً علماء کی غیر علماء پر۔ اور مردوں کی عورتوں پر برتری نص قرآنی سے ثابت ہے۔

(۲) رسولِ اکرم صلعم کے ساتھ قریش کا نسبی تعلق ان کے لئے باعثِ فخر ہے، ان میں حمیت دینی کے ساتھ حمیت نسبی بھی موجود ہے اور یقیناً دینِ محمدی کی

برتری ان کی اپنی برتری ہے، لہذا اگر خلافت ان کے سپرد ہو تو وہ نیابت رسول اللہ کے فرائض زیادہ بہتر طریقہ پر انجام دے سکیں گے۔

(۳) قرآن کریم قریش کی زبان میں نازل ہوا اکثر احکام اسلام قریش کی عادات کے مطابق ہیں لہذا وہ شریعت محمدیہ کے بہتر رمز شناس ہو سکتے ہیں اور اس پر عامل ہو کر دوسروں کیلئے زیادہ بہتر نمونہ بن سکتے ہیں۔

(۴) سقیفہ بنی ساعدہ میں، جب خلافت کے مسئلہ میں اختلاف رائے ہوا اور انصار نے اپنی امارت کا استحقاق جتایا تو حضرت ابوبکر صدیق نے موقع استدلال میں یہ حدیث پڑھی "الائمۃ من قریش" اور فرمان رسول کے سامنے سب کی گردنیں جھک گئیں، لہذا معلوم ہوا کہ صحابہ کرام نے بھی اس حدیث کو حکم کی حیثیت سے تسلیم کیا پیشین گوئی قرار نہیں دیا۔

(۵) شرط قرشیت دوسری شروط کے ساتھ معتبر ہے تنہا کافی نہیں، لہذا تلك الايام نداولها بين الناس کے قانون الٰہی کے ماتحت کوئی مفسدہ لازم نہیں آتا۔

(۶) عبد حبشی کی اطاعت کے متعلق جو حدیث ہے وہ "انتخاب خلیفہ" کے مسئلہ سے متعلق نہیں، بلکہ یہ بتاتی ہے کہ اگر کوئی متغلب غیر مستحق خلافت پر قابض ہو جائے تو اس وقت طریقہ عمل کیا ہونا چاہیے۔ سالم مولی حذیفہ کے متعلق حضرت عمر کا اثر چونکہ صرف قول صحابی کی حیثیت رکھتا ہے، اس لئے حجت نہیں ہو سکتا۔ اکثر علمائے متبحرین مثلاً قاضی عیاض، علامہ نووی، حافظ ابن حجر اور

جلال الدین سیوطی رحمہم اللہ تعالیٰ نے شرط قرشیت کی تائید کی ہے، حضرت شاہ ولی اللہ رح کی بھی یہی رائے ہے۔[1]

حقیقت یہ ہے کہ شرطِ قرشیت شرطِ تحقق نہیں، شرطِ احقیت ہے یعنی اگر ایسی صورت ہو کہ امت خلیفہ کا انتخاب "شوریٰ" کے ذریعہ کرے اور پھر جملہ شرائط میں قرشی اور غیر قرشی دونوں امیدوار برابر کی حیثیت رکھتے ہوں تو اس وقت قریشی کو ترجیح دی جائے گی۔

مثال کے طور پر نماز کی امامت کو لے لیجئے، فقہا نے لکھا ہے کہ اگر دو شخص دیگر اوصاف میں برابر ہوں لیکن ایک نسبی اعتبار سے اشرف ہو تو اسی کو ترجیح دی جائے گی اور اسی کو امام بنایا جائے گا۔ پھر جب امامتِ صغریٰ میں شرافتِ نسب کو معتبر سمجھا گیا ہے تو امامتِ کبریٰ میں اسکے اعتبار میں کیا حرج ہے۔ لیکن چونکہ شرط احقیت ہے شرط تحقق نہیں۔ اس لئے اگر نظر انداز بھی ہو جائے تو "انعقادِ خلافت" میں کوئی نقص پیدا نہ ہوگا جس طرح امامتِ صلوٰۃ میں اسے نظر انداز کر دینے سے صحتِ صلوٰۃ میں کوئی خرابی واقع نہیں ہوتی۔

اس صورت میں نہ "حدیث امامت قریش" کی تاویل و تخصیص کی ضرورت پیش آتی ہے نہ ان روایات کی توجیہ کی جو رسول اکرم صلعم سے حضرت زید بن حارثہ رض

---

[1] دائرۃ المعارف فرید وجدی ج ۳ مبحث خلافۃ و حجۃ اللہ البالغہ و مقدمہ ابن خلدون ص ۱۶۶

اور حضرت عمرؓ سے، سالم مولی حذیفہؓ کی تجویز خلافت کے متعلق منقول ہیں۔

## طریق انتخاب:۔

"خلافت" کی یہ شرطیں جس شخص میں جمع ہوں وہ اسی وقت خلیفہ ہوسکتا ہے جب عام مسلمان اسے منتخب کریں یا مسلمانوں کے وہ نمائندے منتخب کریں جنہیں "اہل حل وعقد" کہا جاتا ہے۔ "اہل حل وعقد" سے مراد وہ امراء سلطنت، سرداران لشکر اور علماء امت ہیں جو علم وعمل، فہم وتدبر اور درد ملت کے اوصاف سے متصف ہوں اور مسلمان اپنے "مسائل عمومی" کی ذمہ داری ان کے سپرد کردیں۔

ایک گروہ کی رائے ہے کہ اگر خلیفہ اپنے بعد کسی معین شخص، یا چند اشخاص میں سے کسی ایک غیر معین کو نامزد کردے تو وہ بھی خلیفہ ہو جائے گا جیسا کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے انتخابات کے موقع پر ہوا۔

مگر محققین ولایت عہد کی اس صورت کو تسلیم نہیں کرتے اور اس سلسلہ میں ان کے دلائل یہ ہیں:۔

(۱) قرآن کریم نے اجتماعی معاملات میں مسلمانوں کا طریقہ کار یہ بتایا ہے:

امرھم شوریٰ بینھم — ان کے معاملات باہمی مشورہ سے طے ہوتے ہیں

---

لہ از افادات حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی۔

مسلمانوں کی حیات اجتماعی میں اہم ترین مسئلہ "انتخاب خلیفہ" ہی کا مسئلہ ہے اگر اسی مسئلہ میں اس زریں اصول کو ترک کر دیا گیا تو پھر وہ کس کام آئے گا؟

(۲) ایک خلیفہ کی زندگی میں دوسرے کی ولی عہدی کی بیعت درحقیقت ایک زمانہ میں دو امیروں کی بیعت ہے، جو شرعاً باطل ہے۔ چنانچہ جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے یزید کی ولی عہدی کے لئے بیعت طلب کی گئی تو انھوں نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا:۔

لا ابایع لامیرین (فتح الباری) میں ایک زمانہ میں دو امیروں کی بیعت نہ کرونگا۔

(۳) حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی کے انتخاب کو "نامزدگی" قرار دینا صحیح نہیں۔ بیشک حضرت ابوبکر صدیق نے امت کو نشوونما کے ابتدائی زمانہ میں اختلافات کے جھگڑوں سے بچانے کے لئے مسئلہ خلافت کو اپنے آخری لمحات زندگی میں طے کر لینا مناسب سمجھا۔ لیکن آپ نے اسے اپنی رائے سے طے نہیں کیا بلکہ اکابر صحابہ سے علیحدہ علیحدہ گفتگو کی۔ جنہیں کچھ شبہات تھے ان کے شبہات دور کئے اور پھر عام استصواب کے لئے حضرت عمر کا نام عامہ مسلمین کے سامنے پیش کیا۔ جب سب نے اسے منظور کر لیا تو آپ نے انہیں "ہونیوالا خلیفہ" قرار دیکر بہترین وصیتیں فرمائیں۔ ظاہر ہے کہ اس طریقہ انتخاب کو کسی طرح نامزدگی نہیں کہا جاسکتا۔

اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ نے کسی کو ولی عہد نامزد نہیں کیا۔ بلکہ چھ اکابر صحابہ کو (جو شروط خلافت کے بہترین جامع تھے) اپنے میں سے کسی ایک کو خلیفہ

منتخب کرنے کے لئے نامزد کیا۔ یہ لوگ کون تھے؟ یہ مسلمانوں کی مرکزی جماعت کی حیثیت رکھتے تھے یہ وہ لوگ تھے جنہیں رسول اکرم صلعم نے قرآنی تعلیم کو عملی جامہ پہنانے کی ذمّہ داری سپرد فرمائی تھی' یہ السّابقون الاولون من المھاجرین والانصار (مہاجرین وانصار کے پہلے طبقہ کے لوگ) تھے جن کے متعلق قرآن کریم کا اعلان تھا کہ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ ان کا فیصلہ خدا کے ہاں پسندیدہ ہے' اور خدا کا فیصلہ انہیں تسلیم۔

پھر قرآن جس جماعت کے فیصلہ کی پسندیدگی کا اعلان کر رہا ہو' کیا مسلمانوں کو اس کا فیصلہ تسلیم کرنے میں کوئی تأمّل وتذبذب ہوسکتا تھا؟ اور کیا اس کا فیصلہ مسلمانوں کی جماعت کا فیصلہ نہ تھا؟ اسکے علاوہ یہ بھی تاریخی حقیقت ہے کہ جب ان اصحاب نے اپنی اہم ذمّہ داری تنہا "حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ" کو سپرد کردی تو وہ تین راتوں بغیر پلک جھپکائے برابر مہاجرین وانصار کے مقتدر لوگوں سے مشورہ کرتے رہے پھر اُمّت کی عام رائے کے مطابق حضرت عثمانؓ کے انتخاب کا اعلان فرمایا۔

## شیعہ نقطۂ نظر:۔

خلافت وامامت کے متعلّق شیعہ نقطۂ نظر مختلف ہے۔ جماعت امامیہ کا خیال یہ ہے کہ خلافت ان مصالح عامہ میں سے نہیں ہے جنہیں اُمّت کی

رلئے پر چھوڑ دیا جائے بلکہ یہ دین کا رکن اور مذہب کی بنیاد ہے۔ پیغمبر خدا صلعم کا فرض تھا کہ وہ ایسے اہم مسئلہ کو وحی الٰہی کی روشنی میں طے کر کے جاتے چنانچہ انہوں نے ایسا کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد خلیفہ و امام مقرر فرمایا اور انہوں نے اپنے بعد امام حسن رض کو اور انہوں نے اپنے بعد حضرت امام حسین رض کو اسی طرح یکے بعد دیگرے بارہ ائمہ اولاد فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نص کی تصریحات کے مطابق خلیفہ و امام ہوئے۔ امامیہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو غاصب قرار دیتے ہیں کیونکہ انہوں نے خدا اور رسول کے احکام پر عمل نہ کیا اور حضرت علی رض سے خلافت چھین لی۔

جماعت زیدیہ کہتی ہے کہ رسول اکرم صلعم نے اپنے بعد حضرت علی کی خلافت کی تعیین تو کی مگر یہ تعیین نام کے ساتھ نہیں تھی، بلکہ صفات کے ساتھ تھی۔ صحابہ ان صفات کو ان کے موقع اور محل پر منطبق کرنے سے قاصر رہے اور بجائے حضرت علی کے دوسروں کو ان کی جگہ دیدی گئی۔ یہ حضرات شیخین کو برا نہیں کہتے، لیکن حضرت علی کو ان سے افضل مانتے ہیں اور افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی خلافت کو بھی جائز سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک شروط امامت وہی ہیں جو مذکور ہوئیں مگر قرشیت کی بجائے فاطمیت (حضرت فاطمہ زہرا رض کی اولاد میں ہونا) کی شرط لگاتے ہیں اور خلافت کے ثبوت کے لئے خلیفہ و امام کا دعویدار بن کر کھڑا ہونا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔

۱۶۲۲۲۷۷

ان کے علاوہ شیعوں کے اور بھی بہت سے گروہ ہیں جن کے مسئلہ خلافت میں مختلف خیالات ہیں[۱]۔ جماعت شیعہ اپنے تمام اماموں کو نبیوں کی طرح معصوم سمجھتی ہے اور ان کا عقیدہ ہے کہ ائمہ سے کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ سرزد نہیں ہو سکتا۔

## صورت استیلاء

شروط و طریق انتخاب کے متعلق جو کچھ لکھا گیا یہ اس صورت میں قابلِ عمل ہے جب مسلمانوں میں ان کا شرعی نظام اپنی جمہوری روح کے ساتھ باقی ہو اُمّت اپنے رئیس کے انتخاب میں آزاد ہو اور اسکے سامنے یہ سوال آئے کہ وہ کسے اپنا "خلیفہ" منتخب کرے، لیکن مسلمانوں کی بدقسمتی سے یہ "شرعی نظام" خلفاء راشدین کے بعد باقی نہیں رہا۔ نظام شرعی کے درہم و برہم ہو جانے کے بعد انعقاد خلافت کی کیا صورت ہے یہ ایک الگ موضوع ہے، اور شریعت اسلام نے پوری توضیح کے ساتھ اس کی بھی تفصیل کر دی ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب "اموی حکومت" قائم ہوئی تو صحابہ کرام کو اپنی راہِ عمل متعین کرنے میں ذرا بھی پریشانی لاحق نہ ہوئی۔

---

[۱] تفصیل کے لئے مقدمہ ابن خلدون کی فصل "مذاہب الشیعۃ فی حکم الامامۃ" اور دائرۃ المعارف بستانی ج ۷ مبحث "خلیفہ" ملاحظہ ہو۔

نظامِ شرعی کی برہمی کے بعد انعقادِ خلافت کی دو ہی شرطیں ہیں، قبضۂ کامل اور اسلام، یعنی اگر کوئی مسلمان اپنی طاقت و اقتدار کے زور سے منصب خلافت پر قبضہ کر لے اور اسکی حکومت جم جائے تو ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اسے خلیفہ تسلیم کر لے، اور تمام شرائطِ اطاعت بجالائے۔ اب خواہ کوئی کتنا ہی احق و افضل کیوں نہو، اسے جائز نہیں کہ اسکی خلافت کا انکار کرے، اور مسلمانوں میں فتنہ و فساد کا دروازہ کھولے۔ عہ

اس حکم کی مصلحت صاف ظاہر ہے، اگر اب بھی تمام شروط کا اعتبار ضروری قرار دیا جائے تو ہر شخص جس کے ساتھ چار آدمی ہوں اپنے آپ کو دوسرے سے بہتر بتا کر خلافت کا مدعی بن کھڑا ہو، پھر نظامِ شرعی تو ٹوٹ پھوٹ چکا، افضل اور مفضول، مستحق اور غیر مستحق کا فیصلہ کون کرے؟ لازماً اس فیصلہ کیلئے زبان شمشیر ہی میدان میں آئے گی، فتنہ و فساد کی آگ بھڑکے گی، خون کی ندیاں بہیں گی ملک کا امن و امان تباہ ہو جائے گا اور مسلمانوں کی جمعیت ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی۔

| | |
|---|---|
| عن عبادة بن الصامت قال بايعنا | عبادہ بن صامت کہتے ہیں کہ ہمنے اس بات پر |
| رسول الله صلى الله عليه وسلم | رسول اللہ صلعم کی بیعت کی کہ ہر حال اور ہر صورت |
| على السمع والطاعة في منشطنا | میں امام کی اطاعت کرینگے، حکومت کے معاملہ |
| ومكرهنا وعسرنا ويسرنا واثرة | میں ہم اہلِ حکومت سے جھگڑا نہ کرینگے |
| علينا وان لا ننازع الامر اهله | بجز اس صورت کے کہ ان سے کھلم کھلا کفر |

الا ان تروا کفرا بواحا عندکم فیہ من اللہ برھان (متفق علیہ)

ظاہر ہو اور تمہارے پاس اس معاملہ میں کتاب اللہ کی دلیل موجود ہو۔

عبدِ حبشی کی طاعت کے متعلق جو حدیث پہلے گزر چکی وہ بھی اسی صورت سے تعلق رکھتی ہے۔ (فتح الباری ۱۰/۱۳)

یہ متسلط خلیفہ اور امیر، اگر دینداری کے معمولی معیار پر بھی پورے نہ اتریں اور فسق و فجور کے مرتکب ہوں تب بھی ان کا مقابلہ جائز نہیں؛ ہاں البتہ ان کی بری باتوں کو برا سمجھا جائیگا اور وہ خدا کی معصیت کا حکم دیں تو اس کی تعمیل سے انکار کر دیا جائے گا۔

خیار ائمتکم الذین تحبونھم ویحبونکم وتصلون علیھم ویصلون علیکم وشرار ائمتکم الذین تبغضونھم ویبغضونکم وتلعنونھم ویلعنونکم قال قلنا یا رسول اللہ افلا ننابذھم عند ذالک قال لا ما اقاموا فیکم الصلوٰۃ الا من ولی علیہ وال فراٰہ یاتی شیئا من معصیۃ اللہ فلیکرہ ما یاتی من معصیۃ اللہ ولا ینزعن یدا من طاعۃ (مسلم)

تمہارے بہتر امام وہ ہیں جن سے تم محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت کرتے ہیں تم ان کے لئے رحمت کی دعا مانگتے ہو وہ تمہارے لئے مانگتے ہیں اور بدتر امام وہ ہیں جنہیں تم دشمن سمجھتے ہو اور وہ تمہیں دشمن سمجھتے ہیں تم ان پر لعنت بھیجتے ہو اور وہ تم پر، صحابہ نے کہا یا رسول اللہ کیا ایسے حکام سے ہم نہ لڑیں؟ آپ نے فرمایا نہیں جب تک وہ تم میں نماز قائم رکھیں اطاعت ہی کرو، ہاں جو شخص اپنے حاکم کی کوئی ناجائز بات دیکھے تو اسے برا سمجھے، لیکن اس کی اطاعت سے باہر نہ ہو۔

# خلیفہ اور شوریٰ:۔

اب یہاں ایک بحث یہ پیدا ہوتی ہے کہ خلیفہ یا امام جب مسلمانوں کی رائے سے منتخب ہو چکا تو اسے معاملاتِ خلافت میں اہلِ حل وعقد سے مشورہ لینا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر ضروری ہے تو ہر معاملہ میں ضروری ہے یا صرف مہمات امور میں؟ پھر رائے لینے کے بعد اس پر عمل کرنا ضروری ہے یا خلیفہ آزاد ہے خواہ عمل کرے یا نہ کرے؟ اس بحث کی بنیاد قرآن کریم کی یہ آیت ہے:۔

وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ

اے نبی اس طرح کے معاملات میں (یعنی امن و جنگ کے معاملات میں) ان سے مشورہ کرلیا کرو۔ پھر جب ایسا ہو کہ تم نے کسی بات کا "عزم" کرلیا تو چاہئے کہ خدا پر بھروسہ کرو (اور جو کچھ ٹھان لیا ہے اس پر کاربند ہو جاؤ (ترجمان القرآن)

اس آیت سے یہ بات تو صاف ہو جاتی ہے کہ خلیفہ کو اہل حل وعقد سے رائے لینا ضروری ہے۔ حضرت حسن بصریؒ اور سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ خدا نے اپنے پیغمبر کو مشورہ کا حکم اسی لئے دیا کہ دوسرے اس معاملہ میں آپ کی پیروی کریں اور آپ کی اُمّت میں یہ سُنّت جاری ہو جائے اور یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ یہ مشاورت اہم معاملات میں ضروری ہے غیر اہم مسائل میں نہیں۔ کیونکہ یہ آیت خود "جنگِ احد" کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

اب تیسری بات رہ جاتی ہے کہ مشاورت کے بعد خلیفہ کو اہلِ شوریٰ کی رائے (خواہ وہ بالاغلبیت ہو یا بالاتفاق) پر عمل کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں اہلِ علم کی دو رائیں ہیں:۔

(ا) خلیفہ اہم معاملات میں مشورہ لینے کے بعد بھی اہلِ حل وعقد کی رائے کا پابند نہیں، اس کی حیثیت صرف مشورہ کی ہوگی جس کا قبول کرنا اور نہ کرنا خلیفہ کے اختیار میں ہوگا۔

(ب) خلیفہ اہلِ حل وعقد سے رائے لینے کے بعد اس کا پابند ہے اس سے گریز اس کے لئے جائز نہیں۔

درحقیقت اس اختلاف کا مبنیٰ "عزم" کے معنیٰ کی تعیین ہے، قول اوّل کے قائلین عزم کے معنی ارادہ کی پختگی اور طبیعت کے اطمینان کے لیتے ہیں۔ اس صورت میں آیۃ کا مطلب یہ ہوگا کہ :۔ پہلے مشورہ کرو، پھر مشورہ کے بعد کسی ایک بات کا جس پر طبیعت ٹھکے پختہ ارادہ کرلو۔ پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرکے اسے کر گزرو بعض مفسرین کی تشریحات سے اس معنی کی تائید ہوتی ہے۔

| | |
|---|---|
| (۱) فاذا عزمت ای عقیب المشاورۃ علیٰ شئ اطمأنت بہ نفسک فتوکل علی اللہ فی امضاء امرک علیٰ ماھو ارشد واصلح۔ فان ماھو اصلح لک | یعنی مشورہ کے بعد جب تم کسی کام کا پختہ ارادہ کرلو اور تمہارا دل اس کام پر جھک جائے تو پھر اسے بہتر اور اصلح طریق پر انجام دینے میں اللہ پر بھروسہ کرو کیونکہ جو بات تمہارے |

لا یعلمہ الا اللہ لا انت ولا من تشاور — حق میں بہتر ہے اسے اللہ ہی جانتا ہے نہ تم جانتے ہو
(روح البیان ج ۲ ص ۱۱۶) — نہ تمہارے مشیر۔

(۲) ای فاذا عقدت قلبک علی امر بعد الاستشارۃ فاجعل تفویضک فیہ الی اللہ تعالیٰ فانہ العالم بالاصلح لک والارشد لامرک لا یعلمہ من اشار علیک۔ وفی ھذہ الآیۃ دلیل علی المشاورۃ وتخمیر الرای وتنقیحہ والفکر فیہ (البحر المحیط ج ۳ ص ۹۹)

یعنی مشورہ کے بعد جب تم اپنے دل کو کسی کام پر جمالو تو پھر اس کو اللہ کے سپرد کر دو۔ کیونکہ جو کچھ تمہارے لئے بہتر ہے اور موزوں تر ہے اسے خدا ہی جانتا ہے نہ تمہارا مشیر۔ اس آیۃ میں دلیل ہے مشورہ کی ضرورت اور رائے کی پختگی و تنقیح اور اس میں غور و فکر کی ضرورت پر۔

اس قول کے مؤیدین کے نزدیک خلیفہ کا مقصد مشورہ سے یہ ہونا چاہئے کہ بحث کے مختلف گوشے اسکے سامنے کھل جائیں اور پھر وہ یقین و طمانیت کے ساتھ کوئی راہِ عمل اختیار کر سکے

خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے طرزِ عمل میں بھی اس رائے کی تائیدات ملتی ہیں، بعض یہ ہیں:۔

(۱) حضرت ابوبکر صدیق نے فتنۂ ارتداد کے ظہور کے وقت اہلِ شوریٰ سے مشورہ کیا۔ اکثر صحابہ کی رائے تھی کہ فی الحال مانعینِ زکوٰۃ سے تعرض نہ کیا جائے اور نرمی سے کام لیکر معاملہ کو سلجھایا جائے۔ حضرت عمر کی بھی یہی رائے تھی۔ لیکن صدیق اکبر نے اس رائے کو قبول کرنے سے سختی سے انکار فرما دیا، اور اس فتنہ کی آگ کو آبِ شمشیر سے دھویا۔

(۲) اسی طرح جماعت سبائیہ کی فتنہ پردازیوں کے انسداد کے لئے، ۳۴ھ میں حضرت عثمان غنی نے جو اہم مجلس شوریٰ منعقد کی اس میں تقریباً متفقہ رائے یہ تھی کہ فتنہ پردازوں کے ساتھ سختی کا برتاؤ کیا جائے لیکن حضرت عثمان نے اس رائے پر عمل کرنے سے انکار فرمادیا

اور نرمی و درگزر کی پالیسی کو ترجیح دی۔

قول دوم کے قائلین کے نزدیک "عزم" شوریٰ سے علیحدہ کوئی چیز نہیں بلکہ اسی شوریٰ کے "قصد نفاذ" کا نام عزم ہے۔ مفسر جلیل حافظ ابن کثیرؒ اسی آیۃ کے ذیل میں لکھتے ہیں:۔

والعزم فی الاصل قصد الامضاء
عن علی قال سئل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
عن العزم قال مشاورۃ اہل الرائے
ثم اتباعھم (ابن کثیر ج ۲ ص ۱۳۱)

"عزم" حقیقت میں "ارادہ نفاذ" کا نام ہے
چنانچہ حضرت علیؓ سے مروی ہے، کہ رسول اللہ صلعم
سے عزم کے معنی پوچھے گئے تو آپ نے جواب دیا
اہل الرائے سے مشورہ کرنا اور پھر اس پر کاربند ہو۔

محترم مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیواروی نے اپنی غیر مطبوعہ کتاب میں اس مسلک کی تائید میں حسب ذیل دلائل جمع فرمائے ہیں جو ممدوح کے شکریہ کے ساتھ درج ذیل ہیں۔

(۱) مجمع الزوائد میں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور سے پوچھا یا رسول اللہ اگر کوئی بات کتاب و سنت میں نہ پائیں تو پھر کیا کریں۔ آپ نے جواب دیا کہ سمجھدار خدا پرستوں سے مشورہ کرو اور کسی ایک مخصوص شخص کی رائے کو جاری نہ کرو۔

(۲) حاکم نے مستدرک میں حضرت علی ہی سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

اگر میں بغیر مشورہ کے کسی کو خلیفہ بناتا تو ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعودؓ) کو بناتا (مگر معلوم ہے کہ آپ نے ایسا نہ کیا)

(۳) "طبقات بن سعد" میں ہے کہ بعض صحابہ نے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا کہ جو بات ہم کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں نہ ملے تو ہم اسکے متعلق کیا کریں حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ جس جانب اہل الرائے کی کثرت ہو اسی پر عمل کرو۔

(۴) حافظ ابن حجر شرح بخاری میں "فاذا عزم رسول اللہ صلعم" کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ امام بخاریؒ کا مقصد یہ ہے کہ جب نبی اکرم صلعم مشورہ کے بعد اسکے موافق عزم فرمالیں تو پھر کسی کے لئے درست نہیں کہ آپ کو اس مشورہ کے خلاف دوسری رائے دے۔

یہ دوسرا قول اسلام کی جمہوری روح سے زیادہ قریب ہے مگر واضح رہے کہ موجودہ نام نہاد جمہوری اداروں میں رائے شماری کا جو طریقہ رائج ہے، جہاں "کنویسنگ" کے ذریعہ رائے دہندگان پر ہر قسم کا اخلاقی و مادی اثر ڈالا جاتا ہے اور جہاں پارٹی کے لیڈروں کی آواز میں آواز ملانا خواہ وہ سراسر باطل ہی کیوں نہ ہو ضروری قرار دیا جاتا ہے کسی طرح بھی اسلامی "شوریٰ" کے معیار پر پورا نہیں اترتا۔ اسلام نے "اہل شوریٰ" کے لئے کچھ آداب مقرر فرمائے ہیں جنکی پابندی شرطِ اوّلین ہے۔ رسول اکرم صلعم کا ارشاد ہے:-

(۱) المستشار موتمن — جس سے مشورہ لیا جائے امین ہے

(اگر اس نے صحیح مشورہ نہ دیا تو امانت میں خیانت کی)۔

(۲) من اشار علی اخیہ بامر یعلم ان الرشد فی غیرہ فقد خانہ (ابو داؤد)

جس شخص نے اپنے بھائی کو دیدہ و دانستہ غلط مشورہ دیا اس نے اپنے بھائی کے ساتھ خیانت کی۔

لہذا جو فیصلہ "اسلامی شوریٰ" کی اس بنیادی شرط سے علیحدہ ہوکر کیا جائے خواہ اہل شوریٰ کی کتنی ہی بڑی اکثریت اس کی مؤید کیوں نہ ہو، شریعت اسلامیہ کے آئین کی رو سے باطل ہے اور علمائے اسلام کے کسی گروہ کے نزدیک بھی قابلِ عمل نہیں۔

## خلافتِ راشدہ :-

حکومت اسلامی اگر صحیح معنی میں حکومتِ الٰہی ہو، احکامِ اسلام کا اجراء، حدود شریعت کا نفاذ، اصولِ دین کی تبلیغ، علوم شریعت کی اشاعت، فصل خصومات اور قیام امن و امان سنت رسول کے مطابق ہو، اس کا نظام "شوریٰ" کی بنیاد پر قائم ہو اور اس کا رئیس ذاتِ نبوت (صلعم) کی جامعیت رکھتا ہو، مسند درس پر وہ مجتہد مطلق ہو، حلقہ ارشاد میں ولی کامل ہو، مجلس قضاء میں قاضی عادل ہو اور میدان جنگ میں سالارِ جرار۔ غرض مذہب و سیاست کے تمام علمی و عملی کمالات میں رسولِ

اکرم صلعم کا صحیح جانشین ہو تو ایسی خلافت کو "خلافتِ راشدہ" یا "خلافت علیٰ منہاج النبوۃ" کہتے ہیں۔

خلفاء اربعہ (حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی حضرت علی رضی اللہ عنہم) کے پیغمبرانہ طرزِ زندگی اور ان کے دورِ خلافت کے شاندار کارناموں پر ایک نظر ڈالنے سے یہ حقیقت آئینہ کی طرح روشن ہو جاتی ہے کہ ان حضرات کی خلافت کا زمانہ ہی خلافت راشدہ کا دور تھا۔

رسول اکرم صلعم کی ایک حدیث ہے:۔

الخلافة بعدی ثلاثون عاما ثم ملك بعد ذالك۔

خلافت میرے بعد تیس سال ہے پھر اسکے بعد حکومت۔

اس حدیث میں "خلافت" سے خلافت کا درجہ کمال یعنی "خلافت راشدہ" ہی مراد ہے۔ خلافت راشدہ دراصل درجۂ نبوّت کا تتمہ و تکملہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا ہے:۔

کانت بنو اسرائیل تسوسهم الانبیاء کلما هلك نبی خلفه نبی وانه لا نبی بعدی وسیکون خلفاء (متفق علیہ)

بنی اسرائیل کی سیاست ان کے نبیوں سے متعلق تھی، جب ایک نبی وفات پا جاتے تو دوسرے ان کے قائم مقام ہوتے۔ حقیقت یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی تو نہ آئیگا البتہ "خلفاء" ہوں گے۔

اسی لئے سنتِ خلفاء راشدین کو سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرح امت کے واسطے نمونہ عمل قرار دیا گیا۔ اور خلفاء راشدین کی پیروی کا حکم دیا گیا۔

اکثر علماء کرام نے اس حدیث الخلافۃ بعدی ثلاثون عاماً سے استدلال کرتے ہوئے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ خلافت راشدہ کا سلسلہ حضرات خلفاء اربعہ (یا خمسہ) رحمہم اللہ پر ختم ہو گیا۔ لیکن فاضل جلیل علامہ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ میں اس رائے سے اختلاف کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ متواتر و مسلسل خلافت راشدہ کا دور تیس سال رہیگا۔ اس کے بعد دورِ حکومت کے حائل ہوتے رہنے کے سبب یہ تواتر و تسلسل ٹوٹ جائیگا۔ لیکن پھر بھی خلفاء راشدین وقتاً فوقتاً ہوتے رہینگے یہ مطلب نہیں کہ پھر وہ ہوں گے ہی نہیں۔

علامہ ممدوح نے اس رائے کی تائید میں جابر بن سمرہؓ کی یہ حدیث جو صحاح میں مختلف طرق سے مروی ہے نقل کی ہے:-

| | |
|---|---|
| لا تزال ھذہ الامۃ مستقیماً امرھا ظاھرۃً علی عدوھا حتی یمضی اثنا عشرۃ خلیفۃ کلھم من قریش۔ | اس امت کی حکومت قائم و برقرار اور یہ اپنے دشمن پر کامیاب رہے گی تا آنکہ اس میں بارہ خلیفہ ہو جائیں جو سب کے سب قریش میں سے ہونگے۔ |

اس حدیث کی نقل کے بعد تائید مزید کے لئے تورات کی یہ عبارت نقل کی ہے:-

"خداتعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو حضرت اسمٰعیل کی بشارت دی اور فرمایا کہ اسمٰعیل کی اولاد کو پروان چڑھائے گا اور ان میں سے بارہ سردار پیدا کریگا"۔ پھر اپنے جلیل القدر اُستاد علامہ ابن تیمیہؒ کے حوالہ سے فرمایا:- یہ سردار وہی خلفاء ہیں جن کی جابر بن سمرہ کی حدیث میں بشارت دی گئی ہے اور یہ امت میں حسب ضرورت مختلف اوقات میں ظاہر ہوتے رہیں گے۔

واضح رہے کہ ان بارہ خلفاء سے شیعہ صاحبان کے بارہ ائمہ مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ ان میں سے بجز حضرات علی وحسن رضی اللہ عنہم کے کوئی صاحب اقتدار و اختیار نہ ہو سکا (البدایہ النہایہ ج ۷ صد ۴۸)

# افضلیت حضرت ابوبکر صدیق

قرآن کریم اور حدیث شریف میں "خلیفۂ رسول" کی شخصی تعیین کے متعلق تصریحات نہیں ملتیں۔

امرھم شوریٰ بینھم ۔ مسلمانوں کے کام آپس کے مشورہ سے طے ہوتے ہیں کے اصول کار کے مطابق شریعت اسلامی، ان کے سب سے بڑے جماعتی کام انتخاب خلافت کی ذمہ داری بھی انہی کے سپرد کرنا چاہتی تھی تاکہ اچھے برے کے نتائج کا بوجھ انہی پر رہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں کچھ شرط و ہدایات کے ساتھ انکا دروازہ کھلا چھوڑ دیا گیا۔

تاہم نبی اکرم صلعم کے قول و عمل میں جا بجا ایسے اشارات ملتے ہیں جن سے آپ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے استحقاق خلافت کی طرف رہنمائی ہوتی ہے اور یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ آپ اپنی نیابت کی مسند پر اسی "یار غار" کو فائز دیکھنا چاہتے تھے :۔

بعض عملی اشارات حسب ذیل ہیں :۔

(۱) غزوۂ تبوک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں زمانہ کے لحاظ سے سب سے آخری، تیاری وسامان کے لحاظ سے سب سے بڑا اور حریف کی شوکت کے اعتبار سے سب سے اہم غزوہ تھا۔ اس غزوہ میں لشکر اسلامی کا سب سے بڑا منصب

۳۵

همتِ او کشتِ ملت را چو ابر
ثانیِ اسلام و غار و بدر و قبر
(اقبال)

"صاحب اللّواء" حضرت ابو بکرؓ ہی کو عطا ہوا۔

(۲) ۹ھ میں، رسول اللہ صلعم نے حضرت ابو بکرؓ ہی کو اپنا قائم مقام اور امیرِ حج مقرر فرما کر مکہ معظمہ بھیجا اور حکم دیا کہ منیٰ میں اعلان کر دیں کہ اس سال کے بعد خدا کے گھر میں اس کے باغیوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ پھر حضرت علیؓ کو آپ ہی کی زیرِ سیادت سورۂ براءۃ کی آیات جو اسی زمانہ میں نازل ہوئی تھیں سُنانے کے لئے مامور فرمایا۔ چنانچہ یہ حج ابو بکرؓ کے نام سے ہی تاریخ میں مشہور ہے۔

(۳) مرض وفات میں، جماعت صحابہ کی امامت کیلئے حضرت ابو بکرؓ ہی کو ترجیح دی اور جب حضرت صدیقؓ کی عدم موجودگی کی وجہ سے بعض صحابہ نے حضرت عمرؓ کو آگے بڑھا دیا اور ان کی آواز جو کافی بلند تھی حضور کے کانوں تک پہنچی تو آپ نے غصہ ہو کر فرمایا نہیں، نہیں، نہیں، ابن ابی قحافہ (حضرت ابو بکرؓ) ہی نماز پڑھائیں۔ جس قوم میں ابو بکرؓ موجود ہوں کسی اور کو امامت زیب نہیں دیتی۔ (ابوداؤد و ترمذی)

(۴) مسجد نبوی کے گرد جن صحابہ کے مکانات تھے انہوں نے مسجد میں حاضری کی آسانی کے خیال سے، ان میں کھڑکیاں کھول رکھی تھیں انہی کھڑکیوں کے راستہ مسجد میں حاضر ہوتے تھے۔ وفات کے قریب آپ نے حکم دیا کہ سب کھڑکیاں بند کر دی جائیں صرف ابو بکر رضی اللہ عنہ کی کھڑکی کھلی رہنے

دی جائے[1] (بخاری و مسلم)

چند قولی اشارات یہ ہیں:۔

(۱) حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا:۔ شب معراج میں میں جس آسمان پر بھی پہنچا وہاں اپنا نام محمد رسول اللہ اور اس کے بعد ابوبکر صدیق لکھا پایا۔ (اوسط طبرانی)

(۲) حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ابوبکرؓ اور عمرؓ تمام اگلے اور پچھلے اہل جنت کے، جو ادھیڑ عمر کے دنیا سے اٹھے (اور طاعت اور عبادت کے لئے وقت پا سکے) سردار ہوں گے، سوائے انبیاء اور مرسلین کے۔[2] (ترمذی)

(۳) حضرت ابوسعیدؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہر نبی کے دو وزیر آسمانی مخلوق میں سے اور دو زمینی مخلوق میں سے ہوتے ہیں، تو آسمانی مخلوق میں سے میرے دو وزیر جبرئیل و میکائیل ہیں اور زمینی مخلوق میں سے ابوبکرؓ و عمرؓ (ترمذی)

(۴) حضرت حذیفہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا

---

[1] شاید اس لئے کہ خلیفۂ رسول کو اپنے فرائض منصبی کے سلسلہ میں آنے جانے میں تکلیف نہ ہو۔

[2] ظاہر ہے کہ جو شخص جنت میں سب مسلمانوں کا پیشوا ہوگا وہ دنیا میں بھی ان کا امام ہونے کے لئے زیادہ موزوں ہے۔

مجھے معلوم نہیں کہ تم میں کتنے دن اور رہوں لہذا میرے بعد ان دونوں کے حکم کی پیروی کرنا یہ فرماتے ہوئے حضرت ابوبکر و حضرت عمر کی طرف اشارہ کیا (ترمذی)

(۵) ایک سائلہ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے اس سے فرمایا اگر پھر آنا ہو اور تو مجھے نہ پائے تو ابوبکر کے پاس آنا۔[1] (ازالۃ الخفاء)

خود صحابہ کرام جو دربار نبوّت کے ہر وقت کے حاضر باش تھے ان کی بھی یہی رائے تھی کہ رسول اکرم صلعم کے بعد سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق ہی ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم (صحابہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں ابوبکرؓ کے برابر کسی کو نہ سمجھتے تھے پھر ان کے بعد عمرؓ ان کے بعد عثمانؓ کا درجہ قرار دیتے تھے، پھر تمام صحابہ کرام کو بلا ترجیح رہنے دیتے ان میں سے کسی کو دوسرے پر فضیلت نہ دیتے تھے (بخاری و ابوداؤد و ترمذی) طبرانی نے اس اثر پر اتنا اضافہ اور کیا ہے "کہ رسول اکرم صلعم ہماری اس ترتیب کو سنتے تھے اور اس کا انکار نہ فرماتے تھے"۔ (التاج الجامع للاصول) صحیح بخاری میں، محمد بن حنفیہ کی روایت سے، حضرت علیؓ کا ایک اثر بھی اسی مضمون کا منقول ہے۔

## ترتیب خلفاء اربعہ

یہی نہیں، بلکہ احادیث و آثار کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ خلفائے

---

[1] ظاہر ہے کہ بیت المال میں تصرّف خلیفہ ہی کا کام ہے۔

راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کے انتخاب کے سلسلہ میں جو ترتیب ظہور میں آئی وہ منشاء نبوی کے مطابق تھی، اور یقیناً صحابہ کرام نے جو رسول اکرم صلعم کے ہر وقت کے انیس وجلیس تھے انتخاب خلافت کے وقت مرضیِ مولیٰ ہی کو سب سے اولیٰ سمجھ کر اس ترتیب کو ملحوظ رکھا ہوگا۔

(۱) حضرت جابر کہتے ہیں، رسول اللہ صلعم نے فرمایا گزشتہ رات ایک مردِ صالح کو خواب میں دکھایا گیا کہ ابوبکرؓ کو رسول اللہ صلعم کے ساتھ ملا دیا گیا ہے، اور عمرؓ کو ابوبکرؓ کے ساتھ، اور عثمان کو عمر کے ساتھ، حضرت جابر کہتے ہیں کہ جب ہم لوگ حضور کی مجلس سے اُٹھ گئے تو ہم نے آپس میں کہا کہ مردِ صالح تو خود حضور صلعم ہیں اور ایک کو دوسرے کے ساتھ ملانے سے مراد یہ ہے کہ یہ یکے بعد دیگرے خلیفۂ اسلام ہوں گے۔ (ابوداؤد)

(۲) رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اگر تم لوگ ابوبکرؓ کو امیر بناؤ گے تو نہیں امین، دُنیا کا حقیر سمجھنے والا اور آخرت کا شائق پاؤ گے۔ اگر عمرؓ کو امیر بناؤ گے تو انہیں قوی وامین پاؤ گے، کہ خدا کے معاملہ میں کسی کی ملامت کا خوف نہ کریں گے، اور اگر علیؓ کو امیر بناؤ گے اور میرا خیال ہے کہ تم لوگ (بالاتفاق) ایسا نہ کرو گے تو ان کو ہدایت کرنیوالا اور ہدایت پانے والا پاؤ گے۔

(۳) حضرت سمرہ راوی ہیں کہ ایک شخص نے حاضرِ خدمت ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہ میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا ایک ڈول آسمان سے لٹکایا گیا ہے

ابوبکرؓ آئے اور اس ڈول کے دونوں ڈنڈے پکڑ کر ضعف کے ساتھ پانی پیا، اس کے بعد عمرؓ آئے اور اس ڈول کے دونوں ڈنڈے پکڑ کر اتنا پیا کہ کوکھیں پھول گئیں، اس کے بعد عثمانؓ آئے اور اس کے ڈنڈے پکڑ کر اتنا پیا کہ کوکھیں پھول گئیں۔ اس کے بعد علی آئے اور (پانی پینے کے لئے) اسکے ڈنڈے پکڑے تو ڈول ہلا اور کچھ پانی اس میں سے ان کے اوپر گرا[1]۔ (ابوداؤد)

(۴) ابوبکرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے بیان کیا یا رسول اللہ میں نے خواب دیکھا کہ گویا آسمان سے ایک ترازو اتری۔ اس ترازو میں آپ اور ابوبکرؓ تولے گئے تو آپ ابوبکر سے بھاری نکلے پھر ابوبکرؓ اور عمرؓ تولے گئے تو ابوبکرؓ بھاری نکلے پھر عمرؓ اور عثمانؓ تولے گئے تو عمرؓ بھاری نکلے۔ اسکے بعد ترازو اٹھالی گئی[2] (ابوداؤد)

(۵) حضرت علی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا اللہ کی رحمت نازل ہو ابوبکرؓ پر انہوں نے اپنی بیٹی مجھے دی، مدینہ آنے کے لئے سواری کا انتظام کیا۔ غار میں میرے ساتھ رہے اور بلالؓ کو اپنے مال سے خرید کر آزاد کیا۔ اللہ

---

[1] پانی کے ڈول سے نبی رحمت صلعم کی خلافت کی طرف اشارہ ہے۔ کمی کے ساتھ پانی پینے سے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کی قلت مدت یا ظہور ارتداد کی طرف اشارہ ہے، ڈول کا پانی گر جانے سے حضرت علی کے زمانہ میں خلافت میں تفرقہ پڑ جانے کی طرف اشارہ ہے۔

[2] ترازو کے اٹھ جانے سے غالباً مراد یہ ہے کہ حضرت عثمان کے بعد لوگ انتخاب خلافت کے معاملہ میں معیارِ فضیلت کو ملحوظ نہ رکھیں گے اور گروہ بندی اور طاقت پر دارومدار رہ جائے گا۔

کی رحمت نازل ہو عمرؓ پر کہ وہ حق بات کہتے ہیں اگرچہ کسی کو کڑوی معلوم ہو، اس حق گوئی کی وجہ سے ان کا کوئی دنیوی دوست نہ رہا۔ اللہ کی رحمت نازل ہو عثمانؓ پر کہ خدا کے فرشتے بھی ان (کی حیاء) سے شرماتے ہیں۔ اللہ کی رحمت نازل ہو علیؓ پر، اے خدا حق کو ان کے ساتھ کر جدھر بھی وہ جائیں۔ (ترمذی)

(۶) بنی مصطلق سے آپ نے فرمایا کہ وہ آپ کے بعد مال زکوٰۃ[۱] حضرت ابوبکرؓ کے سپرد کیا کریں۔ ان کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کے، ان کے بعد حضرت عثمان غنیؓ کے۔

(۷) رسول اکرم صلعم نے ایک مرتبہ خطبہ ارشاد فرمایا اور پھر علی الترتیب حضرت صدیق اکبرؓ۔ حضرت عمر فاروقؓ۔ حضرت عثمان غنیؓ کو خطبہ کہنے کا حکم دیا۔[۱]

(۸) مسجد نبوی کی بناء رکھتے ہوئے ایک پتھر رسول اکرم صلعم نے خود رکھا اور پھر بترتیب ایک ایک پتھر حضرت ابوبکر صدیقؓ۔ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ سے رکھوایا۔[۲] رضی اللہ تعالیٰ عنہم ورضوا عنہ۔

---

۱ مال زکوٰۃ کی وصولیابی اور خطبہ کا لوازم خلافت سے ہونا ظاہر ہے۔

۲ آخری تین حدیثیں ازالۃ الخفاء حصہ دوم (ص ۵۱، ۵۲) از حضرت شاہ ولی اللہؒ سے ماخوذ ہیں۔ شاہ صاحبؒ نے اس مسئلہ سے متعلق اور بھی بہت سی احادیث و آثار نقل فرمائے ہیں جنہیں بخوف طول کلام قلم انداز کیا جاتا ہے۔

# عہدِ ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ

## انتخابِ خلافت

### سقیفہ بنی ساعدہ :-

نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوتے ہی سب سے اہم مسئلہ مسلمانوں کے سامنے یہ تھا کہ وہ کس بزرگ کو آپ کا خلیفہ منتخب کریں؟ پھر یہ بھی ضروری تھا کہ اس کام کو جس قدر جلد ممکن ہو انجام دیں، ورنہ اندیشہ تھا کہ منافقوں کی سازش سے مسلمانوں کا اتحاد جو ان کے مقدس دین کی بنیاد ہے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے اور اسلام کی شاندار عمارت جس کی تعمیر میں سرکارِ نامدار صلعم کی زندگی کے تیئس سال صرف ہوئے زمین پر آ رہے۔

اس زمانہ کے مسلمانوں کی دو بڑی تقسیمیں کی جا سکتی ہیں۔ مہاجرین اور انصار۔ "مہاجرین" وہ مسلمان تھے جو رسولِ اکرم صلعم کے ساتھ اپنے وطن، اپنے عزیزوں اور اپنے مال و متاع کو چھوڑ کر مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ چلے آئے تھے اور "انصار" وہ مسلمان تھے جنہوں نے اپنے جان و مال سے حضور کی مدد کی

اور اپنے وطن مدینہ منورہ میں بلا کر خدا کے دین کو پروان چڑھایا سقیفہ بنی ساعدہ "انصار" کے سردار سعد بن عبادہ رضؓ کی نشست گاہ تھی۔ رؤساء انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور انتخاب خلافت کے مسئلہ پر گفتگو ہونے لگی۔ پہلے سعد بن عبادہؓ کھڑے ہوئے۔ آپ نے انصار کی خدمات کا تذکرہ کیا اور پھر کہا کہ "خلافت رسول" کے سب سے زیادہ مستحق ہم ہیں۔ چند انصار نے کہا آپ نے بالکل درست فرمایا۔ مجمع میں سے ایک آواز آئی۔ اگر مہاجرین نہ مانیں اور رسول اکرم صلعم کی قرابت کے سبب اپنا حق جتائیں تو پھر کیا ہو؟ دوسرے صاحب نے جواب دیا۔ پھر ایک امیر ہمارے خاندان میں سے ہو اور دوسرا ان کے خاندان میں سے۔

حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو اس اجتماع کا حال معلوم ہوا تو وہ بھی مہاجرین کی جماعت کے ساتھ تشریف لے آئے۔ حضرت عمر کچھ کہنا چاہتے تھے کہ حضرت ابوبکرؓ نے انہیں روک دیا اور خود بڑی متانت اور سنجیدگی کے ساتھ ایک تقریر فرمائی۔ اس تقریر میں آپ نے پہلے مہاجرین کی دینی قربانیوں کا تذکرہ کیا، پھر انصار کے جذبۂ ایثار کی دل کھول کر تعریف کی اور پھر فرمایا اگر فضائل و مناقب کو دیکھا جائے تو دونوں میں سے کوئی دوسرے سے کم نہیں لیکن رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے کہ:-

الائمۃ من قریش — امام قریش میں سے ہوں۔

لہٰذا اے جماعت انصار، خلفاء ہم میں سے ہوں اور وزراء تم میں سے اور یقین مانو کہ خلافت کے اہم کاموں میں تم سے مشورہ لیا جاتا رہے گا۔"

اب انصار کے قبیلہ خزرج میں سے ایک صاحب کھڑے ہوئے اور کہنے لگے اچھا اگر مہاجرین کو ہماری خلافت سے انکار ہے تو ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک ان میں سے۔

یہ رائے، ظاہر ہے کہ نہایت غلط تھی اس لئے حضرت عمر نے بڑی سختی سے اس کی مخالفت کی۔ پھر حضرت ابو عبیدۃ بن الجراح نے فرمایا "اے انصار، تم نے ہی دین اسلام کو سب سے پہلے قوت پہنچائی۔ اب تم ہی اس کے ضعف کا سامان نہ کرو۔"

یہ سن کر انصار کے قبیلہ خزرج ہی میں سے ایک دوسرے صاحب "بشیر بن سعد کھڑے ہو گئے اور اپنی جماعت کو مخاطب کر کے فرمانے لگے۔

"اے جماعتِ انصار! اگر ہم نے اسلام کی خدمات میں حصہ لیا تو خدا تعالیٰ کی رضا اور اس کے رسولِ پاک کی اطاعت کے لئے لیا۔ اس میں کسی پر احسان جتانے کا کیا موقع ہے؟ اور اس کے عوض متاعِ دنیا کو طلب کرنا کہاں مناسب ہے؟ سنو! رسول اللہ صلعم خاندان قریش میں سے تھے، قریش انکی خلافت کے زیادہ مستحق ہیں، خدا کی قسم اس منصب میں میں ان سے جھگڑنے کو بالکل مناسب نہیں سمجھتا۔ اللہ سے ڈرو اور ان کی مخالفت نہ کرو۔"

جب انصار ہی میں سے ایک جماعت قریش کی حامی ہو گئی تو وہ خاموش ہو گئے۔ اب یہ بات تو طے ہو گئی تھی کہ قریش ہی میں سے کوئی خلیفہ ہو لیکن یہ مرحلہ

باقی تھا کہ وہ کون ہو؟ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا "بھائیو! عمر بن خطاب اور ابوعبیدہ بن الجراح میں سے کوئی ایک خلیفہ ہونا چاہئے۔ جسے مناسب سمجھو انتخاب کر لو" یہ سُن کر یہ دونوں صاحبان کھڑے ہو گئے اور یک زبان ہو کر بولے: "اے صدیق! بھلا آپ کے ہوتے ہم ایسی جرأت کر سکتے ہیں۔ آپ مہاجرین میں سب سے افضل ہیں، غارِ ثور کی تنہائی میں رسولِ خدا کے رفیق ہیں، رسول اللہ صلعم کی زندگی میں، نماز کی امامت میں آپ نے ان کی نیابت کی، حالانکہ دینِ اسلام میں سب سے اہم چیز نماز ہی ہے۔ ان فضائل کے ہوتے ہوئے خلافت رسول صلعم کا آپؓ سے زیادہ مستحق کون ہو سکتا ہے۔ اپنا ہاتھ بڑھائیے کہ پہلے ہم ہی بیعت کریں۔" لیکن صدیق اکبر نے ہاتھ نہیں بڑھایا۔ حضرت عمر نے یہ دیکھتے ہوئے کہ اگر حضرت ابوبکر نے انکار کر دیا تو بات نئے سرے سے جھگڑے میں پڑ جائے گی، خود ہاتھ بڑھا کر صدیق اکبر کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس کے بعد بعد تمام مسلمان بیعت کرنے کے لئے ٹوٹ پڑے۔

یوں یہ اہم مسئلہ بخیر و خوبی طے ہوا اور مسلمان رسول اکرم صلعم کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہو گئے۔

## بیعت عامہ

دوسرے روز مسجد نبوی میں بیعت عامہ ہوئی جس میں تمام مسلمان شریک ہوئے۔ بیعت سے فارغ ہو کر حضرت صدیقؓ خلیفۂ اسلام کی حیثیت سے منبر پر

تشریف لائے اور خطبۂ خلافت ارشاد فرمایا۔ حمد و ثنا کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا:۔

"اے لوگو! میں تمہارا حاکم بنا دیا گیا ہوں حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں اگر کوئی اچھا کام کروں تو میری مدد کرو اور اگر غلطی کروں تو اصلاح کر دو۔ دیکھو سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت۔ تم میں جو شخص کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے جبتک کہ میں اسے اس کا حق نہ دلا دوں، انشاء اللہ اور تم میں جو شخص قوی ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے جبتک کہ میں اس سے دوسروں کا حق نہ لے لوں انشاء اللہ۔ دیکھو جس قوم نے بھی اللہ کے راستے میں جہاد کرنا چھوڑ دیا اللہ نے اسے ذلیل کر دیا ہے اور جس قوم میں بھی بدکاری پھیل جاتی ہے خدا اس میں مصیبت کو بھی پھیلا دیتا ہے۔ دیکھو جبتک میں خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تم بھی میری اطاعت کرو اور جب میں خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم بھی میری اطاعت سے آزاد ہو۔"

یہ خطبہ ایک "دستور العمل" تھا جسے آپ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں پیش نظر رکھا۔

## توقفِ علی مرتضیٰ رضؓ :۔

حضرت علی مرتضیٰ رضؓ اور ان کے چند متعلقین نے حضرت ابوبکر رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے میں کچھ دیر کی۔ ابتداءً تو وہ اس لئے بیعت نہ کر سکے کہ رسولِ اکرم صلعم کے اہل بیت ہونے کی وجہ سے وہ آپ کی تجہیز و تکفین میں لگے رہے، اس کے

بعد ایک دوسری رکاوٹ پیش آگئی۔

حضرت فاطمہ زہرا رض اور حضرت عباس رض نے حضور صلعم کی متروکہ جائداد (مدینہ وخیبر) میں سے اپنا حصہ طلب کیا۔ لیکن حضرت صدیق نے فرمایا کہ انبیاء کی جائداد میں میراث نہیں چلتی، میں نے خود رسول اللہ صلعم کی زبانی سنا ہے کہ:۔

لا نورث ماترکناہ صدقۃ ہم نبیوں کے مال میں میراث جاری نہیں ہوتی جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں وہ وقف ہوتا ہے۔

حضرت بتول رض نے حضور سے یہ حدیث نہ سنی تھی، منافقین کی دراندازی سے دلوں میں فرق پڑگیا۔ حضرت علی رض کو چونکہ خاتونِ جنت کی دلداری کا بہت خیال تھا اس لئے انہوں نے چھ مہینے، جبتک وہ زندہ رہیں بیعت میں تاخیر کی۔

علاوہ ازیں بنو ہاشم کا یہ بھی خیال تھا کہ رسول اکرم صلعم کے اہل بیت ہونے کی حیثیت سے خلافت میں ان کا حق مقدم ہے خود حضرت علی رض بھی ان کے ہم خیال تھے۔

لیکن چونکہ ان بزرگوں میں نفسانیت نہ تھی اس لئے پہلے تو بیماری کے زمانہ میں حضرت فاطمہ رض کے پاس آکر خود حضرت صدیق نے عذر خواہی کی، اور پھر ان کی وفات کے بعد، حضرت علی رض نے حضرت صدیق اکبر کو بلایا اور فرمایا

"اے صدیق رضؓ! ہمیں آپ کی فضیلت کا اعتراف ہے اور خدا نے آپ کو جو منصبِ خلافت عطا کیا ہے ہمیں اس پر حسد بھی نہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ ہم نبوّت کے گھرانے کے آدمی ہونے کی حیثیت سے خلافت کو اپنا حق سمجھتے تھے، آپ نے ہماری حق تلفی کی ہے۔ یہ سُن کر حضرت صدیق رونے لگے۔ پھر فرمایا، خدا کی قسم مجھے اپنے رشتہ داروں کے مقابلہ میں رسول اللہؐ کے رشتہ دار زیادہ عزیز ہیں۔ اس دوستانہ شکوہ شکایت کے بعد حضرت علیؓ نے بھی مسجد نبوی میں تشریف لاکر صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی[1]

# حالات قبل خلافت

آپ کا نام عبداللہ ہے، ابوبکر کنیت ہے، صدیق اور عتیق لقب ہے باپ کا نام عثمان ہے اور ان کی کنیت ابو قحافہ ہے، ماں کا نام سلمٰی ہے اور ام الخیر کنیت ہے۔ آپ قریش کی شاخ "بنی تمیم" سے ہیں، اور چھٹی پشت میں، مرہ پر آپ کا سلسلہ نسب رسول اللہ صلعم سے جا ملتا ہے۔ رسول اکرم صلعم کی ولادت باسعادت سے دوسال بعد آپ کی ولادت ہوئی۔

---

[1] تاریخ الامم خضری ۱۵

اسلام سے پہلے ہی حُسنِ اخلاق، دیانت و امانت اور خاندانی وجاہت میں آپ امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ ایک دولتمند تاجر تھے اور اپنی دولت سے ضرورتمندوں اور محتاجوں کو فائدہ پہنچاتے رہتے تھے۔ جاہلیت کے زمانہ میں خوں بہا کا مال آپ ہی کے پاس جمع ہوتا تھا۔ آپ "علم الانساب" کے بھی بہت بڑے عالم تھے۔

رسول اکرم صلعم سے بچپن سے ہی دوستی تھی۔ جب حضور کا سینہ نبوّت کے نور سے معمور کیا گیا تو سب سے پہلے آزاد مردوں میں اس روشنی کو آپ نے ہی قبول کیا۔ چنانچہ خود حضور نے ارشاد فرمایا ہے، کہ "میں نے جس کسی کو اسلام کی دعوت دی اس کی طرف سے کچھ نہ کچھ جھجھک ضرور محسوس ہوئی مگر ابو بکرؓ ذرا نہ جھجکے"۔

پھر ایمان لانے کے بعد ایمان کی قوّت کا یہ حال تھا کہ کسی صورت اس میں کمزوری پیدا ہونے کا امکان نہ تھا۔ معراج کی صبح کو جب رسول اللہ صلعم نے بارگاہ خداوندی میں حاضری کے واقعات بیان کئے تو کافروں نے مذاق اُڑایا۔ راستہ میں کہیں حضرت ابو بکرؓ بھی مل گئے۔ کافر کہنے لگے "ابو بکرؓ! وہ تمہارے دوست جو خدا کی طرف سے وحی اُترنے کا دعویٰ کرتے تھے اب خدا سے ملاقات بھی کر آئے ہیں۔ کیا تم ان کی اس عجیب بات کو بھی مان لوگے"۔ حضرت ابو بکرؓ نے فوراً جواب دیا "کیوں نہیں میں تو اس سے بھی زیادہ عجیب باتوں کو مانتا ہوں"۔ اس شانِ ایماں پر دربارِ نبوّت سے "صدیق" کا لقب عطا ہوا۔

## تبلیغ اسلام

اسلام کی تبلیغ میں آپ نے پیغمبرِ خدا کی رفاقت کا حق پوری پوری طرح ادا کیا۔ رسولِ اکرم صلعم روزانہ صبح و شام آپ کے مکان پر تشریف لے جاتے اور تبلیغِ اسلام کے متعلق رازدارانہ مشورے ہوتے پھر حضور جن قبیلوں جن بستیوں اور جن میلوں میں خدا کا پیغام سنانے تشریف لے جاتے حضرت ابوبکرؓ آپ کے ہمراہ ہوتے۔

خود حضرت ابوبکرؓ اپنے طور پر اس فرض کو ادا کرنے میں بھی کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے۔ بہت سے جلیل القدر صحابی، جن میں حضرت عثمان بن عفان، حضرت زبیر بن عوام، حضرت طلحہ بن عبیداللہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہم شامل ہیں، آپ ہی کے تعلق اور اثر سے مشرف باسلام ہوئے جب کفارِ مکہ کے غلاموں نے اسلام قبول کرنا شروع کیا اور کافروں نے انہیں اس جرم میں دردناک تکلیفیں پہنچائیں، تو حضرت ابوبکر ہی تھے جنہوں نے اپنے روپے سے انہیں خرید خرید کر کافروں کے پنجۂ ظلم سے نجات دلائی۔

### ہجرت حبشہ :-

کفارِ مکہ نے جب مسلمانوں پر ظلم ڈھانے شروع کئے اور مجبور ہو کر انہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا ارادہ کیا۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے بھی رسول اللہ صلعم سے اجازت چاہی اور حبشہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب آپ مقام "برک الغماد" میں

پہنچے تو قارہ کے سردار "ابن الدغنہ" سے ملاقات ہوئی - ابن الدغنہ نے پوچھا "ابوبکرؓ کہاں کا ارادہ ہے؟" آپ نے فرمایا "مکہ والوں نے جلاوطن کر دیا ہے کسی دوسرے ملک جا رہا ہوں جہاں آزادی کے ساتھ اپنے خدا کی عبادت کر سکوں"۔ ابن الدغنہ نے کہا "ابوبکرؓ تم جیسا آدمی جلاوطن نہیں کیا جا سکتا تم مفلسوں کی امداد کرتے ہو، مصیبت زدوں کے کام آتے ہو، مسافروں کی مہمان داری کرتے ہو، میں تمہیں اپنی ذمہ داری پر واپس لے چلوں گا"۔ حضرت ابوبکرؓ واپس چلے آئے۔ اور ابن الدغنہ نے اعلان کر دیا کہ ابوبکر میری پناہ میں ہیں کوئی انہیں نہ ستائے۔ کافروں نے کہا ہم ابوبکر سے کچھ نہ کہیں گے مگر ان سے یہ کہدو کہ وہ خاموشی کے ساتھ عبادت کر لیا کریں"۔

کچھ دن تو حضرت ابوبکرؓ نے اس شرط پر عمل کیا مگر پھر ان کی آزاد طبیعت اعلان حق پر اس پابندی کو گوارا نہ کر سکی۔ چنانچہ انہوں نے کھلم کھلا تبلیغی فرائض ادا کرنے شروع کر دئے۔ جب ابن الدغنہ نے شکایت کی تو صاف کہدیا کہ "مجھے تمہاری پناہ کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے لئے اللہ کی پناہ کافی ہے"۔

ہجرت مدینہ :-

جب مکہ کے کافروں نے اسلام کی روشنی کو قبول کرنے سے انکار ہی نہیں کیا بلکہ اس روشنی کو بجھانے کا بھی پکا ارادہ کر لیا تو رسول خدا صلعم نے

خداوندی اشارہ کے مطابق مدینہ منورہ کا عزم فرمایا۔

دوپہر کے وقت چلچلاتی دھوپ میں، آپ نے اپنے رفیق و غمگسار کا دروازہ کھٹکھٹایا اور اپنے اس ارادہ کا اظہار فرمایا تو حضرت ابو بکر نے عرض کیا "یا رسول اللہ کیا مجھے بھی ساتھ چلنے کی اجازت ہے؟" حضور نے فرمایا "ہاں تیار ہو جاؤ" حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ میں نے تو اسی دن کی تمنا میں پہلے ہی سے دو اونٹنیاں تیار کر رکھی ہیں"۔

اس تاریخی سفر کا تمام انتظام حضرت ابو بکرؓ کے گھر سے ہوا، حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ نے سامانِ سفر درست کیا۔ حضرت اسماء نے اپنا پٹکا کمر سے کھول کر دو ٹکڑے کئے اور ایک ٹکڑے سے توشہ دان باندھا اور "ذو النطاقین" کا خطاب حاصل کیا۔ عبداللہ بن ابی بکرؓ مکہ کے حالات کی اطلاع پہنچانے پر مقرر ہوئے۔ اور حضرت ابو بکرؓ کے غلام عامر بن فہیرہ کے سپرد یہ خدمت ہوئی کہ وہ بکریاں لیکر غارِ ثور پر چلے آیا کریں اور تازہ دودھ پلایا کریں۔

ان انتظامات کے بعد رسول اللہ صلعم اپنے دو عزیز ترین اور قدیم ترین رفیقوں میں سے ایک (حضرت علیؓ) کو اپنے بستر پر لٹا کر اور دوسرے (حضرت ابو بکرؓ) کو اپنے ساتھ لیکر مکہ سے باہر نکلے اور غارِ ثور پر جا کر پہلی منزل کی۔ کافروں کو جب معلوم ہوا کہ ان کی سازش ناکامیاب رہی تو جھنجھلا اُٹھے اور آپ کی تلاش میں چاروں طرف آدمی دوڑائے۔ کچھ لوگ تلاش کرتے کرتے عین غار

کے منھ پر پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ گھبرانے لگے اور عرض کیا "یا رسول اللہ اگر کافر نیچے کی طرف نظر ڈالیں گے تو ہمیں دیکھ لیں گے"۔ حضور نے بڑے اطمینان کے ساتھ فرمایا۔ اے ابوبکرؓ غم نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے"۔

قرآن مجید نے اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے :۔

| | |
|---|---|
| الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ ٥ اذا خرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذھما فی الغار۔ اذا یقول لصاحبہ لاتحزن ان اللہ معنا | اگر تم رسول اللہ کی مدد نہ کرو گے (تو بھی) اللہ نے تو اس کی اس وقت مدد کی ہے جب اسے کافروں نے اسکے رفیق کے ساتھ نکال دیا تھا۔ جب وہ دونوں غار میں (چھپے ہوئے) تھے اور وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا غم نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے۔ |

اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے یار غار کے ساتھ دن کو چھپتے ہوئے اور رات کو سفر کرتے ہوئے مدینہ منورہ پہنچے اور تاریخ اسلام میں فتح صداقت اور غلبۂ حق کے باب کا آغاز ہوا۔

## شرکت غزوات :۔

ہجرت کے بعد جب کفار سے لڑائیوں کا سلسلہ جاری ہوا تو حضرت ابوبکرؓ تمام لڑائیوں میں شامل ہوئے اور اپنی بہادری اور جان نثاری کا پورا پورا ثبوت دیا۔ بعض اتفاقی اسباب سے غزوۂ احد اور غزوۂ حنین میں مسلمانوں کو کچھ

نقصان پہنچا اور اسلامی لشکر کے بعض سپاہیوں سے انسانی کمزوریاں ظاہر ہوئیں۔ لیکن لشکرِ اسلام کا یہ بہادر جرنیل اپنی جگہ پہاڑ کی طرح جما رہا اور رسول اللہ صلعم کی رفاقت کا پورا پورا حق ادا کیا۔

غزوہ تبوک رسول اللہ صلعم کی زندگی کا آخری غزوہ ہے۔ جب اس لڑائی کیلئے رسول اللہ صلعم نے اپنے فدائیوں کو پکارا اور ان سے جان و مال کی قربانی طلب کی تو حضرت ابو بکر صدیق نے اپنے "مرتبہ" کے مطابق اس میں حصہ لیا۔ گھر میں جو کچھ موجود تھا لاکر اپنے آقا کے قدموں میں ڈال دیا، اور جب حضور نے پوچھا اے ابو بکر تم نے کچھ بال بچوں کیلئے بھی چھوڑا تو نہایت بے پروائی کے ساتھ جواب دیا کہ "ان کے لئے اللہ اور رسول کافی ہیں۔" جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوات کے اس خاتمۃ الباب کی علمداری آپ ہی کے سپرد کی۔

## حج ابو بکرؓ :۔

جب مکہ معظمہ کفر و شرک کی گندگی سے پاک ہو گیا، تو اگلے سال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ ہی کو اپنا قائم مقام اور امیر الحج بنا کر روانہ کیا۔ اسی موقع پر حضرت ابو بکر کی سرداری میں حضرت علیؓ نے رسول اللہ صلعم کا وہ تاریخی اعلان پڑھ کر سنایا جس میں اسلام اور کفر کی حدود کو جدا جدا کر دیا گیا تھا۔

## امامت جماعت :۔

رسول اللہ صلعم جب سفرِ آخرت کی تیاری فرمانے لگے تو مسجد نبوی کی

امامت کا بلند پایہ مرتبہ آپ ہی کے سپرد فرمایا۔ حضرت عائشہؓ اسے کچھ پسند نہ کرتی تھیں اس لئے بہت اصرار کیا کہ یہ کام کسی اور کے سپرد کیا جائے مگر آقائے دو جہاں صلعم کو کسی اس سے بھی زیادہ گرانقدر منصب (خلافت) کی تمہید پیدا کرنی تھی اس لئے آپ نے اپنے اس فیصلہ میں ترمیم نہ فرمائی۔ دُنیا سے رخصت کے دن، نماز فجر کے وقت، حضور صلعم نے حجرہ شریفہ کا پردہ اُٹھایا آپ نے دیکھا کہ مسلمان حضرت ابوبکرؓ کی امامت میں کامل اتحاد و اطمینان کے ساتھ اپنا دینی فرض ادا کر رہے ہیں تو بے اختیار مسکرا دئے اور پھر پردہ کھینچ لیا۔

## ثبات و استقامت :-

رسول اکرم صلعم کی وفات کی خبر آپ کے جان نثاروں پر بجلی بن کر گری۔ وہ کسی صورت اپنے آقا و مولیٰ کی جُدائی کے تصوّر کے لئے بھی تیار نہ تھے۔ حضرت عمرؓ تو تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے جو کہے گا کہ رسول اللہ صلعم کا وصال ہو گیا ہے اس کی گردن اُڑا دوں گا۔

حضرت ابوبکرؓ "اس روز رسول اکرم صلعم کے مرض میں تخفیف دیکھ کر مقام "سنح" تشریف لے گئے تھے، جب واپس آئے اور یہ ہنگامہ دیکھا تو حضرت عمرؓ سے کہا کہ تم بیٹھ جاؤ مگر جب وہ نہ مانے تو الگ اپنی تقریر شروع کر دی۔ صحابہ کا مجمع آپ کی آواز کی طرف ڈھل گیا۔ آپ نے فرمایا :-

"جو لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتے تھے انہیں معلوم ہونا چاہیئے

کہ آپ کا تو وصال ہوگیا۔ لیکن جو لوگ خدا کی عبادت کرتے تھے انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور وہ کبھی نہ مرے گا۔ پھر یہ آیت پڑھی :۔

| | |
|---|---|
| وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل ۰ افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم | محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک رسول ہی تو ہیں جن سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں کیا اگر وہ وفات پا جائیں یا شہید ہو جائیں تو تم اسلام سے اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے ؟ |

آپ کی اس تقریر نے جادو کا کام کیا اور صحابہ فرماتے ہیں کہ ہمیں ایسا معلوم ہوا گویا یہ آیت آج ہی نازل ہوئی ہے ۔

# واقعاتِ عہدِ خلافت

## لشکر اسامہ :۔

رسولِ اکرم صلعم نے اپنی وفات سے کچھ ہی پہلے رومیوں سے "جنگ موتہ" کا انتقام لینے کے لئے ایک لشکر کی تیاری کا حکم دیا تھا اور اس لشکر کا سردار زید ابن حارثہؓ (جو جنگِ موتہ میں شہید ہوئے تھے) کے بیٹے حضرت اُسامہ کو مقرر فرمایا تھا۔ اس لشکر میں اکثر بڑے بڑے صحابہ حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ وغیرہ شامل تھے۔ لیکن ابھی یہ لشکر روانہ نہیں ہوا تھا کہ رسول اکرم صلعم بیمار

ہو گئے اور پھر آپ کی وفات ہو گئی۔

رسول اکرم صلعم کی وفات ہوتے ہی عرب میں ارتداد کی وبا پھیل گئی، تو مسلم قبیلے جن کے دلوں میں نورِ ایمان کی چمک پورے طور پر منعکس نہیں ہوئی تھی، ایک ایک کر کے مرتد ہونے لگے۔ یہ وقت اسلام کے لئے بڑا نازک تھا۔ بعض صحابہ نے مشورہ دیا کہ کچھ عرصہ کے لئے لشکرِ اُسامہ کی روانگی ملتوی کر دی جائے اور پہلے مرتدین سے نمٹ لیا جائے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ نے اس مشورہ کو قبول نہ کیا۔ آپ نے فرمایا "میں اس جھنڈے کو نہیں کھول سکتا جسے رسول اللہ صلعم نے خود اپنے مبارک ہاتھوں سے باندھا ہو"۔ پھر بعض صحابہ نے عرض کیا کہ "اُسامہ کی بجائے جو ایک نوعمر اور ناتجربہ کار شخص ہیں کسی اور کو سردار بنا دیجئے"۔ آپ نے غصہ ہو کر فرمایا "جسے خدا کے رسول نے سردار بنایا ہو مجھے اسے معزول کرنے کا کیا حق ہے؟"

حقیقت یہ ہے کہ اگر حضرت ابوبکرؓ ان دونوں مشوروں میں سے کسی مشورہ کو مان لیتے تو دوسروں کو حکم رسول اللہ صلعم سے سرتابی کے لئے ایک مثال مل جاتی۔

غرض حضرت ابوبکرؓ نے لشکرِ اُسامہ کو روانگی کا حکم دیا اور اسے رخصت کرنے کے لئے خود کچھ دور تک تشریف لے گئے۔ اس طرح کہ اُسامہ گھوڑے پر سوار تھے اور حضرت ابوبکرؓ ساتھ ساتھ پیدل چل رہے تھے۔ اُسامہ نے عرض کیا کہ "اے خلیفۃ الرسول! آپ بھی سوار ہو جائیں ورنہ مجھے اجازت

دیجیئے کہ میں بھی پیدل ہو جاؤں۔" حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا "خدا کی قسم دونوں باتوں میں سے ایک بھی نہیں ہو سکتی۔ کیا ہرج ہے اگر میں خدا کے راستہ میں تھوڑی دور تک اپنا پاؤں غبار آلود کر لوں، جبکہ غازی کے ہر قدم کے بدلے سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔"

"لشکر اسامہ" میں حضرت عمرؓ بھی شامل تھے اور ان کا خلیفۃ المسلمین کے مشیر کی حیثیت سے مدینہ میں رہنا ضروری تھا۔ اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے اپنی ضرورت ظاہر کر کے "اسامہؓ" سے درخواست کی کہ وہ انہیں چھوڑ دیں۔ اسامہؓ نے اجازت دیدی۔

یہ بھی حقیقت میں ذاتِ نبوت کی تعظیم تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ اسامہ اس ذاتِ مقدس کی طرف سے مامور ہیں جن کا اقتدار میرے اقتدار سے بالا ہے، لہذا مجھے ان کے اختیارات میں دخل دینے کا حق نہیں۔

## سُنہری نصیحتیں:۔

جب حضرت ابوبکرؓ سے اسامہ جُدا ہونے لگے تو آپ نے انہیں بیش قرار نصیحتیں فرمائیں جن میں سے چند یہ ہیں:۔

"دیکھو! خیانت نہ کرنا۔ دھوکا نہ دینا۔ مال نہ چھپانا۔ کسی کے اعضا کو نہ کاٹنا۔ بوڑھوں بچّوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا۔ کھجور کے درختوں کو نہ جلانا پھل والے درختوں کو نہ کاٹنا۔ اور کھانے کی ضرورت کے سوا کسی بکری، گائے

یا اونٹ کو نہ کاٹنا۔ تمہارا گزر ایک قوم پر ہوگا جو دُنیا کو چھوڑ کر اپنی خانقاہوں میں بیٹھی ہوگی تم اس سے تعرض نہ کرنا۔"

یہ ایسی سُنہری نصیحتیں ہیں جو بطور اصول جنگ تسلیم کر لی جائیں تو آج بھی دُنیا سے وحشت و درندگی کا بہت کچھ خاتمہ ہو سکتا ہے۔

لشکر اسامہ یکم ربیع الثانی ۱۱ھ کو مدینہ سے روانہ ہوا "شام" کے پاس قضاعہ کی بستیوں کو تاخت و تاراج کیا اور چالیس روز کے بعد فتح و ظفر کے جھنڈے اُڑاتا ہوا واپس آیا۔

شام کا یہ حملہ اسلام کے لئے بیحد مفید ثابت ہوا، منافقین اور مرتدین کہنے لگے کہ مسلمانوں کی طاقت میں کوئی کمی نہیں آئی ہے، ورنہ [redacted] اتنی دور اتنے قوی دشمن کے مقابلہ کیلئے اپنی فوج نہ بھیجتے۔ چنانچہ بہت سے مرتد قبیلے ڈر کر پھر اسلام میں داخل ہو گئے۔

# فتنۂ ارتداد

## اسباب ارتداد۔

رسول اللہ صلعم کی وفات ہوتے ہی عرب کے بعض حصوں میں ارتداد کی طوفانی ہوائیں چلنے لگیں اور ضعیف الایمان لوگوں کے دلوں میں ایمان کی روشنی

بجھنے لگی۔

اس فتنہ کی وجوہ حسب ذیل تھیں :۔

(۱) اسلام سے پہلے عرب مختلف ٹکڑیوں میں بٹے ہوئے تھے، اسلام نے ان ٹکڑیوں کو ملاکر ایک ملّت بنا دیا، مگر چونکہ وہ برسہا برس سے اسکے عادی نہ تھے اس لئے انہوں نے اس "نظام ملی" کو اپنی آزادی کیلئے ایک زنجیر سمجھا اور اسے توڑکر نکل بھاگنے کی فکر کرنے لگے۔

(۲) قرآن کریم نے حکومتِ اسلامی کے شعبۂ مالیات کے لئے "زکوٰۃ" کو بنیاد ٹھہرایا۔ زکوٰۃ اسلام کے اصول کے مطابق امیروں سے لی جاتی ہے اور غریبوں پر صرف کی جاتی ہے اور اس کا مقصد قوم میں دولت کے توازن کو برقرار رکھنا ہے، مگر اسے بھی ایک بار سمجھا گیا اور اس بار کو اُتار پھینکنے کی کوشش کی جانے لگی۔

(۳) شراب عربوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، جوا ان کا دلپسند کھیل تھا اور زنا ایک مرغوب تفریح۔ اسلام کے قانون نے ان سب برائیوں پر کڑی بندشیں قائم کردیں جو ان لوگوں پر گراں گزریں۔

یہ امراض ان لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوئے جو مرکز اسلام سے دور نجد، یمن وغیرہ کے علاقوں میں رہتے تھے۔ رسولِ اکرم صلعم کی صحبت انہیں نصیب نہیں ہوئی تھی، اسلام کی شوکت کو دیکھ کر ان کی گردنیں ضرور خم ہوگئی تھیں

مگر دلوں میں خضوع کی کیفیت پیدا نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ قرآن کریم نے خود ان لوگوں کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے :۔

قالت الاعراب امنا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم

دیہاتی عرب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اے رسول کہدیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم مطیع ہو گئے ہیں۔ ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

پھر اس پر طرہ یہ ہوا کہ خدا کے سچے نبی کی کامیابی کو دیکھ کر عرب میں بہت سے جھوٹے نبوت کے دعویدار پیدا ہو گئے۔ ان کمبختوں نے سوچا کہ نبوت کا دعویٰ بھی دُنیاوی ترقی کا ایک اچھا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ جن لوگوں کے دل پہلے ہی مریض تھے وہ ان شیاطین کے جال میں بآسانی پھنس کر ان کے گروہ میں شامل ہو گئے۔

## عزم صدیقی :۔

اس فتنہ کی آگ کو بُجھانے کیلئے عزم صدیقی ہی کی ضرورت تھی۔ جب آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا تو بعض صحابہ نے عرض کیا وقت بہت نازک ہے جو لوگ صرف زکوٰۃ ادا کرنے سے ہی انکار کرتے ہیں، ان کے ساتھ نرمی کی جائے مگر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا "خدا کی قسم! اگر کوئی ایک بکری کے بچّہ کے دینے سے بھی جو رسول اللہ صلعم کو دیا جاتا تھا، انکار کرے گا تو میں اس کے خلاف بھی جہاد کرونگا" جوں ہی حضرت اُسامہ واپس آئے، آپ مدینہ میں انہیں اپنا قائم مقام

بنا کر عبس اور ذبیان کے قبیلوں کے مقابلہ کیلئے نکل کھڑے ہوئے۔ ان قبائل نے شکست کھائی اور ان کی چراگاہیں مسلمان مجاہدین کے گھوڑوں کے لئے وقف کر دی گئیں۔

اس عرصہ میں لشکر اسامہؓ تازہ دم ہو چکا تھا۔ آپ اسے لیکر "ذوالقصہ" جو مدینہ سے نجد کی سمت ایک برید (۱۲ میل) کے فاصلہ پر ہے، پہنچے۔ وہاں آپ نے کل اسلامی فوج کو گیارہ دستوں میں تقسیم کیا۔ ہر دستہ کا ایک الگ سردار مقرر کیا اور اسے ایک جھنڈا دیا۔ یہ گیارہ سردار اپنے دستوں کے ساتھ ملک کے مختلف حصوں میں روانہ کئے گئے۔ ان گیارہ سرداروں کے نام یہ ہیں:۔

(۱) خالد بن ولید، (۲) عکرمہ بن ابی جہل، (۳) شرجیل بن حسنہ، (۴) مہاجر بن ابی امیہ، (۵) حذیفہ بن محصن، (۶) عرفجہ بن ہرثمہ، (۷) سوید بن مقرن، (۸) علا بن الحضرمی، (۹) طریفہ بن حاجز، (۱۰) عمرو بن عاص، (۱۱) خالد بن سعید۔

مجاہدین کے ان دستوں کی روانگی سے پہلے، حضرت ابو بکرؓ نے مرتدین کے نام ایک عام پیغام بھیجا۔ اس پیغام میں انہیں فتنہ وفساد سے باز آنے اور اسلامی برادری میں دوبارہ داخل ہونے کی دعوت دی اور ان سے وعدہ کیا کہ اگر وہ اس دعوت کو قبول کرلیں گے تو ان سے تعرض نہ کیا جائیگا پھر فوج کے سپہ سالاروں کے نام حسب ذیل ہدایت نامہ جاری فرمایا:۔

"میں مجاہدین اسلام کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ ہر حال میں خدا سے ڈریں حکم خداوندی کی تعمیل میں پوری کوشش کریں۔ جو لوگ حلقۂ اسلام سے نکل کر شیطان کے جال میں پھنس گئے ہیں ان کے ساتھ جہاد کریں، لیکن تلوار اُٹھانے سے پہلے انہیں اسلام کا پیغام پہنچائیں اور ان پر حجت پوری کر دیں۔ اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو فوراً ہاتھ روک لیں لیکن اگر انکار کریں تو ان پر حملہ کر دیں یہاں تک کہ وہ کفر سے باز آ جائیں۔ مرتدین جب دوبارہ داخل اسلام ہو جائیں تو اسلامی فوج کا سردار انہیں آگاہ کر دے کہ ان کے ذمہ اسلام کے کیا کیا فرائض ہیں اور مسلمانوں پر ان کے کیا کیا حقوق ہیں؟ ان کے فرائض کو ان سے پورا کرایا جائے اور ان کے حقوق ان کو ادا کئے جائیں۔ امیر لشکر اپنے ساتھیوں کو جلد بازی اور فساد سے روکے، دشمنوں کی بستی میں اندھا دھند نہ گھس جائے خوب دیکھ بھال کر داخل ہو، ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچ جائے۔ سردار فوج کوچ اور قیام کی حالت میں اپنے ماتحتوں کے ساتھ میانہ روی اور نرمی کا برتاؤ کرے ان کی دیکھ بھال رکھے۔ ان کے ساتھ اچھی طرح پیش آئے، اور گفتگو میں نرمی اختیار کرے۔"

اس کے بعد اسلامی فوج کے دستے اپنے تجربہ کار سرداروں کی رہنمائی میں حریفوں کے مقابلہ کے لئے روانہ ہو گئے۔

## طلیحہ کی توبہ :-

بنی اسد میں ایک شخص تھا طلیحہ، حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد اسکے دماغ میں نبوّت کا خبط سمایا، چنانچہ اس نے اپنی قوم میں نبوّت کا دعویٰ کردیا بنی اسد سب اس کے تابع ہوگئے۔ بنی اسد و بنی طے کے درمیان معاہدہ دوستی تھا۔ لہٰذا انہوں نے بھی اپنے حلیف کا ساتھ دیا، اور قبیلہ غطفان کے بھی بہت سے لوگ ان کے شریک ہوگئے۔ طلیحہ نے اس عظیم الشان فوج کو لیکر "نجد" میں چشمہ "بزاخہ" پر پڑاؤ ڈالا۔

حضرت خالد بن ولیدؓ طلیحہ کے مقابلہ کیلئے روانہ ہوئے۔ حضرت عدیؓ بن حاتم طائی جو قبیلہ بنی طے کے سرداروں میں شمار ہوتے تھے اس زمانہ میں مدینہ میں مقیم تھے انہوں نے حضرت ابو بکرؓ سے عرض کیا مجھے اجازت دیجئے کہ میں اپنے قبیلہ کو سمجھا بجھا کر اس فتنہ سے نکال لوں۔ حضرت ابو بکرؓ نے اجازت دیدی اور حضرت عدیؓ کی کوشش سے ان کے قبیلہ کے تمام آدمی طلیحہ سے علیحدہ ہوگئے اور پھر یہی کوشش انہوں نے قبیلہ جدیلہ میں بھی کی اور یہاں بھی انہیں کامیابی ہوئی۔

اب حضرت خالدؓ اپنی فوج کو لیکر چشمہ بزاخہ پر پہنچے اور طلیحہ کے لشکر سے زبردست مقابلہ ہوا۔ جب طلیحہ کے لشکر پر شکست کے آثار ظاہر ہونے لگے تو بنو غطفان کا سردار عیینہ بن حصن فزاری جو طلیحہ کا مددگار تھا اس کے پاس آیا

طلیحہ اس وقت چادر میں لپٹا اس طرح بیٹھا تھا گویا اس پر وحی نازل ہو رہی ہے عیینہ نے پوچھا کہیے "جبریل کوئی پیغام لائے"؟ طلیحہ بولا ہاں اور پھر ایک مقفّی عبارت سنائی جس کا مطلب یہ تھا کہ آخر میں جیت ہماری ہی ہو گی۔ عیینہ نے کہا اے فزارہ یہ شخص کذاب ہے اور پھر اپنے آدمیوں کو لیکر اسکے لشکر سے علیحدہ ہو گیا۔

جب طلیحہ نے دیکھا کہ شکست لازمی ہے تو اپنی بیوی کو ساتھ لیکر شام کی طرف بھاگ گیا اور بعد میں کفر سے توبہ کر کے دوبارہ داخلِ اسلام ہوا

. . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . .

. . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . طلیحہ نے اس کے بعد فتوحاتِ عراق کے موقع پر بہت بہادری دکھائی اور اپنے گناہ کا کفارہ ادا کرنے کی کوشش کی۔

## مالک بن نُوَیرہ کا قتل :۔

رسول اکرم صلعم نے بنی تمیم میں پانچ امیر مقرر فرمائے تھے۔ جب حضور کی وفات ہوئی تو ان میں سے بعض مرتد ہو گئے اور بعض اسلام پر قائم رہے۔ مرتد ہونے والوں میں "مالک بن نُوَیرہ" بھی تھا۔ اس نے زکوٰۃ روک لی اور قبیلہ کے مسلمانوں کے ساتھ جنگ شروع کر دی۔ بنی تمیم میں ابھی خانہ جنگی ہو ہی رہی تھی کہ بنی تغلب کی ایک عورت "سجاح" ادھر سے گزری۔ یہ عورت پہلے نصرانی

بھی آنحضرت صلعم کے وصال کے بعد اسپر بھی نبوّت کا جنون سوار ہوا اور عرب کے بہت سے اوباش اسکے ساتھ ہو گئے۔ یہ اپنے ساتھیوں کو لیکر مدینہ پر حملہ کے ارادہ سے نکلی تھی۔ راستہ میں جب بنی تمیم کی بستیوں پر گزر ہوا تو اس نے مالک بن نُویرہ کے پاس پیغام دوستی بھیجا۔ مالک بن نُویرہ نے اس پیغام کو قبول کر لیا اور اسے مشورہ دیا کہ وہ مدینہ پر حملہ سے پہلے بنی تمیم کے مسلمانوں پر حملہ کرے۔ سجاح نے ان مسلمانوں پر حملہ کیا۔ مسلمان اسکے مقابلہ کی طاقت نہ رکھتے تھے بھاگ گئے۔ سجاح اپنی فوج کو لیکر مدینہ کی طرف بڑھنے لگی۔ جب وہ مقام "نباج" میں پہنچی تو وہاں بنی تمیم ہی کی ایک اور جماعت سے اس کا مقابلہ ہوا ان لوگوں نے اس کے کچھ آدمیوں کو قید کر لیا۔ آخر میں اس شرط پر صلح ہو گئی کہ سجاح ان کے آدمیوں کو چھوڑ دے اور وہ اسکے آدمیوں کو اور مدینہ کا ارادہ چھوڑ کر واپس چلی جائے۔ چنانچہ سجاح ناکام یمامہ کی طرف لوٹ گئی۔

اس دوران میں بنی تمیم کے مرتدین کو خدا نے ہدایت دی اور انہوں نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا مگر مالک بن نویرہ ابھی کوئی فیصلہ نہ کر سکا تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو لیکر مقام بطاح میں پڑاؤ ڈالدیا۔ خالد بن ولیدؓ جب طلیحہ کے مقابلہ سے فارغ ہوئے تو انہوں نے مالک بن نویرہ کے مقابلہ کا ارادہ کیا۔ مالک بن نویرہ نے اپنے ساتھیوں کو منتشر کر دیا۔ خالد بن ولید نے اپنے آدمیوں کو بھیجکر مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کرا لیا۔ آپ نے

مالک بن نویرہ کے قتل کا حکم دیا اور اس کی بیوی سے شادی کر لی۔

بعض مسلمانوں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ مالک بن نویرہ نے گرفتاری سے پہلے اپنی بستی میں اذان دلوادی تھی۔ اس لئے خالد بن ولیدؓ نے اسے قتل کرا کر زیادتی کی ہے۔ خالد بن ولیدؓ سے مالک بن نویرہ کا قصاص لینا چاہئے۔ خالد بن ولید نے جواب دیا کہ مالک بن نویرہ نے قتل کے خوف سے اذان دلوائی تھی حضرت ابوبکرؓ نے فیصلہ کیا کہ خالدؓ سے چونکہ واقعہ کی تاویل میں غلطی ہوئی ہے اس لئے ان سے قصاص نہیں لیا جاسکتا اور مالک بن نویرہ کا خون بہا اپنی طرف سے ادا کر دیا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ " اللہ کی تلوار کو جسے اس نے کافروں پر چمکایا ہے، میں روپوش کرنیوالا کون ہوں!"

## مسیلمہ کذّاب کا قتل :-

قبیلہ بنی حنیفہ کا ایک وفد رسول اللہ صلعم کی خدمت میں اسلام قبول کرنے کے لئے حاضر ہوا تھا۔ اس وفد میں ایک شخص "مسیلمہ بن ثمامہ" بھی تھا مسیلمہ نے کہا میں اس شرط پر اسلام لاؤں گا کہ محمد صلعم اپنے بعد مجھے اپنا خلیفہ بنادیں۔ رسول اللہ صلعم کے ہاتھ میں اس وقت کھجور کی ایک ٹہنی تھی آپ نے فرمایا اگر تو اسلام کے عوض کھجور کی یہ ٹہنی بھی مجھ سے مانگے گا تو میں نہ دوں گا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تو وہی کاذب ہے جسکے متعلق مجھے خواب میں پہلے ہی خبر دی جاچکی ہے۔[1]

---

(۱؎ حاشیہ صفحہ ۶۷ پر دیکھو۔)

اس طرح جب مسیلمہ مایوس ہوکر اپنے وطن یمامہ لوٹا اور آنحضرت صلعم کی بیماری کی خبر سنی تو نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ اور کہا کہ میں نبوت میں محمد (صلعم) کا شریک بنا دیا گیا ہوں۔ پھر اس نے حضور کی خدمت میں ایک خط بھیجا۔ خط کا مضمون یہ تھا:۔

"مسیلمہ" رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ (صلعم) کے نام:۔

سلام علیک، میں نبوت میں آپ کے ساتھ شریک کر دیا گیا ہوں لہذا آدھی دُنیا آپ کی ہے اور آدھی میری، لیکن مجھے آپ سے انصاف کی امید نہیں۔"

حضورؐ نے اس خط کا یہ جواب دیا:۔

"محمد رسول اللہ (صلعم) کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے نام:۔

سلام علی من اتبع الھدیٰ اما بعد:۔

فان الارض للہ یورثھا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین۔ (در حقیقت زمین خدا کی ہے اپنے بندوں میں سے وہ جسے چاہتا ہے زمین کا وارث

(حاشیہ صفحہ ۶۶) رسول اللہ صلعم نے خواب میں دیکھا کہ آپ کے دونوں ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن ہیں۔ آپ کو اس کا بہت فکر ہوا۔ پھر خواب ہی میں آپ کو حکم دیا گیا کہ ان پر پھونک ماریے۔ آپ نے پھونک ماری تو وہ دونوں کنگن اُڑ گئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے اس خواب کی یہ تعبیر لی کہ میرے بعد عرب میں دو جھوٹے نبی پیدا ہوں گے۔ چنانچہ ایک اسود عنسی تھا اور دوسرا مسیلمہ۔ (مسلم)

بناتا ہے اور انجام کار کامیابی خدا سے ڈرنیوالوں کی ہے)" x

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے عکرمہ بن ابی جہل کو اس کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا اور شرجبیل بن حسنہ کو ان کے پیچھے ان کی مدد کو بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ شرجبیل کا انتظار کریں۔ عکرمہ نے کامیابی کا سہرا تن تنہا اپنے سر باندھنے کے شوق میں شرجبیل کا انتظار کئے بغیر مسیلمہ پر حملہ کر دیا اور شکست کھائی۔ حضرت ابوبکرؓ کو جب واقعہ کی خبر پہنچی تو بہت ناراض ہوئے اور عکرمہ کو حکم دیا کہ وہ یمن کی طرف جا کر اہل مہرہ کا مقابلہ کریں۔ خالد بن ولید اس وقت تک بنی تمیم کے مقابلہ سے فارغ ہو چکے تھے آپ نے انہیں مسیلمہ کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ اور شرجبیل کو حکم دیا کہ وہ ان کا انتظار کریں۔

مسیلمہ کو جب حضرت خالدؓ کے پہنچنے کی خبر ملی تو وہ اپنی عظیم الشان فوج کو جو چالیس ہزار جوانوں پر مشتمل تھی، لیکر مقابلہ کیلئے نکلا دونوں فوجوں میں سخت ہولناک لڑائی ہوئی۔ شروع میں مسلمانوں پر شکست کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے اور مسیلمہ کے آدمی خالد بن ولیدؓ کے خیمہ تک پہنچ گئے تھے لیکن حضرت خالدؓ نے سنبھلکر حملہ کیا اور دور تک مسیلمہ کے آدمیوں کو دھکیلتے چلے گئے۔ حضرت خالدؓ نے خود مسیلمہ کو مبارزت کے لئے للکارا وہ آیا مگر مقابلہ کی تاب نہ لاکر بھاگا، اس کی فوج میں بھی بھگدڑ پڑ گئی اور بری طرح شکست کھائی۔ مسیلمہ

اپنے کچھ آدمیوں کو لیکر اپنے ایک باغ میں جس کا نام اس نے "حدیقۃ الرحمٰن" رکھا تھا چھپ گیا اور باغ کے دروازے بند کرادئے۔ ایک بہادر انصاری حضرت براء ابن مالک نے کہا مجھے باغ کے اندر پھینک دو۔ چنانچہ انہیں پھینک دیا گیا اور انہوں نے تن تنہا مسیلمہ کے پہرہ داروں کو قتل کر کے دروازہ کھول دیا۔ اب مسلمان اندر گھس گئے اور مسیلمہ کے ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتارنا شروع کر دیا۔ خود "مسیلمہ" بھی "خدا کی تلوار" سے نہ بچ سکا۔ مسیلمہ کے قتل کرنیوالوں میں حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشی بھی شریک تھے۔ گویا اس طرح انہوں نے اپنے گناہ کا کفارہ ادا کر دیا۔ مسیلمہ کے قتل کے بعد اس کی قوم "بنی حنیفہ" نے مسلمانوں سے نرم شرائط پر صلح کر لی۔ صلح کی تکمیل ہو چکی تھی کہ حضرت ابو بکرؓ کا حکم پہنچا کہ بنی حنیفہ کے تمام سپاہی قتل کر دئے جائیں۔ مگر حضرت خالد چونکہ ان سے عہد نامہ کر چکے تھے لہذا اسی پر قائم رہے پھر بعد میں بنی حنیفہ کا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

## اسود عنسی کا قتل :-

رسول اکرم صلعم کے زمانہ میں جب "یمن" فتح ہوا تو آپ نے "باذان فارسی" کو (جو کسریٰ کی طرف سے یمن کے عامل (حاکم) تھے اور اسلام لے آئے تھے) یمن کا عامل مقرر کر دیا۔ ان کا مرکز حکومت صنعاء تھا۔ جب باذان کا انتقال ہوا تو آپ نے یمن کی حکومت متعدد عاملوں میں تقسیم کر دی۔ ان عاملوں میں سے ایک باذان کا بیٹا "شہر" بھی تھا جو صنعاء کا عامل مقرر

کیا گیا تھا۔

رسول اللہ صلعم کی وفات سے کچھ پہلے یمن میں ایک شخص اسود نے جس کا اصلی نام "عبہلہ" تھا اور قبیلہ "عنس" سے تعلق رکھتا تھا نبوت کا دعویٰ کیا۔ قبیلہ مذحج کے لوگ اس کے پیرو ہو گئے اور انہوں نے اسود کے ساتھ مل کر نجران پر حملہ کیا اور وہاں سے عامل نجران عمرو بن حزم کو نکال دیا۔ اب اسود اپنی قوم کے سات سو آدمیوں کو لیکر صنعاء پر حملہ آور ہوا اور وہاں کے عامل شہر بن باذان کو قتل کر کے صنعاء پر قبضہ کر لیا۔ اس فتح کے بعد تمام یمن میں اس کی دھوم مچ گئی اور یمن کے بہت سے ضعیف الایمان لوگ اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔

رسول اللہ صلعم کو جب یہ کیفیت معلوم ہوئی تو آپ نے ابناء (یمن کی ایرانی فوج جو مسلمان ہو گئی تھی) کے سرداروں اور ابو موسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل کو لکھا کہ اسود کو جس طرح ہو سکے قتل کر دیا جائے۔

اسود نے شہر بن باذان کو شہید کر کے اس کی بیوی سے شادی کر لی تھی شہر کی بیوی اسود سے سخت متنفر تھی اور وہ اس کے چنگل سے چھٹکارا پانا چاہتی تھی۔ فوج ابناء کے سرداروں "فیروز" اور "داذویہ" نے اس کی مدد سے رات کے وقت اسود کو قتل کر دیا اور صبح ہوتے اسود کے مکان کی چھت پر چڑھ کر اذان دیدی۔ اذان کی آواز سنتے ہی ایک شور مچ گیا اور اسود کے آدمی

شہر سے نکل بھاگے اور صنعاء اور عدن کے درمیان منتشر ہو گئے۔ اسود کے قتل سے یمن میں امن و امان برقرار ہو گیا۔ اسلامی عامل اپنے اپنے مرکزوں میں واپس لوٹ آئے۔

اس فتح کی خبر مدینہ میں جس صبح کو پہنچی اس سے پہلی شام کو رسول اللہ صلعم کی وفات ہو چکی تھی۔ گویا یہ پہلی بشارت تھی جو حضرت ابوبکرؓ کے دور خلافت میں مدینہ پہنچی۔ اسود کی شورش کا کل زمانہ صرف چار مہینے تھا۔

جب رسول اللہ صلعم کی وفات کی خبر یمن پہنچی، تو قیس بن عبد یغوث مرتد ہو گیا اور اس نے اسود کے منتشر ساتھیوں کو اپنے جھنڈے تلے جمع ہونے کی دعوت دی۔ یہ لوگ اسکے ساتھ ہو گئے اور ان کی مدد سے قیس نے صنعاء پر قبضہ کر لیا اور "ابناء" کے بال بچوں کو پکڑ کر انہیں جزیروں میں قید کر دیا۔ ابناء کے سردار فیروز کو جب یہ کیفیت معلوم ہوئی تو اس نے بنی عقیل اور "عک" سے مدد طلب کی۔ ان قبیلوں نے مدد دی اور ابناء کے بچوں کو قیس کے آدمیوں کے پنجہ سے نکال لیا اور پھر فیروز کے ساتھ مل کر قیس کے مقابلہ کیلئے روانہ ہوئے۔ اسی دوران میں مہاجر بن ابی امیہ جنہیں حضرت ابوبکرؓ نے اسود کے آدمیوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا تھا اور عکرمہ بن ابی جہل جو عمان اور مہرہ کی مہم سے فارغ ہو گئے تھے اپنی اپنی فوجوں کو لیکر ابناء کی مدد کو آ پہنچے۔

اسلامی فوجوں نے صنعاء پر قبضہ کر لیا اور قیس اور عمرو بن معدیکرب زبیری

(جو مرتد ہو کر اسود کا ساتھی بن گیا تھا) کو گرفتار کر کے مدینہ روانہ کر دیا۔ مدینہ پہنچکر انہوں نے اپنے کرتوتوں پر ندامت ظاہر کی اور دوبارہ مسلمان ہو گئے حضرت ابوبکر نے بھی ان کی خطا معاف کر دی اور انہیں آزاد کر دیا۔

## فتنہ بحرین :۔

بحرین میں ربیعہ کے بہت سے قبائل، عبد القیس اور بنو بکر وغیرہ آباد تھے۔ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں اہلِ بحرین کا بھی ایک وفد حاضر ہوا تھا۔ اور یہ اسلام لے آئے تھے۔ آنحضرت صلعم نے منذر بن ساوی کو ان کا عامل مقرّر فرمایا تھا۔

جوں ہی حضور صلعم کی وفات ہوئی منذر بن ساوی کا بھی انتقال ہو گیا اور اہل بحرین مرتد ہو گئے۔ بنو بکر تو ارتداد پر اڑے رہے مگر عبد القیس اپنے سردار حضرت جارود بن معلی کی بدولت اس فتنہ سے نکل آئے۔

واقعہ یہ ہوا کہ حضرت جارود نے اپنی قوم کو جمع کر کے کہا اے عبد القیس تم مسلمان ہونے کے بعد کیوں کافر ہو گئے؟

عبد القیس :۔ محمد صلعم اگر نبی ہوتے تو وہ کیوں مرتے؟ اس سے معلوم ہوا کہ وہ نبی نہیں تھے۔

جارود :۔ اچھا یہ تو بتاؤ حضرت محمد صلعم سے پہلے بھی کچھ نبی ہوئے ہیں؟

عبد القیس :۔ کیوں نہیں، بہت۔

جارود :۔ پھر وہ کہاں گئے۔

عبدالقیس :۔ جانے کہاں مر گئے۔

جارود :۔ بس تو پھر حضرت محمد کی بھی اسی طرح وفات ہو گئی جس طرح اور خدا کے نبیوں کی ہوئی، بھائیو! میں تو سچے دل سے اقرار کرتا ہوں کہ

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

عبدالقیس :۔ پھر ہم بھی سب اقرار کرتے ہیں۔

عبدالقیس کے اس طرح دوبارہ مسلمان ہونے کی خبر بنو بکر کے سردار حطم بن ضبیعہ کو پہنچی تو وہ اپنے ساتھیوں کو لیکر ان کے مقابلہ کیلئے نکلا اور ان کا محاصرہ کر لیا۔ حطم بن ضبیعہ کے ساتھ اور بھی بہت سے کفار اور مرتدین لگ لئے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ نے علاء بن حضرمی کو حطم کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ راستہ میں ثمامہ بن اثال اور قیس بن عاصم بھی بنی حنیفہ اور بنی تمیم کے آدمیوں کو لیکر ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔

## حضرت علاء کی کرامت :۔

حضرت علاء بن حضرمی جب ایک چٹیل بیابان میں سے گزر رہے تھے تو ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ جب وہ بیابان کے درمیان پہنچے تو انہوں نے اپنی فوج کو آرام کے لئے اترنے کا حکم دیا فوج کے آدمیوں نے اپنے اونٹوں

کو کھول دیا اور خود بھی سو گئے۔ اُٹھے تو کیا دیکھتے ہیں کہ تمام اونٹ بھاگ گئے ہیں۔ سب لوگ بہت غمگین ہوئے اور کہنے لگے کہ اب دھوپ کی گرمی ہمیں ہلاک کئے بغیر نہ رہے گی۔

حضرت علاء نے انہیں تسلی دی اور کہا بھائیو! تم مسلمان ہو خدا کے دشمنوں سے لڑنے نکلے ہو، خدا کی قسم خدا تمہیں رسوا نہ کرے گا۔ صبح کی نماز کے بعد حضرت علاء نے خدا کی درگاہ میں اس مصیبت سے نجات پانے کے لئے دُعا مانگی۔ خدا نے ان کی دُعا قبول فرمائی۔ اس بیابان میں جہاں دور دور تک پانی کا گمان نہ تھا۔ ایک طرف کچھ چمک سی محسوس ہوئی۔ دیکھا تو واقعی پانی ہے۔ مسلمانوں نے خوب سیر ہو کر پانی پیا، نہائے اور ابھی دوپہر نہ ہوئی تھی کہ ان کے اونٹ بھی ادھر اُدھر سے آ آ کر جمع ہو گئے۔ مسلمانوں نے ان کو بھی سیراب کر لیا[1]۔

غرض حضرت علاء بن حضرمی اپنی فوج کو لیکر حضرت جارود کی مدد کو پہنچے حطم بھی اپنی جمعیت کو لیکر مقابلہ پر آیا اور دونوں فوجوں میں لڑائی چھڑ گئی، مرتدین کی اور مسلمانوں نے اپنے اپنے کیمپ کے سامنے خندقیں کھود رکھی تھیں دونوں طرف کے کچھ دستے، روزانہ صبح کو مقابلہ کے لئے نکلتے اور شام کو اپنے پڑاؤ پر واپس آجاتے۔ ایک رات مسلمانوں نے غنیم کی فوج میں شور و شغب کی آواز سُنی۔ تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ شراب کے نشہ میں چور ہو کر اودھم مچا رہے ہیں

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۳۲۸

مسلمانوں نے فوراً حملہ کر دیا۔ جتنے قتل ہو سکے انہیں قتل کر دیا اور جو باقی بچے انہیں گرفتار کر لیا۔ خود سردارِ لشکر حطم بھی قتل ہو گیا۔

حطم کے ساتھیوں میں سے کچھ جزیرہ داریں (خلیج فارس میں بحرین کے قریب ایک جزیرہ ہے) میں جا چھپے۔ مسلمان سمندر میں گھس کر وہیں پہنچے اور انہیں قتل کیا[1]۔ ان کے علاوہ عمان کے بعض قبائل اور قبیلہ کندہ کے لوگ بھی مرتد ہو گئے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کے بھیجے ہوئے سپہ سالاروں کی ان سے بھی لڑائیاں ہوئیں اور ہر جگہ مسلمان ہی فتحیاب ہوئے۔

## اسلام کا محسنِ اعظم

یہ فتنۂ ارتداد اور اسکے انسداد کی مختصر روداد ہے۔ ان واقعات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رسولِ اکرم صلعم کی وفات ہوتے ہی عرب میں ارتداد کی جو آندھیاں چلیں وہ ایسی خوفناک تھیں کہ آفتابِ اسلام کی روشنی کے چھپ جانے میں کسر نہ رہی تھی۔ مگر حضرت ابو بکرؓ کے عزمِ راسخ اور رائے ثاقب سے مطلعِ اسلام پھر بے غبار ہو گیا۔ درحقیقت رسول اللہ صلعم کے بعد اسلام کی حفاظت و اشاعت میں حضرت ابو بکرؓ ہی کا مسلمانوں پر سب سے بڑا احسان ہے۔

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۳۲۹

ان واقعات سے ہمیں یہ بھی سبق ملتا ہے کہ مسلمان کی شان نہیں کہ وہ مخالفت کی شدت اور دشمنوں کی کثرت سے گھبرائے۔ مسلمان تعداد کی کمی کی وجہ سے مغلوب نہیں ہو سکتے۔ ہاں، ایمان کی کمزوری کے سبب مغلوب ہو سکتے ہیں۔

خلافت صدیقی کے اس ابتدائی دور میں، مسلمان چاروں طرف سے دشمنوں سے گھر گئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے الفاظ میں ان کی حالت بکریوں کے اس ریوڑ کی سی تھی جو جاڑوں کی ٹھنڈی رات میں بارش کی حالت میں جنگل بیابان میں بغیر چرواہے کے رہ جائے۔ مگر صدیق اکبرؓ کی ایمانی قوت نے دشمنوں کی طاقت کی پرواہ نہ کی اور ان کے سامنے فولادی دیوار بن کر کھڑے ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خداوند تعالیٰ نے اپنا وعدہ

ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم۔ — اگر تم (دین) خدا کی مدد کرو گے تو خدا تمہاری مدد فرمائیگا اور تمہارے (ڈگمگاتے) قدموں کو جمادے گا۔

پورا فرمایا۔ کافروں اور مرتدوں کے سر اسلام کی عظمت کے سامنے جھک گئے اور اسلام کا جھنڈا پوری آن بان کے ساتھ لہرانے لگا۔

# آغازِ فتوحات

اسلامی فتوحات کے ذکر سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عرب کی دو پڑوسی سلطنتوں فارس وروم کا کچھ حال لکھ دیا جائے کیونکہ یہی وہ دو عظیم الشان سلطنتیں تھیں جن کے کھنڈروں پر حکومت اسلامی کے قصرِ رفیع کی بنیادیں اُٹھیں۔

## فارس :-

فارس یا ایران کی سلطنت بہت قدیم سلطنت تھی۔ یہ سب سے پُرانی متمدّن سلطنتوں میں شمار کی جاتی ہے۔ کسی غیر قوم کو کبھی فارس پر حکومت کرنیکا موقع نہیں مِلا۔ سکندر رومی دارا کو شکست دیکر کچھ مدّت کیلئے ایران پر ضرور قابض ہوا مگر یہ قبضہ زیادہ عرصہ نہ رہ سکا۔

افغانستان اور عراق عرب بھی فارس کی سلطنت میں شامل تھے۔ یہاں کے حکمراں کی حیثیت شہنشاہ کی تھی اور صوبوں کے امرار جو داخلی معاملات میں آزاد ہوتے تھے "بادشاہ" کہلاتے تھے۔ شاہنشاہ کو کسریٰ کہا جاتا تھا۔

فارس میں آخری زمانہ میں ساسانی خاندان حکومت کرتا تھا۔ اِس

خاندان کی بنیاد اردشیر بابکان نے ۲۳۰ھ میں ڈالی تھی۔ ساسانی خاندان کا دارالسلطنت شہر "مدائن" تھا۔ یہ عظیم الشان شہر دریائے دجلہ کے مشرقی و مغربی کناروں پر آباد تھا۔ یہیں وہ "قصرِ کسریٰ" تھا جو اپنے حسنِ تعمیر کے لحاظ سے عجائباتِ عالم میں شمار ہوتا تھا۔

رسول اکرم صلعم کی ولادت باسعادت کے زمانہ میں ساسانی خاندان کا مشہور عادل بادشاہ کسریٰ نوشیرواں تختِ فارس پر متمکن تھا۔ کسریٰ نوشیرواں کے بعد اس کا بیٹا ہرمز تخت نشین ہوا، ہرمز کے بعد کسریٰ پرویز۔ پرویز کو اس کے بیٹے شیرویہ نے قتل کیا اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔ شیرویہ نے ایک سال نو مہینے حکومت کی اور اس مختصر زمانہ میں اپنے خاندان کو طرح طرح کی تکلیفیں دیکر مرگیا۔ اسکے بعد اس کا بیٹا اردشیر تخت پر بٹھایا گیا۔ اور کمسن ہونے کی وجہ سے ایک امیر کو اس کا نائب السلطنت مقرر کیا گیا۔ مگر یہ انتظام ایک دوسرے امیر شہر براز کو پسند نہ آیا۔ شہر براز نے مدائن پر چڑھائی کرکے بادشاہ کو قتل کردیا اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔ شہر براز چونکہ شاہی خاندان سے نہ تھا اس لئے اس کا یہ قبضہ دوسرے امیروں کو نہ بھایا۔ چنانچہ چالیس روز کی حکومت کے بعد وہ بھی قتل کردیا گیا۔ اب کسریٰ پرویز کی بیٹی بوران دخت کے سر پر تاج رکھا گیا۔ رسول اکرم صلعم کے دورِ حیات کے آخر میں یہی فارس کی حکمراں تھی۔ ایک سال چار مہینے سلطنت کرنے کے بعد یہ بھی مرگئی۔ بوران دخت کے بعد کسریٰ پرویز کے چچازاد بھائی جواں شیر کو تخت نشیں کیا گیا مگر اسے بھی ایک مہینہ سے زیادہ حکومت

کرنا نصیب ہوا۔ اسکے بعد کسریٰ پرویز کی دوسری بیٹی آزرمی دخت تخت نشین کیگئی مگر اسے ایک ایرانی سپہ سالار رستم نے اپنے باپ کے قصاص میں قتل کردیا۔ اور اسکی جگہ اُردشیر بابکان کے خاندان میں سے ایک شخص کسریٰ بن مہر کو تخت نشین کیا لیکن یہ بھی چند روز سے زیادہ حکومت نہ کرسکا اور آخر یزدگرد بن شہریار کو سلطنتِ فارس کا فرماں روا انتخاب کیا گیا جو اس زنجیر کی آخری کڑی ثابت ہوا۔ فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں فارس کی عظیم الشان سلطنت اس کے ہاتھ سے نکلکر سلطنتِ اسلامیہ کا جزو بن گئی۔

روم :۔

سکندر یونانی کی عالمگیر سلطنت کے بعد جو دوسری عظیم الشان سلطنت یورپ میں قائم ہوئی وہ "رومی سلطنت" تھی۔ اس سلطنت کا صدر مقام حکومت اٹلی کا موجودہ دارالسلطنت "شہر روما" تھا۔ رومی سلطنت کا ایک وہ عروج کا زمانہ تھا جب ہندوستان ایران چین اور ترکستان کو چھوڑ کر تمام دُنیا اسکے زیرنگیں تھی۔ یہ "گریٹ رومن ایمپائر" کے نام سے یاد کی جاتی تھی اور سب جگہ اس کی تہذیب، تمدن اور قانون کا لوہا مانا جاتا تھا۔

لیکن کچھ عرصہ کے بعد ۳۹۵ء میں آپس کی خانہ جنگی کے سبب رومی سلطنت کے دو ٹکڑے ہوگئے۔ مشرقی روم اور مغربی روم۔ مغربی روم کا دارالسلطنت تو "شہر روما" ہی رہا اور مشرقی روم کا دارالسلطنت شہر

قسطنطنیہ قرار پایا۔

مغربی رومی سلطنت پر یورپ اور روس کی وحشی قوموں نے بار بار حملے کئے اور آخر کار وہ کئی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو گئی۔ مگر مشرقی رومی سلطنت ان حملوں سے محفوظ رہی اور روز بروز ترقی کرتی رہی۔

مشرقی رومی سلطنت کے مقبوضات میں یورپ کے ملکوں کے علاوہ ایشیائے کوچک، شام اور مصر بھی شامل تھے۔ شام اور مصر میں بعض دیسی ریاستیں قائم تھیں۔ مگر یہ ریاستیں رومی سلطنت کی باجگزار تھیں اور سیاسی و مذہبی معاملات میں قیصرِ قسطنطنیہ کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرتی تھیں۔

مشرقی رومی سلطنت کو یورپ میں بڑی عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا عیسائی مذہب قبول کرنے کے بعد، فرماں روایان قسطنطنیہ ہی نے یورپ اور ایشیا میں اس کی تبلیغ کی خدمات انجام دی تھیں، اور پھر مرکز دین عیسوی "بیت المقدس" بھی انہیں کے زیر نگیں تھا۔ ان وجوہات سے یورپ اور ایشیا کی عیسائی دنیا قیصرِ قسطنطنیہ کو "محافظِ دینِ عیسوی" تسلیم کرتی تھی اور اسکے ایک اشارہ پر ہزاروں تلواریں میان سے نکل آتی تھیں۔

آغاز اسلام میں رومی سلطنت کا تاجدار "ہرقل" تھا۔ یہ پہلے "افریقہ" کا گورنر تھا۔ سنہ ۶۱۰ء میں اس نے قیصر "فوقا" کو قتل کردیا اور خود تختِ سلطنت پر قبضہ کرلیا۔ قیصر ہرقل کی حکومت سنہ ۶۱۰ء سے سنہ ۶۴۱ء تک رہی۔ اسی کے

زمانہ میں شام کا سرسبز و شاداب ملک سلطنت روم کے قبضہ سے نکل کر اسلامی جھنڈے کے نیچے آیا۔

ملک گیری کی ہوس اور آزاد قوموں کو غلام بنانے کا جذبہ کسریٰ و قیصر کو چین سے نہ بیٹھنے دیتا تھا۔ عرصہ دراز سے ایران و روم کی سلطنتوں میں مستقل نزاع کا سلسلہ جاری تھا اور عراق و شام کے علاقے ان کے میدان جنگ تھے۔ ان لڑائیوں میں کبھی ایرانیوں کو غلبہ حاصل ہو جاتا تھا تو وہ بحیرہ روم کے کناروں تک پہنچ جاتے تھے اور کبھی رومیوں کو فتح حاصل ہوتی تھی تو وہ دجلہ اور فرات کے ساحلوں تک آجاتے تھے۔

عہدِ اسلامی سے کچھ ہی پہلے کسریٰ نوشیرواں اور قیصر خوقا کی فوجوں میں ایک طویل جنگ ہوئی تھی۔ اس لڑائی میں ایرانیوں کو پے در پے فتوحات حاصل ہوئیں۔ انہوں نے رومیوں کو "جزیرہ" سے نکال دیا اور "فنیقیا" اور فلسطین کو تہ و بالا کرتے ہوئے ساحلِ باسفورس تک پہنچ گئے" اسکے بعد ایرانیوں نے ہرقل کے زمانہ میں رومیوں پر دوبارہ حملہ کیا اور بیت المقدس کو تاخت و تاراج کر کے صلیب کی لکڑی چھین لائے اور بہت سے عیسائی تبرکات کو تلف کر دیا۔ پھر اسکے بعد ۶۱۶ء میں مصر پر چڑھائی کی اور اسکندریہ کو فتح کر لیا۔

مشرکین عرب جو ایرانیوں کی طرح "بے کتاب" تھے۔ ان کی فتح پر خوش

ہوئے اور مسلمان "اہل کتاب" کی شکست پر غمگین۔ لیکن وحی الٰہی نازل ہوئی کہ مسلمانوں کو غمگین نہ ہونا چاہیئے۔

غُلِبَتِ الرُّوم فی ادنی الارض وھُم مِن بعد غلبھم سیغلبون فی بضع سنین ۝ للہ الامر من قبلُ ومِن بعد

(قریب کی سرزمین میں (اس وقت) رومی مغلوب ہو گئے ہیں لیکن وہ جلد چند سال ہی میں غالب ہو جائینگے۔ اس واقعہ سے پہلے اور بعد حکومت اللہ ہی کی ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے)

اس کے بعد مشرکین کا رد کرتے ہوئے جنہوں نے ایرانیوں کی فتح سے اپنی فتح پر دلیل قائم کی تھی پیشین گوئی فرمائی گئی۔

ویومئذ یفرح المؤمنون بنصر اللہ ینصر من یشاء و ھو العزیز الرحیم

اور اس دن مسلمان اللہ کی مدد پر جو کافروں کے مقابلہ میں انہیں حاصل ہو گی خوش ہو رہے ہوں گے۔ وہ جسکی مدد کرنا چاہتا ہے کرتا ہے وہی عزت والا اور رحمت والا ہے۔

وحی الٰہی کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی دس سال بعد ۶۲۲ء میں ہرقل نے ایرانیوں پر زبردست حملے کئے۔ اور مارچ ۶۲۴ء میں عین اس وقت جب مسلمان بدر کے میدان میں مشرکین عرب پر فتح کی خوشیاں منا رہے تھے، رومی ایرانیوں پر فتح کے شادیانے بجا رہے تھے۔

رومیوں کی اس فتح کے بعد ۶۲۸ء میں شیرویہ نے قیصر ہرقل سے صلح

کرلی۔ تمام رومی قیدیوں کو چھوڑ دیا اور صلیب کی لکڑی واپس کردی۔قیصر ہرقل اس عظیم الشان کامیابی پر بیحد خوش ہوا اور وہ سجدۂ شکر ادا کرنیکے لئے ۶۲۹ء میں بیت المقدس حاضر ہوا یہیں اُسے رسول اکرم صلعم کا وہ تبلیغی خط ملا جس کا واقعہ حصہ اوّل میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جاچکا ہے۔

## فارس، روم اور مسلمان :-

ایرانی ہوں یا رومی، دونوں کا فائدہ اسی میں تھا کہ عرب جیسی بہادر قوم سیکڑوں ٹولیوں میں بٹی رہے، اور آپس ہی میں ٹکرا ٹکرا کر اپنی قوت کو مضمحل کرتی رہے۔ جب رسول اکرم صلعم نے کوہِ صفا کی چوٹیوں سے صدائے حق بلند کی اور دُنیا کو ایک "خدائی گھرانا" بننے اور اس گھرانے کے افراد کو آپس میں محبت و مساوات برتنے کی دعوت دی تو انہوں نے اس نئی تحریک کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھا۔ انہوں نے سوچا کہ اگر یہ تحریک کامیاب ہوگئی تو عرب تو ہمارے اقتدار کے جوئے سے نکل ہی جائیں گے دوسری محکوم قومیں اور خود ہمارے ملک کے عوام بھی جن کی پسی ہوئی ہڈیوں پر ہم نے اپنی شہنشاہیت کی بنیادیں قائم کر رکھی ہیں ہم سے بغاوت کر بیٹھیں گے چنانچہ ۶ھ میں جب رسولِ اکرم صلعم نے کسریٰ پرویز کے نام دعوتِ اسلام کا خط بھیجا تو اس نے اس کے پُرزے پُرزے کردئے اور اپنے یمن کے عامل باذان کو حکم دیا کہ عرب میں جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اسے گرفتار کرکے

میرے پاس بھیجدو۔ باذان نے شہنشاہ کے حکم کی تعمیل کیلئے دو آدمی مدینہ بھیجے۔ رسول اکرم صلعم نے ان آدمیوں سے کہا "جاؤ تمہارا شہنشاہ جس نے میری گرفتاری کا حکم دیا تھا قتل ہوگیا۔ یاد رکھو میرے دین کا غلبہ وہاں تک پہنچے گا جہاں تک تمہارے شہنشاہ کی سلطنت ہے بلکہ جہاں تک کوئی اونٹ یا گھوڑا پہنچ سکتا ہے۔"

باذان کے آدمی یہ جواب سُن کر لوٹ آئے۔ یہاں آکر معلوم ہوا کہ رسولِ اکرم صلعم نے جو کچھ فرمایا تھا بالکل صحیح تھا۔ خسرو پرویز کو اسکے بیٹے شیرویہ نے قتل کردیا تھا اور باذان کو پیغام بھیجا تھا کہ میرے باپ نے حجاز سے جن صاحب کو طلب کیا تھا ان سے تعرض نہ کیا جائے۔

اس کے بعد ایران میں اندرونی تنازعات زور پکڑ گئے اور کسی کو عرب کی طرف توجہ کرنے کا موقعہ نہ مِلا۔

اسی طرح، اسی سال جب رسول مقبول صلعم نے، قیصرِ روم کو بیت المقدس میں دعوتِ اسلام کا خط بھیجا تو امرائے سلطنت، اور سرداران فوج نے سخت مخالفت کے ساتھ اس دعوت کو رد کردیا اور جب سفرائے اسلام لوٹنے لگے تو شام کے عیسائیوں نے انکا مال واسباب لوٹ لیا۔

شرحبیل بن عمرو غسانی، رومیوں کی طرف سے "بصریٰ" کا حاکم تھا رسول اللہ صلعم نے اسکے پاس تبلیغی خط بھیجا۔ اس ظالم نے نہ صرف دعوتِ

اسلام کو قبول کرنے سے انکار کیا بلکہ آپ کے قاصد "حارث بن عُمیرؓ" کو قتل کر ڈالا۔ ۸ھ میں "سریہ موتہ" اسی ظلم کا انتقام تھا جس میں دو لاکھ شامی اور رومی عیسائیوں سے تین ہزار مسلمانوں کا مقابلہ ہوا، اور بہت سے اکابر صحابہؓ اسلام کی عزت پر قربان ہوئے۔

۹ھ میں حاکمِ بصریٰ نے قیصرِ روم کی امداد سے مدینہ منورہ پر حملہ کی تیاریاں کیں۔ لیکن جب حضورؐ تیس ہزار جاں نثاروں کے ساتھ، عیسائیوں کی پیش قدمی روکنے کے لئے بنفس نفیس مقام تبوک میں پہنچ گئے تو ان کی ہمتیں پست پڑ گئیں اور انہوں نے اس وقت مقابلہ ملتوی کر دیا۔

ان واقعات سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمان اپنی ان پڑوسی عظیم الشان سلطنتوں سے ایک لمحہ کے لئے بھی مطمئن نہ تھے۔ وہ جس وقت بھی اپنی آپس کی رقابتوں اور اپنے اندرونی جھگڑوں سے فرصت پاتیں مسلمانوں پر حملہ کر بیٹھتیں۔ اسی لئے حفظِ ماتقدم کے طور پر وفات سے کچھ پہلے رسول اللہ صلعم نے حضرت اسامہ بن زید کو شام پر حملہ کرنے کے لئے مامور فرمایا جس کی تعمیل حضرت ابوبکرؓ نے تمام کاموں سے مقدم سمجھی اور اسی لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مرتدین اور جھوٹے نبیوں کے قلع قمع سے فارغ ہوتے ہی اسلامی فوجوں کا رُخ عراق اور شام کے میدانوں کی طرف پھیر دیا۔

# مہمّاتِ عراق

حضرت ابوبکرؓ نے ابتدا محرم ۱۲ھ میں خالد بن ولیدؓ کو اسلامی فتوحات کا سنگِ بنیاد نصب کرنے کے لئے اس طرف روانہ کیا اور قعقاع بن عمرو کو ان کی مدد کے لئے بھیجا۔ آپ نے انہیں ہدایت کی کہ وہ اپنی مہم کا آغاز رملہ (خلیج فارس پر سلطنت ایران کا سرحدی مقام) سے کریں۔ دوسری طرف عیاض بن غنم کو حکم دیا کہ وہ شمالی عراق کی طرف سے حملہ کریں اور انکی مدد کے لئے عبد یغوث حمیری کو مقرر کیا اور انہیں ہدایت کی کہ وہ اپنی مہم کا آغاز شمالی عراق کے گاؤں مضیح سے کریں۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان دونوں سپہ سالاروں کو یہ بھی حکم دیا کہ وہ ان مہمات میں کسی مرتد ہونے والے کو ساتھ نہ لیں۔ آپ کو ان لوگوں پر کامل اعتماد نہ تھا اور پھر آپ انہیں انکی نامناسب حرکت کی سزا بھی دینا چاہتے تھے۔

خالد بن ولیدؓ نے اسلامی قاعدہ کے مطابق سرحدِ عراق کے حاکم ہرمز کو خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا۔

"اسلام قبول کرلو محفوظ رہو گے۔ اگر اس سے انکار ہے تو ذمی بن جاؤ اور جزیہ دینا منظور کرو ورنہ تمہیں اپنے ہی آپ کو ملامت کرنا پڑے گی۔ کیونکہ

میں تمہارے مقابلہ پر ایک ایسی قوم کو لا رہا ہوں جو موت کی ایسی ہی عاشق ہے
جیسے کہ تم زندگی کے۔

## جنگ کاظمہ:۔

ہرمز نے اس خط کو شہنشاہ ایران کے پاس بھیجدیا اور اپنی فوجیں لیکر کاظمہ کی طرف بڑھا اور چشمہ پر قبضہ کرلیا۔ خالد بن ولیدؓ نے مسلمانوں سے کہا "بھائیو گھبراؤ مت فریقین میں سے جو بہادر ہوں گے وہی پانی پر قبضہ کرینگے"۔ جب دونوں فوجیں مقابلہ پر آئیں تو حضرت خالدؓ نے آگے بڑھ کر "ہرمز" کو مبارزت کے لئے پکارا۔ ہرمز اپنے گھوڑے سے اُتر کر مقابلہ کے لئے آیا۔ حضرت خالدؓ نے اسے قتل کردیا اور ایرانی فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے مثنیٰ بن حارثہ کو ایرانی فوج کے تعاقب کے لئے روانہ کیا اور دربارِ خلافت میں فتح کی خوشخبری بھیجی۔

شہنشاہ ایران اُردشیر کو جب اس شکست کی خبر پہنچی تو اس نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے ایک دوسری فوج بھیجی اس فوج کا سردار قارن تھا۔ قارن نے ہرمز کے بچے کھچے آدمیوں کو بھی ساتھ لیا اور بصرہ کے محلِ وقوع کے قریب مقام ثنی پر پڑاؤ ڈالا۔

## جنگ ثنی:۔

حضرت خالد بھی اپنی فوج لیکر مقابلہ پر پہنچے۔ دونوں طرف سے صف آرائی

ہوئی - قارن کو اپنی بہادری کا بہت گھمنڈ تھا - اس نے ہرمز کا بدلہ لینے کے لئے، مسلمانوں میں سے کسی بہادر کو مبارزت کے لئے پکارا - اسلامی فوج میں سے ایک جوان نکلا اور اسے قتل کر دیا - قارن کے قتل ہوتے ہی مسلمانوں نے ایرانیوں پر عام حملہ کر دیا - بیشمار ایرانی قتل ہوئے - بہت سے بھاگتے ہوئے نہر میں غرق ہو گئے اور کچھ کشتیوں میں بیٹھ کر پار اُتر گئے -

شہنشاہ ایران کو جب اس شکست کی خبر پہنچی تو اس نے ایک ایرانی بہادر اندرزگر کی ماتحتی میں ایک زبردست فوج بھیجی اور پھر اسکے پیچھے ہی ایک دوسرے بہادر بہمن جادویہ کی سرداری میں ایک دوسری فوج روانہ کی - ان دونوں ایرانی سرداروں نے مقام ولجہ میں پڑاؤ ڈالا -

## جنگ ولجہ :-

حضرت خالدؓ کو جب ان فوجوں کے پہنچنے کا حال معلوم ہوا تو آپ بھی آگے بڑھے اور مقابلہ پر پہنچ گئے - دونوں فوجوں میں زبردست لڑائی ہوئی اور آخرکار ایرانیوں کو شکست فاش ہوئی - اندرزگر تو مارا گیا مگر بہمن جادویہ جان بچا کر نکل بھاگا - اس لڑائی میں قبیلہ بکر کے عیسائی عربوں نے بھی ایرانیو کی مدد کی اور وہ بھی بڑی تعداد میں مارے گئے -

قبیلہ بکر کے عیسائی عربوں کو اپنے آدمیوں کے قتل سے بہت جوش آیا

انہوں نے شہنشاہ ایران کو پیغام بھیجا۔ کہ ہم مسلمانوں سے لڑینگے، ہماری مدد کی جائے۔ شہنشاہ نے بہمن جادویہ کو حکم دیا کہ وہ قبیلہ بکر کے آدمیوں کو ساتھ لے کر دوبارہ مسلمانوں سے لڑے۔ مگر بہمن جادویہ کو ہمت نہ ہوئی، اس نے اپنی بجائے ایک دوسرے سردار جابان کو بھیجدیا اور خود دار السلطنت مدائن کا رخ کیا تاکہ شہنشاہ کو مسلمانوں کے خطرہ کی اہمیت سے صحیح طور پر آگاہ کرے اور آئندہ کے لئے مشورہ طلب کرے مگر شہنشاہ بیمار تھا اس لئے وہ وہیں ٹھہر گیا۔

## جنگ الیس:۔

جابان اپنی فوج اور بنی بکر کے آدمیوں کو لیکر انبار کے متصل پہنچا اور مقام الیس میں پڑاؤ ڈالدیا۔ حضرت خالدؓ بھی اپنی فوج لیکر مقابلہ پر پہنچ گئے۔ آپ نے اپنی عادت کے مطابق حریف کے سرداروں میں سے کسی کو مبارزت کے لئے بلایا۔ بنی بکر کا ایک سردار مقابلہ پر آیا اور مارا گیا۔ اسکے بعد مسلمانوں نے ایرانیوں پر عام حملہ کر دیا۔ بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں ایرانی بہت جم کر لڑے کیونکہ انہیں بہمن جادویہ کی کمک کی توقع تھی۔ مگر ابھی سورج ڈھلنے نہ پایا تھا کہ ایرانی اور بکری جی چھوڑ بیٹھے اور بھاگ کھڑے ہوئے اور بھاگتے ہوئے ہزاروں قتل ہوئے۔

یہ واقعہ صفر ۱۲ھ کا ہے۔

## فتح حیرہ:۔

جنگ الیس سے فارغ ہو کر حضرت خالد بن ولیدؓ نے حیرہ کا رخ کیا۔ حیرہ عراق کے عربی رئیسوں کا (جو سلطنت ایران کے باجگزار تھے) صدر مقام تھا۔ حضرت خالدؓ نے حیرہ پہنچنے کے لئے دریا کا راستہ اختیار کیا تھا۔ جب آپ شہر کے قریب پہنچے تو وہاں کا رئیس بھاگ گیا۔ حضرت خالدؓ نے شہر کے مشہور محلات کا محاصرہ کر لیا اور حیرہ کے سرداروں کو اسلام کی دعوت دی مگر انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حیرہ کے باشندوں نے جب دیکھا کہ ان میں مسلمانوں سے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے تو اپنے سرداروں کو صلح کرنے پر مجبور کیا۔ چنانچہ عمرو بن عبدالمسیح نے حضرت خالدؓ کے پاس آ کر صلح کی بات چیت کی اور ایک لاکھ نوّے ہزار درہم سالانہ جزیہ کی رقم دینی منظور کی۔ سردارانِ حیرہ۔ نے قدیم دستور کے مطابق' اسلامی سپہ سالار' کی خدمت میں قیمتی تحفے بھی پیش کئے۔ مگر حضرت خالدؓ نے ان سب کو فتح کی خوشخبری کے ساتھ خلیفہ کی خدمت میں بھیجدیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان تحائف کو جزیہ میں ہی شمار کیا۔ اور تحفہ کی حیثیت سے قبول نہ کیا

## فتح حیرہ کے بعد:۔

ان تمام لڑائیوں میں حضرت خالد بن ولیدؓ کا یہ دستور رہا کہ وہ اسلامی اصولِ جنگ کے مطابق پہلے دعوتِ اسلام دیتے تھے پھر جزیہ قبول کرنے کی پیشکش کرتے تھے۔ اگر ان دونوں باتوں سے انکار کر دیا جاتا تو آپ

لڑائی کا حکم دیتے۔ یہ لڑائی بھی صرف فوج کے آدمیوں سے ہوتی۔ عام باشندوں سے کوئی تعرض نہ کیا جاتا۔ جو لوگ جزیہ دینا قبول کر لیتے مسلمان ان کی حفاظت کے ذمہ دار بن جاتے اور وعدہ کرتے کہ اگر ان کی حفاظت نہ کر سکیں گے تو جزیہ کی رقم واپس کر دینگے۔ جزیہ کی مقرّرہ رقم کے علاوہ کسی کو ذمیوں سے ایک پیسہ وصول کرنے کی اجازت نہیں تھی حالانکہ ایرانی حکام اپنے زمانہ حکومت میں تحفُ و ہدایا کے نام سے بڑی بڑی رقمیں وصول کرتے رہتے تھے۔

مالِ غنیمت میں جو کچھ مسلمانوں کے ہاتھ آتا۔ اسلامی دستور کے مطابق اسکے پانچ حصّے کئے جاتے۔ چار حصّے مجاہدین میں تقسیم کر دیئے جاتے اور پانچواں حصّہ دربار خلافت میں روانہ کر دیا جاتا۔

فتح حیرہ کے بعد حضرت خالدؓ نے مفتوحہ علاقوں کے امن و امان کا بندوبست کیا۔ سرحدات پر نگران افسر مقرّر کئے، اور خراج و جزیہ کی وصولیابی کے لئے دیانتدار عاملوں کو بھیجا۔

حضرت خالدؓ کا یہ طرزِ عمل دیکھ کر حیرہ کے آس پاس کے علاقہ کے رؤسا نے یہی مناسب سمجھا کہ مسلمانوں سے صلح کر لی جائے۔ چنانچہ فلالیج سے ہرمزجرد تک کے علاقہ کے چودھریوں نے حضرت خالد کی خدمت میں حاضر ہو کر بیس لاکھ درہم سالانہ کی رقم پر صلح کر لی۔

## دو خط :۔

ان مہمات سے فارغ ہوکر حضرت خالد بن ولیدؓ نے دو خط لکھے ۔ ایک شہنشاہ ایران کے نام اور دوسرا رؤسا ایران کے نام۔ پہلے خط کا مضمون یہ تھا :۔

"امابعد، اللہ کا شکر ہے جس نے تمہارے نظام کو توڑ دیا، تمہارے مکر کو باطل کر دیا اور تمہاری جماعت کو منتشر کر دیا۔ اگر خدا ایسا نہ کرتا تو تمہارے لئے بھی بُرا ہوتا۔ تم ہمارے اقتدار کو قبول کرلو۔ ہم تم سے اور تمہارے ملک سے کوئی تعرض نہ کریں گے اور تمہیں چھوڑ کر کسی دوسری طرف چلے جائینگے ورنہ بالآخر یہ ہوکر رہے گا اور وہ قوم کر کے دکھائے گی جو موت کی ایسی ہی عاشق ہے جیسے کہ تم زندگی کے۔"

دوسرے خط کا مضمون یہ تھا :۔

"امابعد، خدا کا شکر ہے جس نے تمہاری گرم مزاجی کو ٹھنڈا کر دیا تمہاری جماعت کو توڑ دیا۔ تمہاری عزت کو برباد اور تمہاری شوکت کو ملیا میٹ کر دیا۔ لہٰذا تم اسلام لے آؤ محفوظ رہو گے ورنہ جزیہ ادا کرنا قبول کرو۔ اگر ان دونوں باتوں سے انکار ہے تو پھر میں ایسی قوم کو لیکر آ رہا ہوں جو موت کو اتنا ہی پسند کرتی ہے جتنا تم شراب کو۔"

جس وقت ایران میں حضرت خالدؓ کے یہ خط پہنچے ایرانی سخت اندرونی

اختلافات میں مبتلا تھے۔ شہنشاہ اُردشیر کا انتقال ہو چکا تھا۔ اور شاہی خاندان میں کوئی مرد ایسا نہ تھا جسے وہ اس کا جانشین بنا لیتے۔ ان خطوط کے مضمون سے متاثر ہو کر انہوں نے اپنے اختلافات مٹائے اور بیگمات کے مشورہ سے ایک امیر فرخ زاد کو اس وقت تک کے لئے شہنشاہ تجویز کیا جبتک شاہی خاندان سے کوئی موزوں شخص نہ ملے۔

## فتح انبار و عین التمر:۔

حضرت خالد بن ولید نے حیرہ پر قعقاع بن عمرو کو اپنا قائم مقام مقرر کیا اور خود انبار کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں شیرزاد حاکم ساباط سے مقابلہ ہوا شیرزاد نے اپنے گرد خندق کھود لی تھی۔ مسلمانوں نے اپنے اونٹوں کو ذبح کر کے خندق کو بھر دیا اور اسے پار کر گئے۔ جب شیرزاد نے یہ مصیبت دیکھی تو مسلمانوں کی تجویز کردہ شرائط پر صلح کر لی۔

انبار کے بعد حضرت خالد عین التمر کی طرف بڑھے۔ وہاں بہرام چوبین کا بیٹا بہرام ایک زبردست ایرانی لشکر لئے پڑا تھا۔ اس لشکر کے ساتھ ایرانی ماتحت علاقوں کے عرب قبیلوں (نمر، تغلب وغیرہ) کی فوجیں بھی تھیں۔ بہرام نے اس خیال سے کہ لوہے کو لوہا ہی کاٹ سکتا ہے عربوں ہی کو مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے بڑھایا۔ مگر حضرت خالدؓ نے ان کے سردار کو گرفتار کر لیا۔ سردار کی گرفتاری سے عرب قبیلے بھاگ کھڑے ہوئے۔ پھر ان کی دیکھا دیکھی ایرانی لشکر میں بھی بھگدڑ پڑ گئی

مسلمانوں نے قلعہ پر قبضہ کرلیا اور شکست خوردہ عرب فوج کو قتل کردیا۔

## فتح دومۃ الجندل:۔

"عین التمر" میں حضرت خالدؓ کو حضرت عیاض بن غنم کا خط ملا۔ عیاض نے انہیں اپنی مدد کے لئے دومۃ الجندل (شمالی عراق) میں بُلایا تھا۔

ماہ شوال ۹ھ رسول اکرم صلعم نے اپنے زمانہ حیات میں حضرت خالد کو دومۃ الجندل کی فتح کے لئے روانہ فرمایا تھا۔ حضرت خالدؓ نے وہاں پہنچکر وہاں کے حاکم اکیدر بن عبدالملک کو گرفتار کرلیا اور حضور کی خدمت میں لے آئے۔ آپ نے اس کی جان بخشی فرمائی اور جزیہ ادا کرنے کے وعدہ پر اس کا علاقہ اسی کے سپرد کردیا۔

حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں اکیدر اور اس کے شریک کار جودی نے عہد شکنی کی اور جزیہ ادا کرنا بند کردیا۔ عیاض بن غنم اپنی مہمات کے سلسلے میں جب وہاں پہنچے تو نصارائے عرب کی بہت بڑی جماعت جودی کی ماتحتی میں ان کے مقابلہ کے لئے جمع ہوگئی۔ مجبوراً انہیں حضرت خالدؓ کو اپنی مدد کیلئے بُلانا پڑا۔

حضرت خالدؓ کی آمد کی خبر سُن کر اکیدر تو کسی طرف نکل بھاگا، مگر جودی نے مقابلہ کیا اور شکست کھائی۔ مسلمانوں نے قلعہ پر قبضہ کرلیا۔ حضرت خالدؓ نے اکیدر کی تلاش میں آدمی بھیجے۔ انہوں نے اسے گرفتار کرلیا اور عہد شکنی کی سزا میں قتل کردیا۔

## حیرہ کو واپسی :۔

دومۃ الجندل کی مہم سے فارغ ہو کر حضرت خالدؓ "حیرہ" لوٹ آئے یہاں آکر معلوم ہوا کہ عین التمر کا انتقام لینے کے لئے عربوں اور ایرانیوں کا ایک لشکر "حصید" و "خنافس" میں جمع ہے۔ آپ نے ان کے مقابلہ کیلئے دو دستے روانہ کئے جنہوں نے اس لشکر کو شکست دیکر بھگا دیا۔

اس کے بعد حضرت خالدؓ نے "مضیح" کا قصد کیا۔ یہاں عربوں کی ایک جماعت مقابلہ کے لئے جمع تھی۔ حضرت خالدؓ نے اسے بھی شکست دی۔ پھر "ثنی" اور "بشر" پر معرکے ہوئے جن میں حضرت خالدؓ ہی غالب رہے۔

## جنگ فراض :۔

مقام فراض پر جو جنگ ہوئی وہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ایرانیوں رومیوں اور عربوں کے عظیم الشان لشکر نے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے بڑے جوش و خروش کے ساتھ نہر فرات کو عبور کیا۔ گھمسان کی لڑائی ہوئی اور آخرکار فتح نے مسلمانوں ہی کے قدم چومے۔ یہ واقعہ ۵ ا ذی قعدہ ۱۲ھ کا ہے۔ ذی القعدہ ۱۲ھ اس لڑائی سے فارغ ہو کر حضرت خالدؓ نے عاصم بن عمرو کو فوج کے ساتھ حیرہ واپس جانے کا حکم دیا۔ اپنے متعلق یہ ظاہر کیا کہ میں ساقہ کے ساتھ پیچھے رہوں گا۔ لیکن آپ سیدھے مکہ معظمہ پہنچے اور وہاں حج سے فارغ ہو کر اس قدر

جلد واپس لوٹے کہ ابھی ساقہ حیرہ نہ پہنچا تھا۔ چنانچہ آپ ساقہ کے ساتھ شامل ہو کر حیرہ میں داخل ہوئے اور چند ساتھیوں کے علاوہ کسی کو خبر بھی نہ ہوئی کہ آپ یہ طویل سفر کر آئے ہیں۔[۵]

---

[۵] البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۳۵۲

# مہمّاتِ شام

۱۳ھ میں حضرت ابوبکرؓ نے شامیوں اور رومیوں کے خطرہ کو مٹانے کے لئے شام وفلسطین کی طرف ایک طرف لشکر بھیجنے کا انتظام کیا آپ نے اس لشکر کو چار حصّوں میں تقسیم کیا، ہر حصّہ کا مستقل سردار مقرّر کیا اور اس کے حملہ آور ہونے کے لئے ایک علیحدہ سمت تجویز کی۔

حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو حمص کی طرف، عمرو بن العاص رضؓ کو فلسطین کی طرف، یزید بن ابی سفیانؓ کو دمشق کی طرف اور شرجبیل بن حسنہ کو اردن کی طرف روانہ کیا گیا۔

## سُنہری نصیحتیں :-

خلیفۂ اسلام حضرت ابوبکر رضؓ اس لشکر کو رخصت کرنے کے لئے کچھ دور تک پیدل تشریف لے گئے اور رخصت کرتے وقت سردارانِ لشکر کو بہترین نصیحتیں فرمائیں۔ ان نصیحتوں میں سے کچھ یہ ہیں :-

(۱) ہر حال میں خدا سے ڈرنا وہ باطن کو بھی اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح ظاہر کو۔

(۲) اپنے ماتحتوں سے اچھا سلوک کرنا اور ان کے ساتھ بھلا برتاؤ برتنا۔

(۳) جب انہیں نصیحت کرو تو مختصر نصیحت کرنا۔ کیونکہ جب بات لمبی ہوتی ہے تو اس کا ایک حصّہ دوسرے کو بھلا دیتا ہے۔

(۴) پہلے اپنے نفس کی اصلاح کرنا۔ دوسرے خود بخود اصلاح پذیر ہو جائینگے۔

(۵) جب تمہارے پاس دشمن کے سفیر آئیں تو ان کی عزّت کرنا۔

(۶) اپنے بھید کو چھپانا تاکہ تمہارا انتظام درہم و برہم نہ ہو۔

(۷) ہمیشہ سچی بات کہنا تاکہ صحیح مشورہ ملے۔

(۸) رات کو اپنے ساتھیوں کی مجلس میں بیٹھنا تاکہ تمہیں ہر قسم کی خبریں معلوم ہوں۔

(۹) لشکر میں پہرہ چوکی کا عمدہ انتظام کرنا کبھی کبھی اچانک پہنچ کر پہرہ داروں کے کام کی نگرانی بھی کرتے رہنا۔

(۱۰) جھوٹوں کی صحبت سے بچنا، سچّے اور وفادار ساتھیوں کی صحبت اختیار کرنا۔

(۱۱) جن سے ملو اخلاص کے ساتھ ملنا اور بزدلی اور خیانت سے بچنا۔

(۱۲) تم کچھ لوگوں کو دیکھو گے کہ دُنیا سے بے تعلق اپنی عبادت گاہوں

میں بیٹھے ہیں ان سے ہرگز نہ اُلجھنا اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا۔

اسلامی فوج کے چاروں سردار اپنی اپنی فوج کو لیکر شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے جابیہ پر، یزید بن ابی سفیانؓ نے بلقاء پر، شرجیل بن حسنہؓ نے بصریٰ پر اور عمرو بن عاص نے عربہ پر پہنچکر اپنا مورچہ قائم کرلیا۔ جب شامیوں اور رومیوں نے دیکھا کہ مسلمانوں نے ان کے ملک کو گھیر لیا ہے تو بہت پریشان ہوئے اور اپنے شہنشاہ ہرقل قیصر روم سے مدد مانگی۔

## ہرقل کا مشورہ :۔

ہرقل قیصر روم اس زمانہ میں بیت المقدس میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اس نے اپنے تمام سرداروں کو جمع کیا اور ان سے کہا :۔

"میری رائے تو یہ ہے کہ مسلمانوں سے صلح کرلی جائے۔ شام کا آدھا خراج مسلمانوں کو دیدینا اور آدھا اپنے لئے بچا لینا، اس سے بہتر ہے کہ شام کا سارا خراج مسلمانوں کے حوالہ کردیا جائے اور روم کے آدھے خراج سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں"

مگر اسکے سرداروں نے اس کی نصیحت قبول نہ کی اور لڑنے پر اصرار کیا۔ ہرقل بیت المقدس سے روانہ ہوکر حمص آیا اور یہاں اس نے اپنی فوجیں جمع کیں۔ اس کو معلوم ہوچکا تھا کہ اسلامی فوج چار حصّوں میں تقسیم ہے

اس نے بھی ہر حصّہ کے مقابلہ کے لئے الگ الگ فوج اپنے چار سرداروں کی ماتحتی میں روانہ کی ۔ یہ فوج تعداد کے لحاظ سے اسلامی فوج سے کہیں زیادہ تھی۔

ہرقل کا بھائی تذارق ۹۰ ہزار فوج کے ساتھ عمرو بن عاصؓ کے مقابلہ کیلئے، جرجیر بن توذر ۵۰ ہزار فوج کے ساتھ یزیدؓ کے مقابلہ کے لئے، قیقار بن نسطوس ۶۰ ہزار فوج کے ساتھ ابو عبیدہؓ کے مقابلہ کے لئے اور دراقص ۴۰ ہزار فوج کے ساتھ شرحبیلؓ کے مقابلہ کیلئے روانہ ہوا۔

## متحدہ مقابلہ :۔

جب مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ ان کی فوج کے ہر حصّہ کے مقابلہ کیلئے اس سے کئی کئی گنی رومی فوج آرہی ہے اور دشمن کی تجویز یہ ہے کہ مسلمانوں کو الگ الگ ہیں ڈالا جائے تو انہوں نے عمرو بن عاصؓ سے مشورہ طلب کیا۔

عمرو بن عاص نے کہا میری رائے یہ ہے کہ ہم سب کو یکجا ہو جانا چاہیئے اس صورت میں ہم تعداد کی کمی کی وجہ سے ہرگز مغلوب نہ ہوسکیں گے۔ سب نے عمرو بن عاص کے مشورہ کو پسند کیا اور دربار خلافت سے اجازت طلب کی۔ حضرت ابو بکرؓ نے اجازت دیدی اور یہ بھی لکھ بھیجا کہ "مسلمان تعداد کی کمی کے سبب کبھی مغلوب نہیں ہو سکتے۔ البتہ اگر وہ گناہوں میں گھر گئے تو مغلوب ہو جائینگے ۔ لہٰذا انہیں گناہوں سے بچنا چاہیئے"۔

ہرقل کو جب معلوم ہوا کہ اسلامی فوج یکجا ہو گئی ہے تو اس نے بھی اپنی فوج کو یکجا ہونے کا حکم دیا۔ چنانچہ رومی فوج نے وادی یرموک کے کنارے مقام واقوصہ میں اپنا مورچہ جما لیا۔ حضرت ابوبکرؓ کے حکم کے مطابق اسلامی فوجیں بھی رومی فوجوں کے سامنے آ کر جمع ہو گئیں اور انہوں نے رومیوں کا راستہ روک لیا۔

صفر ۱۳ھ سے ربیع الثانی ۱۳ھ تک دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی رہیں اور کسی کو دوسرے پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

## سیف اللہ کی آمد:-

رومیوں کی پوزیشن بھی مضبوط تھی کیونکہ ان کے سامنے دریا تھا اور پس پشت پہاڑ۔ اور ان کی تعداد بھی زیادہ۔ لہذا مسلمانوں نے دربارِ خلافت میں درخواست کی کہ ان کو مدد بھیجی جائے۔ وہاں سے حضرت خالد بن ولیدؓ کو حکم ہوا کہ وہ عراق کی مہم کو چھوڑ کر شام روانہ ہو جائیں۔ حضرت خالدؓ نے مثنیٰ بن حارثہؓ کو عراق میں اپنا قائم مقام بنایا اور دس ہزار فوج لیکر نہایت تیزی کے ساتھ یرموک کی طرف روانہ ہو گئے۔

اگرچہ حضرت خالدؓ کو یرموک پہنچنے کی بہت جلدی تھی تاہم وہ راستہ میں اپنی تلوار کے جوہر برابر دکھاتے رہے۔ "ارک" پہنچے تو وہاں کے باشندوں نے صلح کر لی۔ پھر تدمر پہنچے تو اہلِ تدمر قلعہ نشیں ہو گئے اور آخر کار صلح کر لی پھر

قرتیین پہنچے تو وہاں کے لوگوں کو مغلوب کیا، پھر مرج راہط آئے تو غسانیوں کو تاخت و تاراج کیا، پھر غوطہ پر حملہ کر کے اسے فتح کیا۔ پھر بصریٰ پہنچے تو وہاں کے باشندوں سے مقابلہ ہوا۔ اہلِ بصریٰ نے حضرت خالدؓ سے صلح کی درخواست کی جسے آپ نے قبول فرمالیا۔ چنانچہ بصریٰ شام کا پہلا شہر ہے جو حضرت خالدؓ کے ہاتھ پر فتح ہوا۔ اس طرح فتح کا پرچم اُڑاتے ہوئے ربیع الآخر میں حضرت خالدؓ یرموک پہنچے۔ جیسے ہی اسلامی فوج کو حضرت خالدؓ کی مدد حاصل ہوئی رومی فوج کو بھی مزید کمک پہنچ گئی۔ ایک مشہور رومی سردار "باہان" اپنے ساتھ بہت سے مذہبی رہنماؤں کو لیکر رومی فوج سے آملا۔ اب اسلامی فوج کی کل تعداد ۳۶ ہزار ہوگئی اور رومی فوج کی کل تعداد دو لاکھ چالیس ہزار۔

## جنگ یرموک :۔

حضرت خالدؓ نے دیکھا کہ رومی تعداد کے لحاظ سے بہت زیادہ ہیں اور پھر جنگی اصول کے مطابق اپنی فوجوں کو ترتیب دیئے ہوئے ہیں مسلمان تعداد کے اعتبار سے ان سے کم ہیں اور پھر جتنے ہیں وہ بھی ایک جھنڈے تلے نہیں۔ اس صورت میں اندیشہ تھا کہ لڑائی بہت طول کھینچے اور پھر بھی دشمن کو نقصان نہ پہنچایا جا سکے۔ اس لئے آپ نے اسلامی لشکر کے سرداروں کو جمع کیا اور یہ تقریر فرمائی :۔

"یہ لڑائی ایک عظیم الشان مذہبی لڑائی ہے، آج ہمیں فخر اور نافرمانی کا

خیال دل سے نکال دینا چاہئے اور خالص اللہ کے واسطے اپنی کوششیں صرف کردینی چاہئیں۔ دیکھو دشمن تنظیم و ترتیب کے ساتھ میدانِ جنگ میں موجود ہے اور تم متفرق و منتشر ہو۔ تمہارا یہ انتشار تمہارے لئے دشمن کے حملہ سے زیادہ نقصان پہنچانے والا ہے اور دشمن کے لئے اس کی مدد سے زیادہ مفید ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ساری فوج ایک امیر کی کمان میں دیدی جائے اور امارتِ فوج کو باری باری تقسیم کرلیا جائے۔ ایک دن ایک سردار امیر ہو اور دوسرے دن دوسرا۔ اگر یہ رائے پسند ہے تو آج مجھے امیر بن جانے دو۔"

اسلامی فوج کے سرداروں نے حضرت خالدؓ کی رائے کو پسند کیا اور انہیں امیرِ لشکر تسلیم کرلیا۔

## اسلامی فوج کی تنظیم:۔

رومی بڑی آن بان کے ساتھ میدان میں صف آرا ہوئے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے اسلامی فوج کو بھی اس طرح ترتیب دیا کہ پہلے کبھی ترتیب نہ دی گئی تھی۔ آپ نے کُل فوج کو ۴۰ دستوں پر تقسیم کیا۔ کچھ دستے قلب میں رکھے ان کا سردار حضرت ابو عبیدہؓ کو مقرر کیا، کچھ دستے میمنہ پر رکھے ان کا سردار عمرو بن عاصؓ اور شرحبیل بن حسنہؓ کو مقرر کیا، کچھ دستے میسرہ پر رکھے ان کا سردار یزید بن ابی سفیانؓ کو مقرر کیا، کچھ دستوں پر قعقاع بن عمرو اور مذعور بن عدی وغیرہ کو سردار مقرر کیا۔ آپ نے ہر ہر دستے پر جس میں تقریباً ایک ایک ہزار

سپاہی تھے الگ الگ افسر مقرر کئے۔ یہ افسر قلب، میمنہ و میسرہ کے سرداروں کے ماتحت تھے۔ ابوسفیان نقیبِ لشکر مقرر ہوئے۔ یہ ساری فوج میں پھر پھر کر تقریر کرتے تھے اور سپاہیوں کو جوش دلاتے تھے۔

## کون زیادہ ہے؟

جب دونوں فوجیں آمنے سامنے آئیں تو اسلامی فوج میں سے ایک شخص نے کہا "رومی کس قدر زیادہ ہیں اور مسلمان کس قدر کم!" حضرت خالدؓ نے سُنا تو فرمایا۔ یوں کہو "مسلمان کس قدر زیادہ ہیں اور رومی کس قدر کم!" اور پھر اس شخص سے کہا "زیادتی اور کمی کوئی چیز نہیں، فتح و شکست اصل چیز ہے"

آخر کار لڑائی چھڑی اور تلواروں سے تلواریں ٹکرانے لگیں حضرت خالدؓ خود قلب کے دستوں کو لیکر دشمن کی صفوں میں جا گھسے اور دشمن کی سوار فوج اور پیدل فوج کے درمیان حائل ہو گئے۔ دشمن کے سوار مسلمانوں کے حملوں کو برداشت نہ کر سکے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے انہیں بھاگنے کا راستہ دیدیا۔ اب پیدل فوج رہ گئی۔ حضرت خالدؓ اپنے دستوں کو لیکر اس پر ٹوٹ پڑے۔ رومیوں نے محسوس کیا کہ گویا ان پر دیوار گر پڑی ہے۔ بھاگنے کا ارادہ کیا مگر جاتے کہاں، پیچھے پہاڑ تھا۔ بدحواسی کے عالم میں دریا کی طرف پلٹے اور غرق ہو گئے۔ طبری کے بیان کے مطابق ان دریا میں غرق ہونے والوں کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار ہے۔ تلوار کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اترنیوالوں کا

شمار اسکے علاوہ ہے مسلمان کل تین ہزار شہید ہوئے۔

## موت کی بیعت :-

ابتداء میں جب رومی فوج نے مسلمانوں پر حملہ کیا تو بعض اسلامی دستوں کے قدم اکھڑنے لگے تھے۔ مگر عکرمہ بن ابی جہل اور ان کے بیٹے عمرو بن عکرمہ نے اس وقت بڑی جان بازی کا ثبوت دیا۔

عکرمہؓ نے چلا کر کہا "میں نے ہر میدان میں رسول اکرم صلعم کے ساتھ جنگ کی ہے بھلا میں آج پیٹھ دکھا سکتا ہوں۔ میرے ہاتھ پر کون بیعت موت کرنے کے لئے تیار ہے؟" حارث بن ہشام اور ضرار بن ازور وغیرہ چار سو جاں باز ان کی آواز پر میدان میں نکل آئے اور حضرت خالدؓ کے خیمہ کے سامنے اس بہادری کے ساتھ لڑے کہ دشمن کا منہ پھیر دیا۔

دوسرے دن صبح کو عکرمہؓ اور عمرو بن عکرمہؓ کو حضرت خالدؓ کے پاس لایا گیا۔ یہ زخموں سے چور تھے اور دم توڑ رہے تھے۔ حضرت خالدؓ نے ایک کا سر ران پر اور دوسرے کا اپنی پنڈلی پر رکھا اور ان کے چہرہ سے گرد صاف کرتے اور حلق میں پانی ٹپکاتے رہے۔ اسی حالت میں ان دونوں کی روحیں پرواز کر گئیں۔ رحمہما اللہ تعالیٰ۔

اس لڑائی میں مسلمان عورتوں نے بھی اپنا ایک الگ دستہ بنا کر مردانگی کے جوہر دکھائے۔ یہ لڑائی "جنگ یرموک" کے نام سے مشہور ہے اور تاریخ

اسلامی میں ایک اہم حیثیت رکھتی ہے۔ اس لڑائی میں فتح حاصل کرنے کے بعد شام میں مسلمانوں کے قدم جم گئے اور پھر وہ آگے بڑھتے ہی چلے گئے۔

## پیکرِ اخلاص :۔

جنگ یرموک ابھی جاری ہی تھی کہ مدینہ سے قاصد ایک خط لیکر آیا اس خط میں لکھا تھا کہ خلیفۃ المسلمین حضرت ابو بکر رضؓ کا انتقال ہو گیا ہے اور حضرت عمر رضؓ ان کے جانشین مقرر ہوئے ہیں۔ خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ نئے خلیفہ نے خالد بن ولید رضؓ کو معزول کر کے ان کی جگہ عبیدہ بن الجراح رضؓ کو سالارِ افواجِ اسلامیہ مقرر کیا ہے۔

یہ خط سب سے پہلے حضرت خالد رضؓ ہی کے ہاتھ میں پہنچا۔ اسے پڑھ کر وہ ذرا بھی بددل نہ ہوئے۔ خاموشی کے ساتھ حضرت عبیدہ رضؓ کو خبر دیدی کہ اب آپ میرے سردار ہیں اور میں آپ کا ماتحت اور اس خبر کو عام طور پہ شہرت نہ دی کہ کہیں فوج میں بد دلی اور ہراس نہ پھیل جائے۔

کسی نے آپ سے پوچھا کہ "معزولی کی خبر سے آپ کے حملوں کی سختی میں ذرا فرق نہ آیا؟"

آپ نے جواب دیا کہ "میں خدا کیلئے لڑ رہا تھا، نہ کہ عمر رضؓ کے لئے۔"

## حضرت ابو بکر رضؓ کی بیماری اور وفات :۔

۷ رجمادی الآخری ۱۳ھ کو حضرت ابو بکر رضؓ بخار میں مبتلا ہوئے

پندرہ روز تک برابر بخار کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر کار ۲۱ رجادی الاخریٰ ۱۳ھ کی شام کو ۶۳ سال کی عمر میں انتقال فرمایا[1]۔ حضرت عائشہؓ کے حجرۂ مبارکہ میں رسول اللہ صلعم کے پہلو میں دفن ہوئے۔ آپ کی خلافت کی مدت دو سال تین مہینے دس روز ہوئی۔

وفات کے وقت آپ نے وصیت فرمائی کہ میری زمین فروخت کر کے وہ روپیہ ادا کر دیا جائے جو میں نے وظیفۂ خلافت کی صورت میں وصول کیا ہے[2]۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ کفن کے متعلق فرمایا کہ "جو کپڑا اس وقت میرے بدن پہ ہے اسی کو دھو کر اس میں کفنا دینا"۔ حضرت عائشہؓ نے کہا "ابا جان یہ تو پرانا ہے"۔ آپ نے جواب دیا "میرے لئے یہی پھٹا پرانا کافی ہے"۔

آپ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے چند دوسرے اکابر صحابہؓ کے سامنے بیت المال کا جائزہ لیا۔ وہاں صرف ایک دینار پایا گیا۔ جب بیت المال کے خزانچی سے پوچھا گیا کہ شروع سے ابتک خزانۂ خلافت میں کتنا روپیہ

---

[1] بعض مورخین نے تاریخ وفات ۲۳ رجادی الاخریٰ ۱۳ھ لکھی ہے۔

[2] "خلافت" کا بار اٹھانے سے پہلے حضرت ابوبکر ایک کامیاب کاروبار کے مالک تھے مگر جب خلافت کی ذمہ داریاں عائد ہوئیں تو فکرِ معاش کیلئے وقت نہ مل سکا۔ صحابہ کرامؓ نے مشورہ کر کے چھ ہزار درہم سالانہ (تقریباً ۲۰ گنی مصری) وظیفہ مقرر کر دیا۔ (محاضرات الخضری ج ۱ صفحہ ۲۹۳)

داخل ہوا ہوگا؟ تو اس نے جواب دیا "دو لاکھ دینار" حضرت ابو بکر رضؓ کا اصول یہ تھا کہ جو کچھ آئے فوراً تقسیم کر دیا جائے۔ رسول اللہ صلعم کے طریقہ کے مطابق مال جمع رکھنا آپ پسند نہ فرماتے تھے۔

**خلافت ابوبکر پر ایک نظر**

حضرت ابو بکر صدیق ایک ہوشمند مدبر، تجربہ کار مفکر، اور باہمت سپہ سالار تھے۔ آپ کی خلافت، آپ کے اس خطبۂ خلافت کی عملی تفسیر تھی:۔

"اے لوگو جو شخص تم میں سب سے زیادہ کمزور ہے وہ میرے لئے سب سے زیادہ قوی ہے جبتک کہ میں اسے اس کا حق نہ دلا دوں اور جو شخص تم میں سب سے زیادہ قوی ہے وہ میرے نزدیک سب سے زیادہ کمزور ہے جبتک کہ میں اس سے دوسروں کا حق نہ لیلوں، اے لوگو میں رسول اللہ کا پیرو ہوں خود کوئی نئی بات پیدا کرنے والا نہیں۔ جبتک میں راہِ حق پر رہوں میری مدد کرو اور جب اس راہ سے ہٹوں تو مجھے سیدھی راہ پر ڈالدو۔"

فتنۂ ارتداد کی اندھیریوں کا پردہ چاک کرنے میں آپ کی فکرِ روشن نے جو جو کارنامے انجام دیئے وہ تاریخ اسلام کی پیشانی کا نور ہیں۔ پھر ایرانی اور رومی شہنشاہیتوں کا تختہ الٹنے کے لئے جن کے مظالم سے دُنیا کراہ رہی تھی پہلے آپ نے ہی ہاتھ بڑھایا۔ قرآن کریم (جو دین اسلام کا بنیادی قانون ہے) کی سورتوں میں مصحف کی صورت میں جمع و ترتیب آپ ہی کا شاندار کارنامہ ہے۔

آپ کی انہی خصوصیات کی بنا پر یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ خدا کے نبیوں کے بعد تمام انسانوں میں آپ ہی افضل ہیں، رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً کاملۃً۔

## خاندان ابوبکرؓ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کئی شادیاں کیں۔ اسلام سے پہلے آپ نے بنی عامر بن لوئی کے خاندان میں قتیلہ بنت عبدالعزیٰ سے شادی کی ان سے ایک صاحبزادہ عبداللہ اور ایک صاحبزادی اسماء پیدا ہوئیں۔ اسماء کی شادی حضرت زبیر بن العوام سے ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر ان ہی کے فرزند تھے۔ اسی زمانہ میں آپ نے دوسری شادی بنی کنانہ کے خاندان میں ام رومان بنت عامر سے کی۔ ان سے ایک صاحبزادہ عبدالرحمٰن اور ایک صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہؓ پیدا ہوئیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ہوئیں۔

اسلام کے بعد آپ نے خاندان خثعم میں اسماء بنت عمیس سے شادی کی۔ یہ حضرت جعفر بن ابی طالب کی بیوہ تھیں۔ ان سے ایک صاحبزادہ محمد پیدا ہوئے۔ اسی زمانہ میں آپ نے خاندان خزرج میں حبیبہ بنت خارجہ سے شادی کی۔ ان سے حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد ایک صاحب زادی امّ کلثوم پیدا ہوئیں۔

# عمال ابوبکرؓ

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ خلافت میں صرف جزیرۃ العرب پر باقاعدہ اسلامی حکومت تھی۔ آپ نے جزیرۃ العرب کو دس ولایتوں میں تقسیم فرمایا تھا۔ ہر ولایت پر آپؓ کے قائم مقام کی حیثیت سے ایک امیر مقرر تھا۔ انتظام ملکی کے علاوہ، نماز کی امامت۔ مقدمات کی سماعت اور حدود و قصاص کا اجرا بھی اسی امیر سے متعلق ہوتا تھا۔

ولایات اور ان کے امرا کی تفصیل یہ ہے:۔

| ولایت | امیر |
|---|---|
| مکہ معظمہ | عتاب بن اسید |
| طائف | عثمان بن ابی العاص |
| صنعاء | مہاجر بن ابی امیہ |
| حضرموت | زیاد بن لبید |
| خولان | یعلیٰ بن امیہ |
| زبید | ابوموسیٰ اشعری |
| جند | معاذ بن جبل |
| جرش | عبداللہ بن ثور |
| بحرین | علاء بن حضرمی |

| ولایت | امیر |
|---|---|
| نجران | جریر بن عبداللہ بجلی |

عراق اور شام میں ابھی لڑائیوں کا سلسلہ جاری تھا اور وہاں کے نظم ونسق کی ذمہ داری بھی سالارانِ افواج ہی کے ہاتھ میں تھی۔

# عہدِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ

## حضرت عمرؓ کا انتخاب :۔

جب حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کے مرض میں زیادتی ہوئی اور آپ نے محسوس کیا کہ دُنیا سے رخصت ہونے کا وقت قریب آگیا تو آپ کو خلافت کی فکر ہوئی۔ آپ نے سوچا کہ اگر خلافت کے مسئلہ کو طے نہ کر دیا گیا تو پھر مسلمانوں میں نزاع ہوگا اور ان کی طاقت بکھر جائے گی۔ آپ نے کافی غور و فکر کے بعد حضرت عمر فاروق رضؓ کا نام تجویز کیا اور پھر اپنی اس تجویز کو اکابر صحابہ رضؓ کے سامنے پیش کیا۔ ان میں سے اکثر نے تو اس تجویز کو بہت پسند کیا لیکن بعض نے کہا کہ "یوں تو عمر بہترین شخص ہیں مگر ان کے مزاج میں ذرا سختی ہے"۔ حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا کہ "جب ان پر خلافت کا بوجھ پڑے گا تو یہ سختی خود بخود جاتی رہے گی"۔ آخر سب نے حضرت ابو بکرؓ کی رائے سے اتفاق کیا۔

جب سب اکابر صحابہ حضرت عمرؓ کی خلافت پر راضی ہو گئے تو حضرت عثمان رضؓ کو بُلا کر آپ نے عہد نامہ خلافت لکھوایا اور مجمع عام میں اسے سُنانے

کا حکم دیا۔ اس عہد نامہ کا خلاصہ یہ ہے :۔

"یہ عہد نامہ ابو بکرؓ خلیفۂ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفرِ آخرت کے وقت کا ہے یہ وہ نازک وقت ہے جب کافر بھی ایمان لے آتا ہے اور گنہگار بھی خدا پر یقین کرنے لگتا ہے۔ میں عمر بن خطاب کو تمہارا حاکم مقرر کرتا ہوں اور اس تقرر میں تمہاری بھلائی کو میں نے پوری طرح ملحوظ رکھا ہے۔ اگر وہ حق پر قائم رہے اور عدل سے کام لیا تو مجھے ان سے یہی امید ہے لیکن اگر انہوں نے ظلم کیا اور راہِ حق سے ہٹ گئے تو مجھے غیب کا کیا علم۔ میرا ارادہ تو مسلمانوں کے ساتھ بھلائی کا ہی ہے اور ہر شخص اپنے عمل کا ذمہ دار ہے۔"

اس کے بعد آپ ایک شخص کے سہارے سے بالا خانہ پر تشریف لے گئے اور مسلمانوں کے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا: "بھائیو میں نے اپنے کسی رشتہ دار یا بھائی کو خلیفہ مقرر نہیں کیا ہے بلکہ اس شخص کو مقرر کیا ہے جو تم میں سب سے بہتر ہے۔ کیا تم اسے پسند کرتے ہو؟"

تمام حاضرین نے اس انتخاب کو پسند کیا اور حضرت ابو بکرؓ کی رائے سے اتفاق کا اظہار کیا۔

اب آپ حضرت عمرؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں بہت دیر تک نصیحتیں فرماتے رہے۔ ان نصیحتوں کو حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت کی کامیابی میں بہت کچھ دخل ہے۔

# حالاتِ قبلِ خلافت

آپ کا نام عمر ہے، ابو حفص کنیت ہے، فاروق لقب ہے۔ والد کا نام خطاب ہے اور والدہ کا نام حنتمہ۔ آپ عدی بن کعب کی اولاد ہیں اور رسول اللہ صلعم مرہ بن کعب کی۔ یوں آپ کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت میں رسول اللہ صلعم کے ساتھ جا ملتا ہے۔ آپ کا خاندان عرب میں بہت معزز سمجھا جاتا تھا۔ قریش کی سفارت اور ان کے باہمی جھگڑوں میں ثالثی کی خدمت اسی خاندان سے متعلق تھی۔

حضرت عمرؓ رسول اللہ صلعم کی ولادت کے بارہ سال بعد پیدا ہوئے آپ نے سپہ گری اور فنِ تقریر میں مہارت حاصل کی اور ابھی جوانی کا آغاز ہی تھا کہ آپ کی جرأت و شجاعت کی دھاک سارے عرب میں بیٹھ گئی۔ پھر آپ نے تجارت کے سلسلہ میں دور دور کے ملکوں کا سفر کیا، تو دور بینی، وسیع النظری اور تجربہ کاری کے اوصاف بھی پیدا ہو گئے۔

## قبولِ اسلام:۔

آپ کی عمر ستائیس سال کی تھی کہ رسول اکرم صلعم نے مکہ کی وادیوں میں حق کی آواز بلند کی۔ حضرت عمرؓ کو یہ صدا بھلی نہ معلوم ہوئی اور اسے دبانے کی

کوشش شروع کردی۔ حضرت عمرؓ کی مخالفت پیغمبر خدا صلعم کے لئے بہت سخت تھی۔ آپ نے دُعا فرمائی :۔ اللھم اعز الاسلام باحد الرجلین اما ابن ھشام واما عمر بن الخطاب : الٰہی! اسلام کو عمرو بن ہشام یا عمر بن خطاب کے ذریعہ عزت دے۔[1]

ایک دن آپ رسول اکرم صلعم کو شہید کرنے کے ارادہ سے اپنے گھر سے نکلے۔ راستہ میں ایک شخص ملے انہوں نے ان کے تیور دیکھ کر پوچھا عمر خیر تو ہے کہاں کا ارادہ ہے؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا "محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) کا فیصلہ کرنے جا رہا ہوں" وہ شخص بولے "میاں محمدؐ کا فیصلہ تو بعد میں کرو گے، پہلے گھر کی تو خبر لو، تمہاری بہن اور بہنوئی محمد کا کلمہ پڑھتے ہیں" یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ پلٹے اور اپنی بہن کے گھر کا راستہ لیا۔ بہن قرآن مجید کی کوئی سورت پڑھ رہی تھیں۔ آہٹ پائی تو سورت کے اوراق چھپا لئے۔ مگر حضرت عمرؓ کے کانوں میں بھنک پہنچ چکی تھی۔ بہن اور بہنوئی دونوں کو اس قدر مارا کہ زخموں سے چور چور ہو گئے۔

حضرت عمرؓ نے پوچھا کہو کیا اب بھی بد دینی سے باز نہ آؤ گے؟ بہن بولیں عمر جو چاہے کر لو یہ نشہ تو چڑھ کر اُترنے والا نہیں! حضرت عمر کو ان کے اس عزم و یقین پر حیرت ہوئی اور کہنے لگے اچھا کچھ ہمیں بھی تو اس کا مزہ چکھاؤ بہن نے وہی سورت پڑھنی شروع کی۔ رسول مقبول صلعم کی دُعا کی قبولیت کا

---

[1] جامع ترمذی۔

وقت آگیا تھا۔ حضرت عمرؓ خاموشی کے ساتھ سُنتے رہے پھر بے اختیار چیخ اُٹھے
اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمدا رسول اللہ [1]

کفر کی یہ بجلی جب اسلام کی تلوار بن گئی تو مکّہ کے ضعیف مسلمانوں کو بڑی طاقت حاصل ہوئی۔ اب تک مسلمان چھپ چھپ کر اپنے دینی فرائض ادا کرتے تھے بلکہ اپنے اسلام کو بھی چھپاتے تھے۔ مگر حضرت عمرؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کافرون کو جمع کر کے اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ اب تو کعبہ میں نماز ادا کی جائے گی۔ حضرت عمرؓ کی خواہش پر رسول اللہ صلعم مسلمانوں کی دو صفوں کو لیکر جن میں سے ایک کے لیڈر حضرت عمرؓ تھے اور دوسری کے حضرت حمزہ رضؓ کعبہ میں تشریف لائے اور نماز باجماعت ادا ہوئی۔[1] حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ہے :۔

ماز لنا اعزۃ منذ اسلم عمرؓ[2] جب سے عمرؓ نے اسلام قبول کیا ہم بالادست ہو گئے۔

## اعلانِ ہجرت :۔

نبوّت کے تیرھویں سال جب مسلمانوں کو مکّہ سے مدینہ ہجرت کی اجازت ہوئی تو حضرت عمرؓ نے بھی ہجرت کا ارادہ کیا۔ عام طور پر مسلمان کافروں کے شر سے بچنے کے لئے خاموشی کے ساتھ یہ سفر کر رہے تھے، مگر حضرت عمرؓ نے اسے پسند نہ کیا۔ آپ نے اپنے بدن پر ہتھیار سجائے اور پھر کافروں کے مجمع

---

[1] سیرۃ ابن ہشام و اشہر مشاہیر الاسلام ج ۲ ص ۱۸۷ بحوالہ ابن سعد۔ [2] صحیح بخاری

میں سے گزرتے ہوئے خانہ کعبہ میں پہنچے۔ وہاں بڑے اطمینان سے طواف کیا اور نماز ادا کی۔ پھر بلند آواز کے ساتھ اعلان کیا "میں مدینہ جا رہا ہوں جسے اپنی ماں کو اپنے غم میں رُلانا ہو وہ اس وادی کے پار مجھ سے مقابلہ کرے"! مگر کافروں میں سے کسی کو آپ سے مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی اور آپ بخیریت مدینہ منورہ پہنچ گئے[1]

## شرکتِ غزوات :-

بدر سے تبوک تک، تمام غزوات میں آپ رسول اکرم صلعم کے پہلو بہ پہلو لڑے۔ جنگِ بدر میں کافروں کے تقریباً ستر آدمی مارے گئے اور اسی قدر گرفتار ہوئے۔ تو یہ سوال پیدا ہوا کہ کافر قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ حضرت ابو بکرؓ فطرتاً رحم دل تھے انہوں نے رائے دی کہ جزیہ لیکر چھوڑ دیا جائے مگر حضرت عمرؓ نے اس رائے سے سختی کے ساتھ اختلاف کیا۔ انہوں نے کہا ان کافروں کو جنہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے مٹانے میں کسر نہیں چھوڑی قتل کر دینا چاہیئے۔ قتل میں بھی انہوں نے یہ صورت تجویز کی کہ ہر شخص اپنے ہاتھ سے اپنے عزیز کو قتل کرے۔

رسول اکرم صلعم کو اپنی شان رحمۃ للعلمین کے سبب حضرت ابوبکرؓ کی رائے پسند آئی۔ مگر خداوند کریم نے بذریعہ وحی، حضرت عمرؓ کی رائے

---

[1] محاضرات الخضری ج ۱ صفحہ ۲۹۷

کو درست قرار دیا۔

جنگِ احد میں، جب حکمِ رسول کی مخالفت کی وجہ سے مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی اور رسول اکرم صلعم کافروں کے نرغہ میں پھنس گئے تو حضرت عمرؓ کے پائے ثبات کو ایک لمحہ کے لئے لغزش نہوئی۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فدائیوں کی ایک جماعت کے ساتھ پہاڑ کے درہ پر چڑھے اور خالد بن ولیدؓ نے (جو اس وقت تک مسلمان نہوئے تھے) فوج کے ایک دستہ کے ساتھ آپ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت عمرؓ ہی آگے بڑھے اور چند ساتھیوں کے ساتھ کافروں کے دستہ کو پیچھے دھکیل دیا۔ ابوسفیان نے لڑائی کے ختم ہو جانے کے بعد چیخ کر کہا کیا محمدؐ زندہ ہیں؟ حضور نے اپنے ساتھیوں کو جواب دینے سے روک دیا۔ ابوسفیان نے کہا تو کیا ابوبکرؓ و عمرؓ زندہ ہیں۔ مگر اب بھی جواب نہ پایا تو چلا کر کہا ضرور محمدؐ اور اسکے دوست مارے گئے۔ حضرت عمرؓ سے اب نہ رہا گیا اور پکار کر کہا "اے دشمن خدا ہم سب زندہ ہیں" پھر جب ابوسفیان نے "اُعلُ ہبل" کا نعرہ لگایا تو حضرت عمر نے فوراً جواب دیا "اللہ اعلیٰ واجل"

جنگ خندق میں جب کافروں اور یہودیوں کے سیلاب نے مدینہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا تو رسول اکرم صلعم نے خندق تیار کرائی۔ آپ نے

کچھ جاں بازصحابہ کو خندق کی حفاظت کیلئے متعین کیا، تاکہ اس سیلاب کو خندق کے پار نہ آنے دیں۔ ان جاں بازوں میں ایک حضرت عمر بھی تھے۔ آپ اپنے دستۂ فوج کے ساتھ کافروں کے حملوں کو روکتے رہے۔ ایک دن تو اس کام میں اس قدر مصروف رہے کہ عصر کی نماز قضا ہوتے ہوتے رہ گئی آپ نے حضور صلعم سے شکایت کی کہ یارسول اللہ آج تو کافروں نے نماز پڑھنے تک کا موقع نہ دیا۔ حضور صلعم نے جواب دیا۔ اے عمر میں نے بھی آج ابھی تک نماز نہیں پڑھی۔

صلح حدیبیہ کے موقعہ پر جب شرائط صلح لکھی جانے لگیں تو ان میں ایک شرط یہ بھی تھی "دوران صلح میں اگر قریش کا کوئی آدمی مسلمانوں میں چلا جائے تو مسلمان اسے واپس بھیجدیں لیکن مسلمانوں کا کوئی آدمی قریش میں آجائے تو وہ اسے روک سکتے ہیں" حضرت فاروق رضؓ اس شرط کو برداشت نہ کر سکے۔ آپ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا۔ یارسول اللہ! جب آپ خدا کے سچے رسول ہیں تو ایسی شرط قبول کر کے ہم اپنے مذہب کو کیوں ذلیل کریں؟ حضور نے جواب دیا۔ اے عمر بے شک میں خدا کا سچا رسول ہوں لیکن جو کچھ کر رہا ہوں وہ بھی خدا کے حکم ہی سے کر رہا ہوں۔ حضرت عمر فاروق رضؓ کی یہ گفتگو اگرچہ سراسر غیرتِ دینی کی بنا پر تھی، مگر چونکہ اس کا انداز احترامِ نبوت کے خلاف تھا اس لئے بعد میں آپ کو

سخت ندامت ہوئی اور اس کا کفارہ ادا کیا۔

فتح مکّہ کے بعد، جب رسول اکرم صلعم بڑے جاہ و جلال کے ساتھ حرم میں داخل ہوئے اور کافروں کے لئے امنِ عام کا اعلان کیا تو لوگ جوق جوق اسلام کے حلقۂ امن و سلام میں داخل ہونے کے لئے ٹوٹ پڑے۔ رسول اکرم صلعم نے خود تو مردوں کی بیعت لی اور عورتوں کی بیعت کے لئے حضرت فاروق رض کو اپنا قائم مقام تجویز کیا۔

غزوہ تبوک کے موقعہ پر جب مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ قیصرِ روم مکّہ پر چڑھائی کا ارادہ کر رہا ہے تو مسلمانوں میں ہراس پھیل گیا۔ ادھر تنگدستی کا یہ عالم تھا کہ مسلمانوں کے پاس پیٹ بھرنے کو بھی نہ تھا اور ادھر دُنیا کی ایک سب سے بڑی طاقت سے ٹکرانے کا مرحلہ تھا۔ رسول اکرم صلعم نے مالداروں سے اپیل کی کہ غریب مجاہدین کی امداد کریں۔ اس اپیل کے جواب میں حضرت عمر فاروق نے اپنا نصف مال حضور کے قدموں میں لا کر ڈال دیا۔ سامانِ جنگ کی فراہمی کے بعد رسول اکرم صلعم مقام تبوک پہنچے۔ وہاں پہنچکر معلوم ہوا کہ قیصرِ روم نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا ہے۔ چنانچہ چند روز ٹھہر کر اسلامی لشکر واپس آ گیا۔

عشقِ نبی :۔

سلاھ میں جب آفتابِ نبوت ظاہری آنکھوں سے اوجھل ہوا اور

حضور کی خبر وفات مشہور ہوئی تو جاں نثاروں کی آنکھوں میں دُنیا تاریک ہو گئی۔اس موقعہ پر یوں تو سب ہی متاثر تھے مگر حضرت عمر فاروق رض کی کیفیت ہی کچھ اور تھی۔آپ تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے اور اعلان فرمایا کہ جو شخص کہے گا کہ حضور وفات پا گئے اسے زندہ نہ چھوڑوں گا۔آخر جب حضرت ابوبکر رض آئے اور انہوں نے نصِ قرآنی سے حضرت عمر رض کے خیال کی تردید کی،تب کہیں آپ نے اپنی تلوار نیام میں داخل کی۔

## صدیق اکبر رض کی رفاقت

عہدِ صدیقی میں حضرت عمر فاروق رض شروع ہی سے صدیق اکبر رض کے مشیر و معین رہے۔رسول اکرم صلعم کی وفات کے بعد مسئلہ خلافت کی گتھی آپ ہی کے دستِ تدبیر سے سُلجھی۔سب سے پہلے آپ ہی نے حضرت صدیق رض کے ہاتھ پر بیعت کی۔پہلے لکھا جا چکا ہے کہ حضرت صدیق رض نے آپ کو "لشکرِ اسامہ" کے ساتھ جانے سے روک لیا تھا تاکہ مہماتِ خلافت میں آپ کی امداد کریں۔چنانچہ حضرت صدیق رض نے جس قدر اہم کام انجام دیئے سب حضرت فاروق رض کے مشورہ اور امداد سے انجام دیے۔قانون اسلامی کی بنیاد قرآن کریم کی جمع و ترتیب آپ ہی کی رائے سے عمل میں آئی۔"فصلِ مقدمات" جو خلافت کی ذمہ داریوں میں سے ایک بڑی ذمہ داری ہے۔آپ ہی سے متعلق رہی۔

# واقعاتِ عہدِ خلافت

## فتح عراق

حضرت صدیق اکبرؓ نے جب خالد بن ولیدؓ کو عراق سے شام بھیجا تو مثنیٰ بن حارثہ شیبانی ان کے قائم مقام کی حیثیت سے "حیرہ" میں مقیم رہے۔ آدھی فوج حضرت خالد بن ولیدؓ اپنے ساتھ لے گئے تھے اور آدھی فوج مثنیٰ کے پاس تھی۔ اس دوران میں دربارِ ایران کی طرف سے ایک بہت بڑی فوج حیرہ کی طرف بھیجی گئی۔ اس فوج کا سردار ہرمز تھا۔ "بابل" کے قریب عربی اور ایرانی فوجوں میں خونریز لڑائی ہوئی۔ لڑائی کا نتیجہ مسلمانوں کے حق میں رہا۔ مثنیٰ نے مدائن تک ایرانیوں کا تعاقب کیا اور پھر حیرہ واپس آ گئے۔[1]

یہاں آکر انہیں معلوم ہوا کہ ایرانی پھر بڑے زور شور سے مسلمانوں پر حملہ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ مثنیٰ نے، بشیر بن خصاصیہ کو اپنا قائم مقام کیا اور

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۷

خود ایرانی حملہ کی اہمیت سے خلیفۂ اسلام کو واقف کرنے کے لئے مدینہ روانہ ہو گئے۔

جس روز مثنیٰ بن حارثہ مدینہ پہنچے ہیں وہ حضرت صدیق اکبرؓ کی زندگی کا آخری دن تھا۔ تاہم حضرت صدیقؓ نے مثنیٰ کو بلا کر تمام حالات سُنے اور پھر حضرت عمر فاروقؓ کو بلا کر کہا:۔

"اے عمر مجھے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں اب دُنیا سے رخصت ہو رہا ہوں۔ اگر میں مر جاؤں تو تمہارا پہلا کام یہ ہے کہ مثنیٰ بن حارثہ کی امداد کے لئے مدینہ سے فوج روانہ کرو۔ دیکھو اس کام میں دیر نہ کرنا۔ یہ دین کی عزت و حرمت کا معاملہ ہے۔"

چنانچہ حضرت عمرؓ مسندِ خلافت پر بیٹھے تو سب سے پہلے عراق کے معاملہ کی طرف توجہ کی۔ بیعتِ خلافت کے سلسلہ میں دور دراز سے مسلمان آئے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کے سامنے ایک تقریر میں مہم عراق کی اہمیت بیان کی اور انہیں اس میں شامل ہونے کی ترغیب دی۔ مدائن جو ایران کا دارالسلطنت تھا خود عراق میں واقع تھا۔ اس لئے عراق کا فتح کرنا کوئی معمولی کام نہ تھا۔ عام طور پر مسلمانوں کا یہ خیال تھا کہ خالد بن ولیدؓ کی خدائی تلوار ہی ایرانیوں کا منہ پھیر سکتی ہے۔ اس خیال کی بنا پر مسلمان امرائے لشکر خاموش رہے اور کسی کو حضرت عمرؓ کی دعوت قبول کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

لیکن حضرت عمرؓ اس بات کے خلاف تھے کہ مسلمان کسی ایک شخصیّت کو خواہ وہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو مہماتِ دینی کا مدار سمجھیں۔ اس لئے وہ برابر تقریریں فرماتے رہے۔ آخر کار "بنی ثقیف" کے مشہور سردار، ابو عُبَید ثقفی جوش میں آکر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے مہم عراق کی ذمہ داری قبول کی۔ ابو عبید ثقفی کے بعد اور بھی بہت سے سرداروں نے اپنی اپنی خدمات پیش کیں۔ مگر چونکہ پہل ابو عبید ثقفی کی طرف سے ہوئی تھی اس لئے حضرت عمرؓ نے انہیں کو سپہ سالار مقرر کیا۔

حضرت عمرؓ نے مثنیٰ ابن حارثہ کو فوراً عراق کی طرف روانہ کر دیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ ابو عبید ثقفی کی آمد کا انتظار کریں۔ آپ نے مثنیٰ کی درخواست پر فتنہ ارتداد سے توبہ کرنیوالوں کو بھی شریکِ جہاد کرنے کی اجازت دیدی۔

## رستم کی سالاری :۔

مثنیٰ ابھی مدینہ ہی تھے کہ عراق کے حالات بڑی تیزی کے ساتھ بدل گئے۔ بات یہ ہوئی کہ ایرانیوں کی مسلسل شکستوں نے انہیں خوابِ غفلت سے چونکا دیا۔ تمام سرداروں اور امیروں نے آپس کے اختلافات دور کرکے قومی خطرہ کا متحدہ مقابلہ کرنے کی تدبیر سوچی۔ کافی غور و فکر کے بعد بوران دخت کو تخت نشین کیا گیا اور مشہور سردار رستم کو جو اپنی عقل و تدبیر اور جرأت و ہمت میں شہرۂ آفاق تھا اس کا نائب السلطنت اور سپہ سالار

اعظم مقرر کیا گیا۔ سب امیروں نے عہد کیا کہ وہ رستم کی اطاعت سے باہر نہ ہونگے۔

رستم نے پہلا کام یہ کیا کہ عراق کے دیہات میں ہر طرف ہرکارے دوڑا دیے۔ انہوں نے غیرتِ دینی اور حمیت قومی کا جوش دلا کر عراق کے چودھریوں کو بغاوت پر آمادہ کر دیا۔ اور مثنیٰ کے آنے سے پہلے پہلے فرات کے ساحلی علاقے مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔

رستم نے دوسرا یہ کام کیا کہ نرسی اور جاپان کی ماتحتی میں دو طاقتور فوجیں مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے روانہ کیں۔ نرسی کسریٰ کا خالہ زاد بھائی اور عراق کا جاگیردار تھا اور جاپان بھی عراق کا ایک بڑا تعلقہ دار تھا جاپان اپنی فوجیں لیکر "نمارق" پہنچا اور نرسی نے "کسکر" میں پڑاؤ ڈال دیا جب مثنیٰ عراق پہنچے تو انہیں ان حالات کا علم ہوا۔ لیکن حضرت عمرؓ کی ہدایت کے مطابق وہ ابو عبید کی آمد کی انتظار میں رُکے رہے۔

معرکۂ نمارق :۔

ایک مہینہ کے بعد ابو عبید ثقفی اپنی جمعیت کے ساتھ عراق پہنچ گئے اور کچھ دن سستا کر جاپان کے مقابلہ کے لئے بڑھے۔ نمارق پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ ایرانی جان توڑ کر لڑے لیکن آخرکار شکست کھائی اور بھاگ کھڑے ہوئے۔

خود جاپان کو جو سردار لشکر تھا ایک مسلمان سپاہی نے گرفتار کر لیا۔ یہ سپاہی جاپان کو پہچانتا نہ تھا۔ جاپان نے اس سے کہا "تم میرا کیا کرو گے میں ایک بوڑھا سپاہی ہوں۔ اگر تم مجھے چھوڑ دو تو میں تمہیں معقول معاوضہ دیدوں گا۔" مسلمان سپاہی نے منظور کر لیا۔ جاپان نے کہا اچھا اب اس معاملہ کی پختگی تمہارے سردار کے سامنے ہو جانی چاہیئے۔ مجھے اسکے پاس لے چلو۔ جاپان جب ابو عبیدؓ کے خیمہ میں لیجایا گیا تو وہاں پہچان لیا گیا۔ بعض مسلمانوں نے کہا کہ اس نے دھوکہ دیکر اپنی جان بچانے کی کوشش کی ہے۔ لہذا یہ معاملہ منسوخ قرار دیا جائے۔ مگر سردار لشکر ابو عبید ثقفیؓ نے کہا "یہ نہیں ہو سکتا۔ جب ایک مسلمان نے امان دیدی تو ساری قوم کو اس کا تسلیم کرنا ضروری ہے۔ اسلام میں وعدہ خلافی کیلئے کوئی گنجائش نہیں۔" چنانچہ جاپان کو چھوڑ دیا گیا۔[1]

معرکۂ کسکر:-

اس فتح کے بعد ابو عبید کسکر کی طرف روانہ ہوئے، جہاں نرسی چھاؤنی ڈالے پڑا تھا۔ جاپان کے بچے کھچے آدمی بھی، نرسی کی فوج میں جا شامل ہوئے تھے۔ مقام "سقاطیہ" میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ ایرانی بہادری کے ساتھ لڑے مگر شکست کھائی اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ ابو عبیدؓ

---

[1] محاضرات خضری ص۳

نے سقاطیہ میں قیام کیا اور چند دستے مختلف اطراف میں روانہ کئے تاکہ ایرانی سپاہیوں نے جہاں پناہ لی ہو انہیں وہاں سے نکالدیں۔

## اسلام کی مساوات:۔

اس فتح کا بہت اچھا اثر مرتب ہوا۔ آس پاس کے علاقوں کے رئیس اظہارِ اطاعت کیلئے ابو عبید رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اظہارِ خلوص کے لئے ابو عبیدؓ کے لئے عمدہ عمدہ کھانے بھی پکوا کر ساتھ لائے۔

ابو عبیدؓ نے پوچھا یہ کھانے ساری فوج کے لئے ہیں یا صرف میرے لئے؟ رئیس نے جواب دیا۔ جلدی میں ساری فوج کے لئے انتظام مشکل تھا یہ صرف آپ کے لئے ہیں۔ ابو عبیدؓ نے کہا۔ جو گروہ خون بہانے میں ابو عبیدؓ کا شریک ہو، کھانوں کا لطف اٹھانے میں وہ اس سے جدا نہیں ہو سکتا۔ ابو عبید وہی کھائیگا جو ایک معمولی سپاہی کھائے گا[1]

## معرکۂ مروحہ:۔

ان شکستوں کی خبر رستم کو پہنچی تو وہ تلملا اٹھا۔ ایک مشہور ایرانی سردار بہمن جادویہ کے ماتحت ایک اور زبردست فوج اس نے مقابلہ کیلئے روانہ کی۔ اس فوج کو حصولِ برکت کے لئے، درفش کا دیانی بھی عطا کیا گیا درفش کا دیانی ایران کا قدیم قومی جھنڈا تھا جو فریدوں کی یادگار چلا آتا تھا۔

---

[1] محاضرات صـ ۳۰۱

اور خاص خاص موقعوں پر تبرک کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔

ابو عبیدؓ کو جب بہمن کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ مقابلہ کے لئے نکلے مروحہ پر جو کوفہ کے محلِ وقوع کے قریب فرات کے کنارے پر ایک مقام ہے دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ دونوں کے درمیان دریائے فرات حائل تھا بہمن کا پیغام ابو عبیدؓ کے نام آیا کہ تم دریا کو پار کر کے ہماری طرف آؤ گے یا ہم تمہاری طرف آئیں؟" ابو عبیدؓ نے دوسرے سردارانِ فوج کی رائے کے خلاف بہادری کے جوش میں جواب دیا "ہم ہی آئیں گے!"

دریا پر کشتیوں کا پُل باندھا گیا اور مسلمان دریا پار کر کے بہمن کی فوج کے مقابل جا پہنچے۔ یہاں کا میدان ناہموار تھا اور اسلامی فوج کو ترتیب کے ساتھ کھڑا نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ادھر ایرانی فوج کے اگلے حصّہ میں کوہ پیکر ہاتھی پرا جمائے کھڑے تھے جن کے گلے کے گھنٹے زور زور سے بج رہے تھے۔

## ناعاقبت اندیشانہ جرأت

عربی گھوڑے ان کالے دیوؤں کو دیکھ کر بھڑک اُٹھے۔ ابو عبیدؓ نے جب یہ صورت دیکھی تو گھوڑے سے کود پڑے اور اپنے ساتھیوں کو للکار کر کہا "بہادرو پیدل ہو جاؤ اور ہودوں کی رسّیاں کاٹ کر سواروں کو نیچے گرا دو"۔ سردار کی آواز پر تمام سوار گھوڑوں سے اُتر آئے اور سیکڑوں فیل نشینوں کو نیچے گرا کر قتل کر دیا۔ مگر بڑی مصیبت یہ تھی کہ خود ہاتھی جدھر کو پل پڑتے تھے صفیں

کی صفیں اُلٹ دیتے تھے مسلمانوں نے نتیجہ سے بے پرواہ ہو کر ہاتھیوں سے گتھم گتھا شروع کر دی۔ ابوعبیدؓ نے "فیل سپید" پر جو ایک مست ہاتھی تھا حملہ کیا۔ اور اس کی سونڈ مستک سے علیحدہ کر دی۔ ہاتھی نے بڑھ کر انہیں پچھاڑ دیا اور سینہ پر پاؤں رکھ کر ہڈیاں چور چور کر دیں۔ ابوعبیدؓ کی شہادت پر ان کے بھائی حکم نے ہاتھی پر حملہ کیا اور وہ بھی شہید ہوئے اسی طرح یکے بعد دیگرے ان کے خاندان کے سات آدمی ہاتھی پر حملہ کر کے شہید ہوئے۔

اب اسلامی فوج میں مایوسی اور بد دلی پھیلنے لگی۔ بنی ثقیف کے ایک نوجوان نے اس خیال سے کہ فوج میں بھاگڑ نہ پڑ جائے دریا کا پُل کاٹ دیا اب جو مسلمان پیچھے کو ہٹتے ہوئے دریا پر پہنچے تو پُل ندارد تھا۔ بدحواسی کے عالم میں دریا میں گرے اور غرق ہو گئے۔

مثنیٰ نے جو اب سالارِ فوج تھے یہ حالت دیکھی تو نئے سرے سے پُل بندھوانے کا انتظام کیا اور جب تک پُل بند ہے اپنے ساتھیوں کے ساتھ دشمن کے سامنے سدِ سکندری بن کر کھڑے ہو گئے۔ پھر بھی جب حساب لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ نو ہزار میں سے صرف تین ہزار مسلمان باقی بچے۔

یہ واقعہ شعبان ۱۳ھ کا ہے۔ اس واقعہ کو واقعہ جسر کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں[1]۔

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۲۸

## معرکۂ بویب :-

اس شکست کی خبر جب حضرت عمرؓ کو پہنچی تو آپ کو بڑا رنج ہوا۔ مثنیٰ کے پاس اب بہت تھوڑی فوج رہ گئی تھی۔ حضرت عمرؓ نے عرب کے مختلف قبیلوں کے سرداروں کی ماتحتی میں ان کے پاس امدادی دستے روانہ کیئے۔ ان سرداروں میں بنی بجیلہ کے مشہور سردار جریر بن عبداللہ بجلی بھی شامل تھے۔

رستم نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے مہران بن مہرویہ کو انتخاب کیا۔ یہ سردار عرب میں رہ چکا تھا اور عربوں کے طریقہ جنگ سے خوب واقف تھا۔ مہران کی فوج میں بارہ ہزار سپاہی فوج خاصہ کے بھی شامل تھے جو دربار کی طرف سے خاص طور پر بھیجے گئے تھے۔ کوفہ کے قریب مقام "بویب" پر دونوں فوجیں خیمہ زن ہوئیں۔ دونوں فوجوں کے درمیان دریائے فرات حائل تھا۔ مہران نے مثنیٰ سے پوچھا "کہ ہم دریا کو پار کر کے آئیں یا تم آؤ گے"۔ مثنیٰ کو "واقعہ جسر" کی غلطی یاد تھی۔ انہوں نے کہلا بھیجا کہ "تم ہی آؤ"۔

ایرانی نہر کو پار کر کے بڑے کروفر کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ پر آئے۔ مسلمانوں نے بھی خالدیہ طریقہ کے مطابق صف آرائی کی۔

### "تغلب کا نوجوان":۔

اسلامی فوج میں قاعدہ تھا کہ سپہ سالار تین دفعہ اللہ اکبر کہتا تھا۔ پہلی تکبیر پر فوج ہتھیار سنبھال لیتی تھی، دوسری تکبیر پر ہتھیار تول لیتی تھی اور تیسری تکبیر پر حملہ کر دیتی تھی۔ مثنیٰ نے دیکھا کہ کچھ لوگ دوسری ہی تکبیر پر صف سے آگے نکلے جا رہے ہیں۔ برہم ہو کر پوچھا "یہ کون لوگ ہیں؟" جواب ملا "یہ وہ لوگ ہیں جو پچھلے معرکہ میں ثابت قدم نہ رہ سکے تھے۔ آج شہید ہو کر اپنے گناہ کا کفارہ ادا کرنا چاہتے ہیں"۔ مثنیٰ نے کہا "بھائیو! فضول اپنی جان نہ دو۔ جب حریف سے مقابلہ ہو تو اپنے دل کے حوصلے نکالو"[1]

آخر لڑائی شروع ہوئی۔ یہ لڑائی سخت ہولناک تھی کیونکہ غنیم کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ لیکن مسلمان جم کر لڑے اور ایرانی فوج کے "قلب" کو بالکل برباد کر دیا۔ قبیلہ تغلب کے ایک نوجوان نے مہران کو دیکھ لیا۔ تلوار سے اس پر حملہ کیا اور اس کی گردن سر سے جدا کر دی اور پھر چیخ کر کہا "میں ہوں تغلب کا نوجوان سالار عجم کا قاتل"۔

مہران کے قتل ہوتے ہی ایرانی فوج میں ابتری پھیل گئی۔ سپاہی بے تحاشا دریا کی طرف بھاگے۔ مثنیٰ نے آگے بڑھ کر دریا کا پل کاٹ دیا اور بے شمار ایرانیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ اس لڑائی میں ایک لاکھ ایرانی قتل ہوئے اور ایرانیوں کے دلوں میں عربوں کا

---

[1] محاضرات جلد ۱ صفحہ ۳۰۳

رعب بیٹھ گیا۔ اس لڑائی میں کئی عرب عیسائی قبیلے بھی بڑی بہادری کے ساتھ مسلمانوں کے دوش بدوش لڑے۔

اس لڑائی سے فارغ ہوکر مثنیٰ نے مختلف اطراف میں فوجی دستے بھیجے۔ ان دستوں نے تمام عراق فتح کرلیا اور فرات کے مغرب میں ایرانیوں کا تسلّط باقی نہیں رہا۔

## یزدگرد کی تخت نشینی:۔

مسلمانوں کی ان فتوحات کی خبریں مدائن پہنچیں تو ارکانِ سلطنت بہت پریشان ہوئے۔ سب نے جمع ہوکر مشورہ کیا کہ عورت کو تخت سے اُتار کر کسی مرد کو بٹھانا چاہیئے اور رستم و فیروز کے اختلافات دور ہونے چاہئیں چنانچہ بڑی تلاش کے بعد شہریار بن کسریٰ کی اولاد میں سے ایک شہزادہ کو جس کا نام یزدگرد تھا تخت نشین کیا گیا۔ اور رستم و فیروز نے عہد کیا کہ اب ہم یک دل ہوکر دشمن کا مقابلہ کرینگے اور اپنے تمام اختلافات کو بُھلا دینگے۔

یزدگرد اکیس سال کا ایک پُرجوش نوجوان تھا۔ اس نے اپنی فوجیں نئے سرے سے ترتیب دیں۔ سرحدی چوکیوں اور قلعوں کو مضبوط کیا۔ اس طرح ایرانی سلطنت میں نئی جان پڑ گئی اور عراق کے مفتوحہ علاقے پھر مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔

یہ خبریں حضرت عمرؓ کو پہنچیں تو انہوں نے مثنیٰ کو حکم بھیجا کہ ہر طرف سے

سمٹ کر عرب کی سرحد کی طرف چلے آؤ۔ چنانچہ مثنیٰ مقام ذی قار میں آکر ٹھہر گئے۔

## جنگ قادسیہ :۔

حضرت عمرؓ نے بڑے اہتمام کے ساتھ ایرانیوں کے مقابلہ کی تیاریاں شروع کیں۔ عرب کے عاملوں کو حکم بھیجے کہ جہاں کہیں کوئی بہادر سردار، ہوشمند مدبر، سحر بیاں شاعر اور خطیب ہو دربارِ خلافت میں حاضر ہو۔ حضرت عمرؓ کا حکم پاتے ہی، لوگ جوق در جوق، دارالخلافہ کی طرف روانہ ہو پڑے اور مدینہ کے چاروں طرف فوجوں کا جنگل نظر آنے لگا۔

حضرت عمرؓ نے طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوفؓ وغیرہ اکابر صحابہ کو فوج کے مختلف حصوں کا سردار مقرر کیا اور خود سپہ سالار بنکر مدینہ سے نکلے۔

مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک مقام ہے صرار۔ وہاں پہنچ کر آپ نے قیام کیا اور اپنے جانے یا نہ جانے کے متعلق رائے لی۔ عام لوگوں کی خواہش تھی کہ حضرت عمرؓ خود تشریف لے چلیں، مگر اہل الرائے صحابہ کو اس سے اختلاف تھا۔ انہوں نے عرض کیا "یا امیرالمؤمنین لڑائی میں فتح بھی ہوسکتی ہے اور شکست بھی۔ آپ کے ہوتے اگر فوج کو شکست ہوگئی تو پھر اسلام کے اقتدار کا خاتمہ ہی سمجھئے"۔ حضرت عمرؓ نے اکابر صحابہ کی رائے سے اتفاق کیا اور انہی کے مشورہ سے، سعد بن ابی وقاص کو جو رسول اکرم صلعم کے ماموں تھے اپنی جگہ فوج کا سپہ سالار مقرر کیا، اور خود واپس مدینہ تشریف

لے گئے۔[1]

سعد ابن ابی وقاصؓ اس عظیم الشان اسلامی فوج کو لیکر "زرود"[2] پہنچے اور حضرت عمرؓ کے حکم کے مطابق وہاں قیام کیا۔ یہاں انہیں خبر ملی کہ مثنیٰ جو مقام ذی قار میں ان کے انتظار میں مقیم تھے انتقال فرما گئے۔ مثنیٰ معرکہ مروحہ میں بُری طرح زخمی ہوئے تھے۔ ان کے زخم روز بروز بگڑتے ہی گئے اور آخرکار راہی ملکِ بقا ہوئے۔

سعد بن وقاصؓ زرود سے چلکر شراف پہنچے اور قیام کیا۔ یہاں مثنیٰ کے بھائی معنی اپنی آٹھ ہزار فوج کے ساتھ ان سے آملے۔ اور مثنیٰ نے انتقال سے پہلے لڑائی کے متعلق جو مشورے دیئے تھے وہ ان سے بیان کئے۔

یہیں سعدؓ کے پاس حضرت عمرؓ کا فرمان آیا جس میں فوج کی ترتیب و تنظیم کے متعلق مفصّل ہدایات درج تھیں۔ ان ہدایات کے مطابق پہلے سعدؓ نے تمام فوج کا شمار کرایا۔ کل فوج تیس ہزار تھی۔ پھر اسے میمنہ، میسرہ، قلب، ساقہ، طلیعہ اور مجرد پر تقسیم کیا[3] اور ہر حصہ کے علیحدہ علیحدہ افسر مقرر کئے اس فوج کی اہمیّت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ اس کے امراء میں

---

[1] محاضرات خضری ص ۳۰۶ [2] یہ مقام کوفہ کے قریب واقع ہے۔

[3] میمنہ فوج کا دایاں حصہ، میسرہ بایاں حصہ، قلب درمیانی حصہ، ساقہ پچھلا حصہ، طلیعہ گشتی دستہ اور مجرد بیقاعدہ دستہ کہلاتا ہے۔

ستر وہ صحابہ تھے جو غزوۂ بدر میں شریک تھے۔ تین سو [illegible] جو بیعۃ الرضوان میں موجود تھے اور تین سو وہ جو فتح مکہ میں شامل تھے۔

سعد بن وقاصؓ ابھی شراف ہی میں تھے کہ حضرت عمرؓ کا دوسرا فرمان آیا جس میں لکھا تھا کہ "قادسیہ میں جاکر پڑاؤ ڈالو اور اس طرح مورچے قائم کرو کہ سامنے عجم کی زمین ہو اور پشت پر عرب کے پہاڑ۔ تاکہ اگر فتح نصیب ہو تو آگے بڑھ سکو اور اگر شکست ہو جائے تو پہاڑوں میں پناہ لیلو"۔ مثنیٰ نے بھی اپنی وصیت میں یہی مشورہ دیا تھا۔

سعدؓ شراف سے روانہ ہو کر قادسیہ پہنچے۔ قادسیہ کوفہ کے راستہ میں ۴۵ میل ادھر ایک سرسبز و شاداب مقام تھا۔ حضرت عمرؓ کے پاس سے برابر ہدایات کا سلسلہ جاری تھا۔ یہاں پہنچکر پھر فرمان آیا کہ قادسیہ اور اسکے قرب و جوار کا مکمل نقشہ بنا کر بھیجو اور یہ بھی معلوم کر کے لکھو کہ ایرانیوں کی طرف سے کون سردار مقابلہ کیلئے مامور ہوا ہے اور اس نے کہاں مقام کیا ہے؟ سعدؓ نے قادسیہ کا مکمل نقشہ بنا کر حضرت عمرؓ کے پاس بھیجا اور لکھ بھیجا کہ ایرانی سپہ سالار رستم خود مقابلہ کے لئے آرہا ہے اور مدائن سے چل کر ساباط میں ٹھہر گیا ہے۔

### دربارِ ایران میں اسلامی سفارت:۔

دربارِ خلافت سے فرمان آیا کہ لڑائی سے پہلے کسریٰ کے دربار میں

چند معزز و فہیم مسلمانوں کو سفیر بنا کر بھیجو اور اسلامی قاعدہ کے مطابق پہلے شرائط صلح پیش کرو۔ سعدؓ نے چودہ سردارانِ قبائل کو انتخاب کر کے مدائن میں شہنشاہ ایران کے دربار میں بھیجا۔ شہنشاہ ایران نے اسلامی سفارت کی آمد کی خبر سن کر اپنا دربار بڑی شان سے سجایا تھا۔ یہ سفیر یمنی چادریں کاندھوں پر ڈالے ہوئے۔ چمڑے کے موزے پاؤں میں پہنے ہوئے اور کوڑے ہاتھ میں لئے ہوئے اس بیباکانہ انداز سے دربار میں داخل ہوئے کہ درباری سہم گئے اور شہنشاہ ان کی جرأت پر حیران رہ گیا۔

غرض ترجمانؒ کے ذریعہ سے گفتگو شروع ہوئی۔ یزدگرد نے پوچھا "یہ بتاؤ تم ہمارے ملک میں کیوں آئے ہو؟" نعمان بن مُقرِن جو رئیس وفد تھے آگے بڑھے اور حسبِ ذیل تقریر کی۔

آپ نے کہا "اے بادشاہ کچھ عرصہ پہلے ہم وحشی تھے، ہم جاہل تھے۔ لیکن خدا نے ہم پر بڑا فضل فرمایا کہ ہماری ہدایت کے لئے ایک برگزیدہ رسول بھیجا۔ خدا کے اس مقدّس رسول نے ہم کو راہِ حق دکھائی اس نے نیکی کی طرف بُلایا اور بدی سے بچایا اور وعدہ کیا کہ اگر ہم اسکی دعوت کو قبول کرلیں تو دُنیا اور آخرت کی کامیابی ہمارے قدم چوم لیگی۔

ہم نے اسکی دعوت کو قبول کرلیا تو اس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اس دعوت کو ان قوموں تک پہنچائیں جو ہمارے پڑوس میں آباد ہیں اور انہیں بتائیں کہ

یہی دعوت جسے اسلام کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے تمام خوبیوں کی بنیاد ہے اور یہ حق کو حق اور باطل کو باطل کی صورت میں پیش کرتی ہے۔

لہذا اے عمائدِ ایران ہم تمہیں اسی مقدس دین کی طرف بُلاتے ہیں اگر تم یہ بُلاوا قبول کرتے ہو تو کیا کہنے ہمیں تم سے تعرض کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہم کتاب اللہ تمہارے حوالہ کر دینگے۔ وہی تمہاری رہنما ہوگی اور اسکے احکام کی پیروی تمہارا فرض ہوگا۔ لیکن اگر تمہیں اس دعوت کے قبول کرنے سے انکار ہے تو پھر تمہیں جزیہ ادا کرکے ہمارے اقتدار کو قبول کرنا پڑے گا اور وعدہ کرنا ہوگا کہ تمہاری سلطنت میں ظلم نہ ہوگا اور بدکاری سر نہ اٹھائے گی۔ اور اگر تمہیں یہ بھی منظور نہیں تو پھر تلوار تمہارے اور ہمارے درمیان فیصلہ کرے گی"۔

یزدگرد تعجب کے ساتھ یہ تقریر سُنتا رہا اور جب تقریر ختم ہوئی تو ارکانِ وفد کو خطاب کرکے کہا:۔

"اے قوم عرب! ساری دُنیا میں تم سے زیادہ بدبخت اور بدحال کوئی دوسری قوم نہ تھی۔ جب ہم ایک اونٹ ذبح کرکے تم فاقہ مستوں کی مہمانی کر دیا کرتے تھے تو تم خوش ہو جاتے تھے اور تمہارا سارا شور و شر ٹھنڈا پڑ جاتا تھا اور جب تم کچھ ہاتھ پاؤں نکالتے تھے تو ہم سرحد کے سرداروں کو لکھ بھیجتے تھے وہ تمہیں ٹھیک کر دیتے تھے۔ دیکھو میں تم کو مشورہ دیتا ہوں کہ ملک گیری کے اس خبط کو اپنے دماغ سے نکال دو۔ ہاں اگر ضروریاتِ زندگی نے

تمہیں اس اقدام پر مجبور کیا ہے تو ہمیں بتاؤ۔ ہم تمہارے کھانے پینے کا بندوبست کر دینگے۔ تمہارے لئے لباس کا بھی انتظام کر دینگے اور کوئی ایسا بادشاہ تمہارے لئے مقرر کر دینگے جو تم سے نرم برتاؤ کریگا۔

یزدگرد کی تقریر کا جواب دینے کے لئے حضرت مغیرہ بن زرارہ آگے بڑھے۔ آپ نے فرمایا:۔

"اے بادشاہ بیشک ہم ایسے ہی بدبخت و بدحال تھے جیسا کہ تو نے بیان کیا بلکہ اس سے بھی زیادہ ہم مردار جانور کھاتے تھے اون اور چمڑا ہمارا لباس تھا اور زمین ہمارا بستر۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ جب ہم میں خدا کا وہ برگزیدہ رسول مبعوث ہوا جو حسب نسب میں سب سے افضل تھا، شان و شوکت میں سب سے اعلیٰ تھا اور اخلاقِ حسنہ میں بے نظیر، تو اس نے ہماری کایا پلٹ دی۔ اس کی معجزانہ تعلیم سے ہم ساری دنیا کے رہنما بن گئے اور آج یہ حالت ہے کہ تم جیسے مغرور بادشاہ بھی ہماری عظمت و شوکت سے تھراتے ہیں۔

اے بادشاہ اب زیادہ حیل و حجت فضول ہے۔ یا تو اس برگزیدہ رسول کی دعوت کو قبول کر اور اس سعادتِ کبریٰ کے آگے سر جھکا دے، ورنہ جزیہ ادا کرنا منظور کر، اور اگر یہ دونوں باتیں منظور نہیں تو پھر تلوار کے فیصلہ کا انتظار کر۔

بادشاہ مغیرہ کی اس تقریر سے بہت برہم ہوا اور جوش میں آکر کہا:۔

اگر سفراء کا قتل بین الاقوامی آداب کے خلاف نہ ہوتا تو تمہیں قتل کرا دیتا خیر جاؤ میں تمہارے مقابلہ کے لئے رستم کو بھیجتا ہوں وہ تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو قادسیہ کی خندق میں دفن کر دیگا۔ پھر اس نے مٹی کا ایک ٹوکرا منگوایا اور سفراء سے پوچھا تم میں سب سے زیادہ معزز کون ہے؟ عاصم بن عمر نے کہا میں۔ یزدگرد نے حکم دیا کہ یہ ٹوکرا اس شخص کے سر پر رکھ دیا جائے۔ عاصم اپنے ساتھیوں کے ساتھ گھوڑا دوڑاتے ہوئے سعد بن وقاص کے پاس آئے اور کہا "فتح مبارک ہو دشمن نے خود اپنی زمین ہمارے حوالے کر دی"۔

رستم جو "ساباط" میں چھاؤنی ڈالے پڑا تھا ایک لاکھ بیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ آگے بڑھا اور قادسیہ پہنچکر خیمہ زن ہوا۔ وہ مسلمانوں سے اس قدر مرعوب ہو چکا تھا کہ لڑنا نہیں چاہتا تھا مگر دربار ایران سے برابر لڑائی کے احکام آ رہے تھے۔ پھر بھی وہ کئی مہینے ٹال مٹول سے کام لیتا رہا۔ اور اس دوران میں فریقین کے سفراء ایک دوسرے کی فرودگاہ میں آتے رہے۔

آخری مرتبہ مغیرہ بن شعبہ سفیر بنکر رستم کی فرودگاہ میں گئے۔ رستم نے اسلامی سفیر کو مرعوب کرنے کے لئے بڑی سج دھج سے اپنا خیمہ سجایا۔ حریر و دیبا کے بیش قیمت فرش زمین پر بچھائے گئے۔ اور زرنگار پردے دیواروں پر لٹکائے گئے۔ بیچ دربار میں ایک سونے کے تخت پر جواہرات کا

تاج سر پر رکھے رستم بڑی شان سے بیٹھا تھا۔ اِدھر اُدھر درباری سونے کے مرصع تاج اوڑھے اپنے اپنے مرتبہ کے مطابق بیٹھے تھے۔ خدام اور پہرہ دار دورویہ پرے جمائے ادب کے ساتھ کھڑے تھے۔

مغیرہ گھوڑے سے اُتر کر، سیدھے تخت کی طرف بڑھے اور بے باکانہ رستم کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گئے۔ مغیرہ کی اس جرأت پر تمام دربار حیران رہ گیا۔ پہرہ دار آگے بڑھے اور مغیرہ کو تخت سے اُتار دیا۔

مغیرہ نے کہا :۔

"اے سرداران ایران! ہم تو تم کو عقلمند سمجھتے تھے لیکن تم تو بڑے بیوقوف نکلے۔ ہم مسلمان بندوں کو خدا نہیں بناتے اور کمزور انسانوں پر طاقتور لوگوں کی آقائی کے قائل نہیں۔ ہمارا خیال تھا کہ تمہارے ہاں بھی یہی دستور ہوگا۔ بہتر یہ تھا کہ تم ہمیں پہلے ہی بتا دیتے کہ تمہارے ہاں کمزور طاقتور کی پوجا کرتے ہیں اور انہیں دیوتا بنا کر اونچی جگہ بٹھاتے ہیں۔ انسانی مساوات کا اصول تمہیں تسلیم نہیں۔ اگر یہ بات مجھے پہلے معلوم ہو جاتی تو میں ہرگز تمہارے دربار میں نہ آتا۔ خیر اب تو میں آگیا لیکن تمہیں بتائے دیتا ہوں کہ سلطنت قائم رہنے کے یہ ڈھنگ نہیں۔ زیردستوں کی بیقراری تمہارے اقتدار کی بساط اُلٹ دے گی۔"

مغیرہ کی زبان سے یہ الفاظ سُن کر دربار میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں نیچے طبقے کے لوگوں نے کہا "خدا کی قسم اس عربی نے بات تو سچی کہی۔" سردار

بولے "اس شخص نے ہماری رعایا کو ہم سے بغاوت پر آمادہ کر دیا ہے۔ جو لوگ اس قوم کو حقیر سمجھتے ہیں وہ بڑے بیوقوف ہیں"[1]

## آغازِ جنگ :-

اس گفتگو کے بعد پیام و سلام کا سلسلہ ختم ہو گیا محرم ۱۴ھ میں دونوں فوجیں آمنے سامنے صف آرا ہوئیں۔ ایرانی فوجیں بڑی شان سے تیرہ صفوں میں کھڑی تھیں۔ قلب۔ میمنہ اور میسرہ کے پیچھے ہاتھیوں کے پرے جمائے گئے تھے۔ خبر رسانی کے لئے قادسیہ سے مدائن تک کچھ کچھ فاصلہ پر قاصد بٹھا دئے گئے تھے۔ اس طرح دم دم کی خبریں دربار شاہی میں پہنچتی رہتی تھیں۔ اسلامی فوجیں بھی جنگی ترتیب کے ساتھ کھڑی کی گئی تھیں۔ سعد بن وقاصؓ عرق النسا کی شکایت کے سبب خود میدانِ جنگ میں نہ تھے میدانِ جنگ کے قریب ایک قدیم محل تھا وہ اس کی چھت پر بیٹھے ہوئے ہدایات دے رہے تھے۔ خالد بن عرفطہ ان کی ہدایات کے مطابق فوج کی کمان کر رہے تھے۔ اسلامی فوج کے پیچھے خندق تھی اور ایرانی فوج کے پیچھے نہر عتیق، اور میدانِ جنگ درمیان میں تھا۔

## یوم ارماث :-

نمازِ ظہر سے فارغ ہو کر سپہ سالارِ افواجِ اسلامی سعد بنِ ابی وقاصؓ نے

---

[1] محاضرات صفحہ ۳۱۴

تین تکبیریں کہیں۔ دونوں طرف سے نبرد آزما بہادر مبارزت کے لئے نکلے اور رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے دادِ شجاعت دینے لگے۔ چوتھی تکبیر پر قاعدہ کے مطابق عام جنگ شروع ہوگئی۔ بنی بجیلہ کا رسالہ ہاتھیوں کی زد میں آگیا۔ ان کے گھوڑے ہاتھیوں کی صورت دیکھ کر بدکنے لگے۔ مسلمانوں کے لئے یہ کالی بلا سب سے بڑی مصیبت تھی۔ سعد بن وقاصؓ نے بنی اسد کو حکم دیا کہ بنی بجیلہ کی مدد کریں۔ بنی اسد برچھیاں لیکر ہاتھیوں پر پل پڑے۔ ایرانیوں نے بجیلہ کو چھوڑ کر بنی اسد پر سارا زور صرف کر دیا۔ سعد بن وقاصؓ نے بنی تمیم سے کہا کہ تم ہی ہاتھیوں کی کچھ تدبیر کرو۔ بنی تمیم نے اس قدر تیر برسائے کہ تمام فیل نشین زمین پر آرہے۔ لڑائی کچھ رات گئے تک جاری رہی بنی اسد کے تقریباً پانسو جوان ہاتھیوں کے ریلے میں روندے گئے۔ اس دن ایرانیوں کا پلہ بھاری رہا۔ یہ دن "یوم الارماث" کہلاتا ہے۔

## یوم اغواث:۔

دوسرے دن پہلے شہیدوں کو دفن کرایا گیا اور زخمیوں کو مرہم پٹی کیلئے عورتوں کے حوالہ کیا گیا۔ لڑائی ابھی شروع نہیں ہوئی تھی کہ ملک شام سے امدادی فوج آگئی۔ یہ فوج حضرت عمرؓ کے حسب حکم ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے بھیجی تھی۔ اس کی تعداد چھ ہزار تھی اور سپہ سالار ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص تھے۔ یہ فوج اس تدبیر سے آئی کہ جب ایک دستہ پہنچ جاتا تھا تب دوسرا

نمودار ہوتا تھا۔ یوں تمام دن فوجوں کا تانتا بندھا رہا اور ایرانیوں پر رعب چھا گیا۔

"شام" کی فوجوں نے ایک اور تدبیر یہ کی کہ اپنے اونٹوں پر جھولیں ڈال کر انہیں مہیب شکل کا بنا دیا۔ ان اونٹوں نے ایرانی فوج میں وہی مصیبت برپا کی جو ہاتھیوں نے اسلامی فوج میں کی تھی۔

اس دن لڑائی آدھی رات تک ہوتی رہی۔ قعقاع نے جو امدادی فوج کے ایک دستہ کے سردار تھے، مشہور ایرانی سردار بہمن کو قتل کر دیا۔ اس کے علاوہ سیستان کا شہزادہ شہر براز' اور بزرجمہر ہمدانی بھی قتل ہو گئے۔ اس دن مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا۔ اسے "یوم اغواث" کہتے ہیں۔

**ابو محجن ثقفی:۔**

یوم اغواث کا ایک واقعہ قابلِ ذکر ہے۔ ابو محجن ثقفی ایک مشہور شاعر اور بہادر تھے۔ انہیں شراب نوشی کے جرم میں سعد بن وقاصؓ نے قید کر دیا تھا۔ یہ قید خانہ کی کھڑکی سے لڑائی کا منظر دیکھ رہے تھے اور جوشِ شجاعت سے بیتاب ہو رہے تھے۔ سعد کی بیوی زہراء ادھر سے گزریں تو کہنے لگے خدا کے لئے مجھے چھوڑ دو۔ میں بھی دشمنوں سے دو دو ہاتھ کر کے اپنی حسرت نکال لوں۔ زندہ بچا تو خود آ کر بیڑیاں پہن لونگا۔ زہراء نے انکار کر دیا تو پُر درد لہجہ میں یہ شعر پڑھنے لگے ؎

كفى حزنا ان تردى الخيل بالقنا — میرے لئے یہ غم کافی ہے کہ سوار نیزے چلائیں

واترك مشدودا على وثاقيا — اور میں زنجیروں میں بندھا ہوا چھوڑ دیا جاؤں

اذا قمت عنانی الحدید واغلقت — جب میں کھڑا ہوتا ہوں تو زنجیر مجھے اٹھنے

مصاريع من دونی تصم المناديا — نہیں دیتی اور دروازے بند کر دیے

جاتے ہیں کہ پکارنے والا پکارتے پکارتے تھک جائے۔

زبراء کو ترس آیا اور بیڑوں کی بیڑیاں کاٹ دیں۔

ابو محجن آزاد ہوتے ہی بجلی کی طرح میدانِ جنگ میں پہنچے اور اس شان سے حملہ آور ہوئے کہ جدھر نکل جاتے تھے، صفیں کی صفیں درہم و برہم کر دیتے تھے۔ سعد بن وقاص بھی حیران تھے کہ یہ کون بہادر ہے۔ دل میں کہتے تھے کہ حملہ کا انداز تو ابو محجن کا سا ہے مگر وہ تو قید خانہ میں قید ہے شام کو جب لڑائی ختم ہوئی اور ابو محجن نے واپس آکر بیڑیاں پہن لیں تو سلمٰی نے سارا واقعہ سعد سے بیان کیا۔ سعد نے اسی وقت انہیں رہا کر دیا۔ اور کہنے لگے "خدا کی قسم جو شخص یوں مسلمانوں پر نثار ہو میں اسے قید نہیں دے سکتا" ابو محجن بولے "تو خدا کی قسم میں بھی آج سے شراب کو ہاتھ نہیں لگا سکتا"[۵]

یوم عماس :-

تیسرے دن پہلے شہداء کو دفن کیا گیا اور زخمیوں کو مرہم پٹی کیلئے

---

[۵] البدایہ والنہایہ ج ۷، ص ۴۴

عورتوں کے حوالہ کیا گیا اور پھر لڑائی شروع ہوئی۔ اس دن بھی ہاتھیوں کی مصیبت سامنے تھی۔ سعد نے دو نو مسلم ایرانیوں کو بلا کر پوچھا کہ اس مصیبت کا کیا علاج ہے؟ انہوں نے کہا ان کی آنکھیں اور سونڈ بیکار کردی جائیں سعد نے قعقاع اور ان کے ساتھیوں کو بلا کر کہا یہ کام تم انجام دو۔ دو ہاتھی ابیض اور اجرب تمام ہاتھیوں کے سردار تھے۔ قعقاع اور عاصم نے ایک ساتھ نیزوں سے ابیض کی آنکھوں کا نشانہ کیا۔ ہاتھی جھرجھری لے کر پیچھے ہٹا تو قعقاع نے تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ سونڈ مستک سے علیحدہ ہوگئی ربیل اور حمال نے اجرب پر حملہ کیا۔ وہ زخم کھا کر نہر کی طرف بھاگا۔ دوسرے ہاتھی بھی سب اسکے پیچھے ہو لئے۔ ہاتھیوں کی اس بھاگڑ سے ایرانیوں کی صفیں درہم و برہم ہوگئیں۔ رات بھر لڑائی جاری رہی۔ بجز گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور تلواروں کی کھٹاکھٹ کے کوئی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ اس دن کو یوم "عماس" کہتے ہیں اور اس رات کو لیلۃ الہریر۔

**خاتمہ جنگ:۔**

صبح ہوگئی اور لڑائی کا فیصلہ نہ ہوا تو قعقاع، قیس، اشعث، عمرو معدیکرب ابن ذی البردین وغیرہ سرداران قبائل نے اپنے ساتھیوں کو للکار کر کہا "بھائیو جم کر ایک حملہ اور کرو، فتح تمہاری ہی ہے"۔ اس آواز پر مسلمان گھوڑوں سے کود پڑے اور تلواریں کھینچ کر دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ قیس، اشعث،

عمرو معدی کرب وغیرہ سرداروں نے خوب بہادری کے جوہر دکھائے
ابھی دوپہر نہ ڈھلی تھی کہ ایرانی فوج کے دونوں بازو ٹوٹ گئے اور مسلمانوں نے
قلب پر حملہ کیا۔ چند مسلمان بہادر ایرانی سپہ سالار رستم کی طرف بڑھے۔ رستم
تخت پر بیٹھا اپنی فوج کو لڑا رہا تھا۔ اس نے یہ حالت دیکھی تو تخت سے
کود پڑا اور دیر تک مردانہ وار لڑتا رہا۔ جب زخموں سے چور چور ہو گیا تو
بھاگ نکلا۔ ایک مسلمان سپاہی ہلال بن علقمہ نے اس کا پیچھا کیا اور قتل کر دیا
پھر اسکے تخت پر چڑھ کر پکار اٹھا " رب کعبہ کی قسم! میں نے رستم کو
قتل کر دیا ہے "

رستم کے قتل ہوتے ہی ایرانی فوج میں بھاگڑ پڑ گئی۔ مسلمانوں نے
بھاگتے ہوئے ایرانیوں کا پیچھا کر کے ہزاروں کو تہ تیغ کر دیا اور درفش کاویانی
پر قبضہ کر لیا۔ قادسیہ کا معرکہ ایرانی معرکوں میں اہم ترین معرکہ سمجھا جاتا ہے
اس لڑائی میں تیس ہزار ایرانی قتل ہوئے اور آٹھ ہزار مسلمان شہید[1]

## خلیفہ قاصد کی رکاب میں :۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قادسیہ کی لڑائی کا بڑا فکر تھا۔ ہر روز علی الصباح
مدینہ کے باہر نکل کر آ بیٹھتے اور قاصد کی راہ دیکھتے۔ ایک دن حسب معمول
منتظر بیٹھے تھے کہ ایک شتر سوار نمودار ہوا۔ حضرت عمر نے پوچھا کہاں سے

---

[1] محاضرات خضری ص ۳۱۶

آرہے ہو؟ اس نے جواب دیا قادسیہ سے۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ "اے بندۂ خدا کچھ مجھے بھی تو بتاؤ وہاں کیا ہوا؟" قاصد نے کہا۔ "اللہ نے دشمن کو شکست دی"۔ قاصد شہر کی طرف دوڑتا چلا جارہا تھا۔ حضرت عمرؓ پیچھے پیچھے دوڑتے آرہے تھے اور اس سے فتح کے حالات پوچھتے جارہے تھے۔ جب دونوں شہر میں داخل ہوئے تو لوگوں نے حضرت عمرؓ کو امیر المومنین کے لقب سے مخاطب کرکے سلام کرنے شروع کئے۔ اب قاصد کو معلوم ہوا کہ رکاب کے ساتھ دوڑنے والے خود خلیفۃ المسلمین ہیں۔ خوف کے مارے کانپ اٹھا اور کہنے لگا "یا حضرت! آپ نے مجھے پہلے سے اپنا نام کیوں نہ بتا دیا؟ آپ نے بے پروائی کے ساتھ جواب دیا "کچھ حرج نہیں۔ تم حالات سنائے جاؤ"۔ غرض اسی طرح گھر آئے۔ پھر ایک عام جلسہ کرکے سعد بن وقاص کا بشارت نامہ سنایا۔[۱]

امن عام:۔

کچھ عرصہ بعد، حضرت عمرؓ کے پاس سعد کا دوسرا خط آیا جس میں لکھا تھا کہ قادسیہ کے معرکہ میں جو لوگ لڑے تھے ان میں کچھ ایسے ہیں جو کہتے ہیں انہیں زبردستی لڑائی میں شریک کیا گیا تھا، اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو لڑائی کے زمانہ میں اپنا گھر بار چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ اب وہ واپس آئے ہیں اور

---

[۱] اتمام الوفاء صفحہ ۸۶

سے امن چاہتے ہیں۔ ان لوگوں کے متعلق کیا حکم ہے؟ حضرت عمرؓ نے اکابر صحابہؓ کو بلا کر رائے لی اور سارے ملک کو امن عام دینے کا حکم دیدیا گیا۔

**پیش قدمی :۔**

سعد بن ابی وقاص فتح کے بعد دو مہینے تک قادسیہ ٹھہرے جب ان کی فوجیں تازہ دم ہوگئیں تو دربارِ خلافت کے حکم کے مطابق مدائن کی فتح کے ارادہ سے آگے بڑھے۔ زہرہ بن حویہ کی سرکردگی میں آپ نے کچھ فوج آگے روانہ کردی تھی۔ مقام برس میں زہرہ کا ہرمز سے مقابلہ ہوا ہرمز قادسیہ سے بھاگ کر یہاں فوجیں لئے پڑا تھا۔ زہرہ نے ہرمز کو شکست دی اور وہ بابل کی طرف بھاگ گیا۔ سعد اپنی فوج لئے ہوئے فرات کو پار کر کے بابل پہنچے۔ یہاں بہت سے ایرانی سردار فیروز، ہرمز، مہران، مہرجان وغیرہ اپنی فوجیں لئے پڑے تھے۔ لیکن مسلسل شکستوں سے کچھ ایسے مرعوب ہوگئے تھے کہ مقابلہ میں ٹھہر نہ سکے۔ اور پہلے ہی حملہ میں بھاگ کھڑے ہوئے۔ فیروز نے نہاوند کا رخ کیا۔ ہرمز نے اہواز کا راستہ لیا اور باقی مدائن چلے گئے۔ زہرہ نے بھاگنے والوں کا پیچھا کیا اور دیر اور کوثی کے درمیان ایک بڑی جمعیت کو تہ تیغ کردیا۔ پھر زہرہ کوثی[1] کی طرف بڑھے۔ یہاں ایک مشہور رئیس شہریار سے مقابلہ ہوا۔ شہریار خود مبارزت کیلئے نکلا اور ایک

---

[1] کوثی وہ مقام ہے جہاں نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قید کیا تھا۔

عربی غلام نائل کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ کوثیٰ سے چلکر زہرہ ساباط پہنچے۔ یہاں کے باشندوں نے جزیہ کی شرط پر صلح کرلی۔ ساباط میں زہرہ سعد بن وقاص کی انتظار میں ٹھہر گئے۔ جب وہ آئے تو کل اسلامی فوج نے "بہرہ شیر" کا رخ کیا۔

## فتح بہرہ شیر:۔

بہرہ شیر مدائن کے متعلقات میں شمار ہوتا تھا۔ اس بستی اور مدائن کے درمیان صرف دریائے دجلہ حائل تھا۔ یہاں ایک شاہی رسالہ مدائن کی حفاظت کے لئے مقرر تھا جو ہر روز صبح کو حلف اٹھاتا تھا کہ "جب تک ہمارے دم میں دم ہے سلطنت فارس کو کوئی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا"۔ یہاں سعد دو مہینے تک شہر کا محاصرہ کئے پڑے رہے۔ ایک دن محصورین نے قلعہ سے جوش و خروش کے ساتھ نکل کر مقابلہ کیا۔ لیکن آخر کار بھاگ نکلے اور دریا کو پار کر کے مدائن میں داخل ہو گئے۔ شہر والوں نے صلح کا جھنڈا بلند کیا۔ بہرہ شیر کے دوران قیام میں آس پاس کے زمینداروں نے سعد کے پاس فرمان برداری کے پیغام بھیجے۔ سعد نے انہیں قبول کیا اور معمولی جزیہ پر ان سے صلح کرلی۔

## فتح مدائن:۔

بہرہ شیر کی فتح کے بعد مدائن مسلمانوں کے سامنے تھا۔ کسریٰ کا قصر ابیض

نگاہوں کے سامنے چمک رہا تھا۔ اس قصر کے کنگرے دیکھتے ہی، مسلمانوں کو رسولِ اکرم صلعم کا مژدہ فتح یاد آگیا۔ آپ نے فرمایا تھا:۔

عصیبۃ من المسلمین یفتتحون البیت الابیض بیت کسریٰ[1] — مسلمانوں کی ایک جماعت کسریٰ کے محل قصرِ ابیض کو فتح کرے گی۔

اس بشارت کے یاد آتے ہی، مسلمانوں کے دل بادۂ مسرّت سے لبریز ہو گئے۔ ان کے بازوؤں میں شجاعت کی برقی لہریں دوڑ گئیں ضرار ابن خطاب بیساختہ پکار اُٹھے۔ اللہ اکبر! یہ قصرِ ابیض ہے جس کی فتح کا وعدہ اللہ اور اسکے رسولؐ نے کیا ہے۔ ضرار کی تکبیر کا جواب مسلمانوں نے تکبیر کے ساتھ دیا اور ساری فضا ان نعروں سے گونج اُٹھی۔ ایرانیوں نے بھاگتے ہوئے بہرہ شیر اور مدائن کے درمیان دجلہ کے پُل توڑ پھوڑ دئے تھے۔ مگر مسلمانوں کی ایمانی حرارت کے سامنے دجلہ کا پانی کیا تھا۔ سعد نے کہا وہ کون بہادر ہیں جو دریا کے پار جا کر ساحل پہ قبضہ کر لیں۔ بنی تمیم کے سردار عاصم بن عمرو نے اپنے ساٹھ آدمیوں کے ساتھ دریا میں گھوڑے ڈال دئے، اور آن کی آن میں پار ہو گئے۔ ایرانی محافظ فوج نے جو مسلمانوں کو اس طرح آتے دیکھا تو خیال ہوا کہ یہ آدمی نہیں ہو سکتے۔ بے تحاشا چیختے ہوئے بھاگے۔ "دیواں آمدند دیواں آمدند"۔

---

[1] رواہ مسلم عن جابر بن سمرہ۔

جب یہ دستہ دریا کے پار پہنچ گیا اور مشرقی ساحل پر قبضہ کر لیا گیا تو سعد نے سب فوج کو حکم دیا کہ اللہ کا نام لیکر دریا میں گھوڑے ڈالدو۔ آگے آگے سعد بن وقاص اور سلمان فارسی تھے اور پیچھے پیچھے سارا اسلامی لشکر تھا مسلمان سواروں کی رکابوں سے رکابیں ملی ہوئی تھیں اور وہ بحرِ ذخار میں اس طرح تیرتے چلے جا رہے تھے جیسے بطیں تیرتی چلی جا رہی ہوں۔ ان کی زبانوں پر یہ دعا تھی:۔

نستعین باللہ ونتوکل علیہ ہم اللہ سے مدد چاہتے ہیں اور اسی پر بھروسہ کرتے ہیں اللہ ہمارے لئے کافی حسبنا اللہ ونعم الوکیل ولاحول اور اچھا کارساز ہے گناہوں سے حفاظت اور نیکیوں کے حصول کی ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ طاقت اسی بزرگ و برتر ذات کی مدد سے ممکن ہے۔

تعجب ہے کہ ساری فوج اس طرح دریا کے پار ہو گئی کہ ان کی ترتیب میں بھی فرق نہ آیا۔ ایک سوار البتہ گھوڑے کی پشت پر سے گر گیا۔ لیکن قعقاع نے فوراً اپنے گھوڑے کی لگام دریا میں پھینک کر اسے صحیح و سالم نکال لیا[1]

**قصرِ ابیض:۔**

اسلامی فوج دریا کے پار پہنچی تو کوئی مزاحمت کرنے والا نہ تھا۔ یزدگرد شہنشاہ ایران دار السلطنت کو چھوڑ کر حلوان کی طرف فرار ہو گیا۔ اپنے اہل و عیال کو اس نے پہلے ہی یہاں بھیجدیا تھا۔ مسلمان بے روک ٹوک شہر میں داخل ہو گئے

---

[1] اتمام الوفاء صہ ۹۰ والبدایہ والنہایہ ج ۷ صہ ۶۵

اور قصرِ ابیض پر اسلامی جھنڈا گاڑ دیا گیا۔ سعد نے عالیشان محلات اور سرسبز و شاداب باغات پر نظر ڈالی تو بے اختیار پکار اٹھے۔

کم ترکوا من جنات وعیون وزروع (کتنے ہی باغ اور چشمے اور کھیت) ومقام کریم (عمدہ مکانات اور آرام) ونعمۃ کانوا فیھا فاکھین (کا سامان چھوڑ گئے جس میں باتیں بنایا کرتے تھے) کذٰلک واورثنٰھا قوما اٰخرین۔ (یونہی ہونا تھا اور یہ سب سامان ہم نے دوسری قوموں کو عطا کر دیا۔)

حضرت سعد نے شاہی محل میں نماز شکر ادا کی۔ پھر وہیں صفر ۱۶ھ کو جماعت کے ساتھ نماز جمعہ ادا کی گئی۔ بظاہر یہ بات تعجب کی ہے کہ انہوں نے قصرِ شاہی کی تصویروں کو جو انسانوں اور چوپایوں وغیرہ کی تھیں ان کے حال پر رہنے دیا۔[۱]

## دُنیا دین والوں کے قبضہ میں:۔

قصرِ شاہی کے خزانوں سے جو مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا اسے دیکھ کر وہ حیران رہ گئے۔ بے شمار زر و جواہر کے علاوہ بہت سی نادر و نایاب تاریخی چیزیں تھیں۔ کئی مشہور فاتحین عالم کے شاہی ملبوسات اور اسلحہ تھے۔ نوشیرواں کا زرنگار تاج اور درباری پوشاک تھی۔ سونے کا ایک گھوڑا تھا جس کے سینہ پر یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ چاندی کی ایک اونٹنی تھی جس پر سونے کی پالان تھی اور مہاریں بیش قیمت موتی پروئے ہوئے تھے۔ اس اونٹنی کا سوار سرتا پا جواہرات سے مرصع تھا۔ ان سب سے عجیب ایوان شاہی کا ایک قالین

---

[۱] محاضرات صہ ۳۲۱

تھا جو ''بہار'' کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اس کی زمین سونے کی تھی، سبزہ زمرد کا تھا، جدولیں پکھراج کی تھیں۔ درخت سونے چاندی کے تھے، پتے حریر کے تھے اور پھل جواہرات کے۔ جب موسم بہار گزر جاتا تھا تو شہنشاہ مصاحبین کے ساتھ اس قالین پر بیٹھ کر بادہ نوشی کرتا تھا اور بہار کا لطف اٹھاتا تھا۔

سعد بن وقاص نے پانچواں حصہ نکال کر جس میں عجائب و نوادر بھی شامل تھے، باقی مال مسلمان سپاہیوں میں تقسیم کر دیا۔ علاوہ قیمتی ساز و سامان کے ہر ہر سپاہی کے حصہ میں ۱۲ ہزار دینار آئے۔

مدینہ منورہ میں جب خمس غنیمت پہنچا تو حضرت عمرؓ نے ایرانی شان و شکوہ کی نمائش کے بعد اسے مستحقین پر تقسیم کر دیا۔ بعض لوگوں کی رائے تھی کہ بہار کو یادگار کے طور پر محفوظ رکھا جائے۔ مگر حضرت علیؓ نے فرمایا "اے امیر المومنین اسے بھی تقسیم کر دیجئے ورنہ دوسروں کو بے قاعدگی کے لئے بہانہ ہاتھ آجائیگا۔" حضرت عمرؓ نے فوراً اسے بھی ٹکڑے ٹکڑے کر کے تقسیم کر دیا۔[۱]

اس موقعہ پر یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ مسلمان سپاہیوں نے ان بیش قرار چیزوں کو جوں کا توں اپنے امیر کے حوالہ کر دیا کسی نے ناجائز طور پر ایک سوئی بھی نہیں توڑا۔ حضرت سعد اور حضرت عمر دونوں نے اپنے سپاہیوں کی اس

---

[۱] محاضرات خضری صـ ۲۲۲

دیانت کا اعتراف کیا اور خدا کا شکر ادا کیا۔

فتح مدائن کے بعد مسلمان سپاہیوں نے مدائن میں اقامت اختیار کی حضرت عمر کا ایک فرمان آیا جس کی رو سے سعد بن وقاص عراق کے امام نماز اور سپہ سالار مقرر کئے گئے۔ نعمان بن عمر بن مقرن کو دجلہ سے سیراب ہونے والی زمین کا افسرِ خراج مقرر کیا گیا۔

## معرکہ جلولاء

مدائن سے بھاگ کر ایرانی فوجیں جلولاء میں جمع ہو گئی تھیں۔ جلولاء وہ مقام تھا جہاں سے آذربائجان، باب، جبال اور فارس کو راستے پھٹتے تھے۔ ایرانی سرداروں نے آپس میں مشورہ کیا کہ یہاں سے ہٹنے کے بعد ہم لوگ ایک جگہ جمع نہ ہو سکیں گے۔ اس لئے بہتر ہے کہ یہاں آخری مرتبہ اور تقدیر آزمائی کر لیں۔

چنانچہ ایرانیوں نے جلولاء میں جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ یزدگرد نے بھی حلوان سے امدادی فوجیں بھیجیں۔ مہران رازی سپہ سالار تجویز ہوا اور شہر کے چاروں طرف خندق کھود کر اور اسکے آگے کانٹوں کے جھاڑ لگا کر اسے محفوظ کر دیا گیا۔ سعدِ بن وقاص نے حضرت عمر کے مشورہ کے مطابق ہاشم بن عتبہ کو اس مہم پر روانہ کیا اور خود مدائن میں مقیم رہے۔

ہاشم صفر ۱۶ھ کو مدائن سے بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ روانہ ہوئے اور جلولا پہنچکر شہر کا محاصرہ کرلیا۔ ایرانی وقتاً فوقتاً خندق سے باہر نکل کر مقابلہ کرتے تھے اور پھر خندق کے اندر جا گھستے تھے۔ یہ صورت کئی مہینے جاری رہی۔ آخر مسلمانوں نے ایک دن زبردست حملہ کیا۔ خندق کو پار کرکے اندر گھس گئے اور ایسی ہولناک لڑائی ہوئی کہ لیلۃ الہریر کے سوا کبھی نہیں ہوئی تھی۔ ایرانی بھی دل توڑ کر لڑے لیکن آخرکار بھاگ نکلے۔ ہاشم نے قعقاع کو تعاقب کا حکم دیا چنانچہ انہوں نے خانقین تک پیچھا کیا اور ہزاروں کو بھاگتے ہوئے قتل کیا۔ شعبی کی روایت کے مطابق ایک لاکھ ایرانی جان سے مارے گئے اور تین کروڑ کی غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آئی۔

اس شکست کی خبر یزدگرد کو پہنچی تو وہ حلوان کو چھوڑ کر رے چلا گیا۔ اور قعقاع نے آگے بڑھ کر حلوان پر قبضہ کرلیا۔

سعد بن وقاص نے اپنے کاتب زیاد کو فتح کی خوش خبری اور مال غنیمت کے خمس کے ساتھ مدینہ منورہ بھیجا۔ انہوں نے نہایت فصاحت سے جنگ کے حالات مسلمانوں کو سنائے اور آئندہ سلسلہ فتوحات جاری رکھنے کے متعلق مجاہدین کے شوق کو بھی ظاہر کیا۔ حضرت عمرؓ ان کی تقریر سے بہت خوش ہوئے اور ان کی فصاحت کی تعریف کی۔ زیاد نے کہا: "اے امیرالمومنین ہمارے بہادروں کے کارناموں نے ہماری زبانوں کو کھول دیا ہے"۔ دوسرے دن صبح

کو صحنِ مسجد میں مالِ غنیمت تقسیم کیا گیا۔ درہم و دینار کے علاوہ جواہرات کا انبار تھا۔ حضرت عمر رونے لگے۔ ایک شخص نے پوچھا حضرت یہ رونے کا کیا موقعہ ہے؟ آپ نے فرمایا جس قوم میں دولت آتی ہے۔ رشک و حسد بھی ساتھ آتا ہے اور رشک و حسد کے بعد رعب و دبدبہ باقی نہیں رہتا"۔ [1]

## معرکۂ تکریت

مدائن میں حضرت سعد بن وقاص کو معلوم ہوا کہ "موصل" کے رومی اور عیسائی عرب قبیلے تکریت میں مسلمانوں کے مقابلہ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ چنانچہ عبداللہ بن معتم کی سرداری میں پانچ ہزار کی ایک جمعیت تکریت کی طرف روانہ کی گئی۔ نصاریٰ کو جب مسلمانوں کی آمد کی خبر پہنچی تو وہ شہر کے چاروں طرف خندق کھود کر محصور ہو بیٹھے۔ نصاریٰ موقعہ بموقعہ خندق سے نکل کر مقابلہ کرتے اور ہر مقابلہ میں ہزیمت اٹھاتے۔ اس طرح چوبیس مقابلے ہوئے اور نصاریٰ کی طاقت ٹوٹ گئی رومیوں نے جب مقابلہ کی تاب نہ پائی تو دریا کے رستہ بھاگنے کا ارادہ کیا۔ عبداللہ بن معتم کو بھی ان کے اس ارادہ کی خبر ہو گئی۔ چنانچہ انہوں نے عرب عیسائیوں سے خفیہ خط و کتابت کر کے انہیں مشرف باسلام کر لیا اور یہ طے پایا کہ جب مسلمان رومیوں پر حملہ کریں اور وہ فرار ہونے کا قصد کریں تو انہیں ان کے یہ ساتھی

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۷ صفحہ ۷۰

بھاگنے ندیں بلکہ دریا کی طرف سے ان پر حملہ کردیں۔ چنانچہ یہی ہوا مسلمانوں نے باہر سے نعرۂ تکبیر لگا کر حملہ کیا تو اندر سے نومسلم عربوں نے صدائے تکبیر بلند کی اور رومیوں کا راستہ روک لیا۔ اس طرح تمام رومی تہ تیغ ہوئے اور کوئی بچ کر نہ نکل سکا۔ یہاں بھی بیشمار مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

اس فتح کے بعد عبداللہ نے ایک دستہ نینوی اور موصل کو فتح کرنے کے لئے روانہ کیا۔ اس دستہ میں تکریت کے عیسائی عرب بھی تھے۔ ان عربوں نے مسلمانوں سے پہلے پہنچ کر مشہور کر دیا کہ رومی تکریت میں فتحیاب ہوئے ہیں اور اب وہ یہاں آرہے ہیں۔ اہل نینوی و موصل نے خوشی خوشی دروازے کھول دیئے اور مسلمان بہ مقابلہ دونوں شہروں پر قابض ہو گئے۔

سعد نے مد سے ایک دستہ ضرار بن خطاب کی ماتحتی میں ماسبذان کی طرف روانہ کیا۔ اور ایک دستہ عمر بن مالک کی ماتحتی میں قرقیسیاء اور ہیت کی طرف روانہ کیا۔ یہ علاقے بھی مسلمانوں کے ہاتھ پر فتح ہوئے۔

ان فتوحات کے بعد تمام سوادِ عراق مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔ حضرت عمرؓ کے حکم کے مطابق کاشتکاروں کی زمینیں معمولی ٹیکس پر ان کے پاس برقرار رکھی گئیں ذمیوں پر معمولی جزیہ لگایا گیا۔ ملک میں قیام امن و امان کا انتظام کیا گیا اور سرحدوں پر حفاظتی دستے مقرر کئے گئے۔

# آبادی کوفہ و بصرہ

صفر ۱۶ھ سے محرم ۱۷ھ تک، مدائن عراق کی اسلامی فوجوں کا صدر مقام رہا۔ لیکن یہاں کی آب وہوا عربوں کو سازگار نہ آئی۔ ان کے جسم میں توانائی نہ رہی اور ان کے رنگ متغیر ہو گئے۔ حضرت عمر نے سعد بن وقاص کو لکھا کہ کوئی ایسی جگہ تلاش کرو جو بری اور بحری دونوں حیثیتیں رکھتی ہو اور وہاں سے مدینہ تک بیچ میں کوئی دریا نہ پڑتا ہو۔ سعد نے سلمان اور حذیفہ کو اس کام پر مامور کیا۔ ......

.......... سلمان اور حذیفہ نے کوفہ کی زمین کو پسند کیا۔ یہاں کی زمین ریتیلی اور کنکریلی تھی۔ دریائے فرات یہاں سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر تھا اور نعمان بن منذر کے مشہور محلات خورنق اور سدیر بھی اسی نواح میں واقع تھے۔ حضرت عمر کے حکم کے مطابق پہلے گھاس پھونس کے مکانات بنائے گئے۔ لیکن جب آگ لگنے کے واقعات پیش آئے تو پختہ عمارتیں تعمیر کی گئیں۔

حضرت عمر کی ہدایت کے مطابق، ابو الهیاج بن مالک اسدی نے کوفہ کا نقشہ بنایا۔ پہلے درمیان شہر میں ایک مربع چبوترے پر جامع مسجد تعمیر کی گئی۔ جس میں چالیس ہزار آدمی نماز پڑھ سکتے تھے۔ جامع مسجد کے آگے سنگ مرمر کے ستونوں پر دو سو ہاتھ لمبا ایک برآمدہ قائم کیا گیا جس کی چھت رومی عمارتوں کی چھت کے طرز پر تھی۔ مسجد کے سامنے، والی عراق کے لئے قصر حکومت تعمیر کیا گیا

مسجد اور قصرِ حکومت کے درمیان تہ خانہ کے طور پر دو سو گز طویل بیت المال کی عمارت بنائی گئی۔

مسجد اور قصرِ حکومت کے چاروں طرف کچھ فاصلہ چھوڑ کر مختلف قبائل کے لئے الگ الگ محلّے بسائے گئے۔ ان محلّوں میں ۴۰ ہزار کی آبادی کے لائق مکانات تعمیر کئے گئے اور ہر ہر محلّہ میں ایک ایک مسجد تعمیر کی گئی۔

شہر کی تمام سڑکیں جامع مسجد کے سامنے سے نکلتی تھیں۔ شاہ راہیں ۴۰ گز چوڑی رکھی گئیں، معمولی سڑکیں ۳۰ گز اور ۲۰ گز چوڑی اور گلیاں ۷ گز چوڑی۔ شہر کی تعمیر میں اس بات کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا تھا کہ چوک اور سڑکیں اس قدر کثرت سے ہوں کہ اہلِ عرب صحرا کی تازہ ہوا کے لطف سے محروم نہ رہیں۔

سعد بن وقاص محرم ۱۷ھ (جنوری ۶۳۸ء) میں مدائن سے کوفہ کو منتقل ہو گئے

اس سے دو سال قبل، حضرت عمر کے حکم سے خلیج فارس کی بندرگاہ ابلہ کے قریب ایک دوسرا شہر بصرہ کے نام سے بسایا گیا۔ یہاں کی زمین بھی ریتیلی اور کنکریلی تھی اور آس پاس پانی اور چارے کی افراط تھی۔ کوفہ کی طرح یہاں بھی جامع مسجد، قصرِ حکومت اور قید خانہ کی سرکاری عمارتیں تعمیر کی گئیں، دجلہ سے بصرہ تک دس میل کے فاصلہ پر ایک نہر بھی کاٹ کر لائی گئی۔

پہلے بصرہ میں بھی گھاس پھونس کے مکانات بنائے گئے تھے لیکن

بعد میں آتشزدگی کے بعد اینٹ اور مٹی کے بن گئے۔

کوفہ اور بصرہ کی آبادی کے بعد یہ دونوں شہر اسلامی فوج کے مرکز قرار پائے۔ حضرت عمر نے عراق کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ بالائی عراق جس کا صدر مقام کوفہ اور والی سعد بن وقاص تھے۔ اور زیریں عراق جس کا صدر مقام بصرہ تھا اور والی عتبہ بن غزوان۔ ایرانی فتوحات کے بعد، باب، آذربائجان، ہمدان، رے، اصفہان، ماہ، موصل، قرقیسا وغیرہ کا تعلق کوفہ سے قرار دیا گیا۔ اور خراسان، سجستان، مکران، کرمان، فارس اور اہواز کا بصرہ سے۔

## بحرین سے فارس پر حملہ

علاء بن الحضرمی ایک بہادر اسلامی سردار تھے جو مرتدین کے مقابلہ میں کارہائے نمایاں انجام دے چکے تھے حضرت عمر نے ان کو بحرین کا امیر مقرر کر دیا تھا۔ انہوں نے جب ایرانیوں کے مقابلہ میں سعد بن وقاص کے کارنامے سُنے تو خیال آیا کہ اس میدان میں میں کیوں سعد سے پیچھے رہوں؟ یہ خیال آتے ہی دربارِ خلافت سے مشورہ کئے بغیر، دریا کے راستہ بحرین سے ایک فوج فارس پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کر دی۔ یہ فوج اصطخر پہنچی تو ایرانیوں کی ایک بہت بڑی جمعیت ان کے اور ان کی کشتیوں کے درمیان حائل ہو گئی۔ اسلامی فوج کے ایک افسر خلید بن منذر نے بڑی بہادری کے ساتھ ایرانیوں کا مقابلہ کیا اور انکی

بہت بڑی جماعت کو تہ تیغ کر دیا مگر پھر بھی وہ اپنی کشتیاں ایرانیوں کے ہاتھ سے نہ چھڑا سکے۔ اب مسلمانوں کو احساس ہوا کہ ایران کے بیچ میں تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ مسلمانوں کا ٹھہرا رہنا دوراندیشی کے خلاف ہے۔ چنانچہ انہوں نے خشکی کے راستہ بصرہ لوٹ جانے کا ارادہ کیا۔ مگر ایرانیوں کی ایک فوج نے یہ راستہ بھی روک لیا اور مسلمان مقام "طاؤس" میں محصور ہو کر رہ گئے

حضرت عمرؓ کو جب ان واقعات کی اطلاع ملی تو آپ نے عتبہ بن غزوان امیر بصرہ کو حکم بھیجا کہ ایک بھاری جمعیت فوراً محصورین کی مدد کو بھیجیں۔ عتبہ نے بارہ ہزار آدمیوں کو ابو سبرہ کی ماتحتی میں روانہ کیا۔ ابو سبرہ ساحل ساحل اس مقام پر پہنچے جہاں مسلمان محصور تھے اور اپنے بھائیوں کو دشمن کے پنجہ سے چھڑا لیا۔

حضرت عمرؓ علاء بن الحضرمی کی اس ناعاقبت اندیشانہ جرأت پر بہت ناراض ہوئے، آپ نے انہیں بحرین کی امارت سے معزول کر دیا اور حکم دیا کہ وہ سعد بن وقاص ہی کی ماتحتی میں کوفہ جا کر رہیں۔[1]

## فتح اہواز

اہواز[2] کی حدود بصرہ کی حدود سے ملتی تھیں۔ یہاں ایران کا مشہور

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۷، ص ۸۴ [2] اہواز اس صوبہ کا نام ہے جو بصرہ اور فارس کے درمیان ہے۔ اس میں یہ شہر واقع ہیں۔ سوق الاہواز، رامہرمز، ایذج، عسکر مکرم، تستر، جندی سابور، سوس، سرق، نہر تیری، مناذر،

سردار ہرمزان جو شیرویہ کا ماموں تھا، مقیم تھا اور وقتاً فوقتاً اسلامی علاقہ پر حملہ کرتا رہتا تھا۔ عُتبہ بن غزوان امیر بصرہ نے اس کے مقابلہ کا ارادہ کیا اور سعد بن وقاص امیر کوفہ سے مدد طلب کی۔ بصرہ کی فوج کا کوفہ کی امدادی فوج کی معیت میں ہرمزان سے مقابلہ ہوا۔ ہرمزان نے شکست کھائی اور اہواز و مہرجان کا علاقہ مسلمانوں کو دے کر صلح کر لی۔ مناذر اور نہر تیری پر اسلامی فوج کی چوکیاں قائم کی گئیں۔ کچھ دن بعد سرحد کی تعیین کے متعلق مسلمان افسروں اور ہرمزان میں اختلاف ہوا۔ ہرمزان نے صلح توڑ دی اور مسلمانوں کے مقابلہ میں کردوں سے مدد طلب کی۔ حضرت عمر کے حکم سے عُتبہ ہرمزان کے مقابلہ کیلئے نکلے۔ جسر سوق اہواز پر مقابلہ ہوا۔ ہرمزان شکست کھا کر رامہرمز کی طرف بھاگ گیا۔ اس طرح، اہواز کا سارا علاقہ تستر تک اسلامی جھنڈے کے نیچے آ گیا۔

## ذمیوں سے حُسنِ سُلوک

ہرمزان کی عہد شکنی سے حضرت عمر کو خیال ہوا کہ کہیں مسلمان اہلِ ذمہ کے ساتھ زیادتی تو نہیں کرتے۔ اس معاملہ کی تحقیق کے لئے آپ نے کوفہ کے شرفا کا ایک وفد طلب کیا۔ یہ وفد دس افراد پر مشتمل تھا جن میں احنف بن قیس بھی تھے۔ حضرت عمر نے احنف سے کہا۔ میں تمہیں معتبر آدمی سمجھتا ہوں سچ بتاؤ

اہلِ ذمہ پر کسی قسم کا ظلم تو نہیں ہوتا۔ احنف نے کہا نہیں ان کے ساتھ آپ کی خواہش کے مطابق برتاؤ کیا جاتا ہے۔ جب حضرت عمرؓ کو اچھی طرح اطمینان ہو گیا تو آپ نے وفد کو تحفے دے کر واپس کر دیا۔ آپ نے عُتبہ کو ایک خط بھی لکھا جس کا مفہوم یہ تھا:۔

"مسلمانوں کو ظلم سے دور رکھو اور ذمیوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری طرف سے کوئی زیادتی ہو، اور اس کی وجہ سے اہل ذمہ زیادتی کر بیٹھیں۔ تمہیں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے وفاء عہد کی وجہ سے دیا ہے، لہذا وفاء عہد کا ہمیشہ خیال رکھو اور اہل ذمہ کے ساتھ حسن سلوک میں خدا کے حکموں پر چلو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو خدا تمہارا مددگار و ناصر ہوگا۔"[1]

## فتح رامہرمز و تستر

شہنشاہ یزدگرد اب مرو میں مقیم تھا۔ یہاں سے اس نے اہواز کے ایرانیوں کے پاس خفیہ خطوط بھیجے اور انہیں عربوں کی ماتحتی قبول کرنے پر غیرت دلائی، ادھر فارس[2] کے سرداروں کو بھی جوش دلا کر انہیں عربوں کے

[1] محاضرات خضری ص۲۳۳

[2] عہد خلافت راشدہ میں فارس اس علاقہ کا نام تھا جو اصفہان، بحر فارس، کرمان اور عراق عرب کے درمیان واقع ہے۔ اس کا سب سے بڑا شہر شیراز ہے۔

مقابلہ کیلئے آمادہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اہوازمیں جابجا بغاوت پھوٹ پڑی اور اہلِ اہواز اور اہلِ فارس نے مِل جل کر مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

حضرت عمرؓ کو یہ حالات معلوم ہوئے تو آپ نے سعد بن وقاص امیر کوفہ اور ابو موسیٰ اشعری امیر بصرہ (یہ عُتبہ بن غزوان کے بعد بصرہ کے امیر مقرر ہوئے تھے) کو حکم بھیجا کہ اپنے اپنے علاقوں سے اہواز کی طرف فوجیں روانہ کریں۔ کوفہ سے نُعمان بن مُقرن ایک بڑی جمعیت لے کر نکلے اور رامہرمز پہنچ کر ہرمزان کا مقابلہ کیا۔ ہرمزان شکست کھا کر تستر چلا گیا اور نعمان نے رامہرمز پر قبضہ کر لیا۔ اب نعمان تستر کی طرف روانہ ہوئے۔ یہاں پُہنچے تو بصرہ کی فوج بھی سہل بن عدی کی ماتحتی میں ان سے آملی۔ ہرمزان اسلامی فوجوں کی آمد کی خبر سُن کر شہر بند ہو بیٹھا۔ ایرانی موقعہ دیکھ کر نکلتے تھے اور مسلمانوں سے دو دو ہاتھ کر کے شہر میں جا چھپتے تھے۔ اسی طرح ایک مہینہ کی مدت میں اسّی جھڑپیں ہوئیں جن میں سے بعض میں مسلمان غالب رہے اور بعض میں ایرانی۔

## امدادِ غیبی:۔

ابھی یہ سلسلہ جاری تھا کہ ایک ایرانی اسلامی لشکر میں آیا۔ اس نے کہا اگر مجھے امن دیا جائے تو میں شہر میں داخل ہونے کا راستہ بتا سکتا ہوں۔ ابو سبرہ بن ابی ارہم جو کوفہ و بصرہ کی مشترکہ فوجوں کے افسرِ اعلیٰ تھے انھوں نے فوراً اس کی

درخواست قبول کرلی۔ ایرانی ایک مسلمان سپاہی اشرس کو اپنے ساتھ لے کر ایک زمین دوز نہر کے راستہ شہر میں داخل ہوگیا۔ اشرس نے جب اچھی طرح شہر کی سیر کرلی اور موقع کے نشیب و فراز دیکھ لئے تو اسی راستہ سے وہ ایرانی اسے واپس پہنچا گیا۔ اشرس نے واپس آکر اسلامی فوج کے سپہ سالار سے کہا "میں دو سو بہادروں کی مدد سے شہر فتح کرسکتا ہوں۔ یہ سُنتے ہی دو سو نوجوان فوراً تلواریں لیکر اشرس کے ساتھ ہو لئے۔ اشرس اپنے ساتھیوں کو لیکر اسی خفیہ راستہ سے شہر میں داخل ہوگیا اور پہرہ داروں کو قتل کر کے شہر کے دروازے کھول دئیے ادھر باہر سارا لشکر موقع کا منتظر کھڑا تھا۔ دروازے کُھلتے ہی نعرۂ تکبیر لگاتا ہوا شہر میں داخل ہوگیا۔

ہرمزان کو اس بلاء ناگہانی کی خبر ہوئی تو اندر سے قلعہ کو بند کرلیا۔ اور پھر قلعہ کے ایک بُرج پر چڑھ کر کہا "میں اس شرط پر نیچے اُتر سکتا ہوں کہ مجھے خلیفۃ المسلمین کے پاس پہنچا دیا جائے۔ وہ میرے متعلق جو کچھ فیصلہ کریں وہ مجھے منظور ہوگا۔"

ابو سبرہ نے ہرمزان کی اس شرط کو قبول کرلیا۔ ہرمزان نے قلعہ کا دروازہ کھولدیا اور اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالے کردیا۔

اس طرح جب تستر فتح ہوگیا تو ابو سبرہ نے مضافات میں متعدد دستے روانہ کئے۔ ان دستوں نے آس پاس کے سب شہر فتح کر لئے۔

اس معرکہ میں حضرت براء بن مالک اور بعض دوسرے جلیل القدر صحابی شہید ہوئے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

## شاہ اہواز مدینہ میں:۔

ابو سبرہ نے ایک وفد کے ساتھ جس میں احنف بن قیس اور انس بن مالک شامل تھے، ہرمزان کو مدینہ منورہ روانہ کیا۔

ہرمزان شاہانہ شان و شوکت کے ساتھ مدینہ میں داخل ہوا۔ حریر کی زرنگار قبا بدن پر تھی۔ مرصع تاج سر پر، اور بڑے بڑے رؤسا اس کی رکاب میں تھے۔ اسلامی وفد ہرمزان کو لیکر مسجد نبوی میں پہنچا تو حضرت عمرؓ سو رہے تھے۔ سونے کی شان یہ تھی کہ فرشِ خاک کا بستر تھا اور ہاتھ میں چمڑے کا درہ تھا۔ ہرمزان نے پوچھا خلیفۃ المسلمین کہاں ہیں؟ لوگوں نے اشارہ سے بتایا کہ "یہ ہیں"؟ ہرمزان نے تعجب سے پوچھا "ان کے نقیب اور چوبدار نہیں ہیں؟" لوگوں نے جواب دیا "عمرؓ کو ان کی ضرورت نہیں"۔ ہرمزان نے کہا "اس سادگی سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بادشاہ نہیں نبی ہیں"۔ لوگوں نے جواب دیا "نبی تو نہیں لیکن نبی کے جانشین اور اسکے سچے پیرو ضرور ہیں"۔

اس گفتگو سے حضرت عمرؓ کی آنکھ کھل گئی۔ سر سے پیر تک ایک نظر ہرمزان پر ڈالی اور فرمایا "میں آتش دوزخ سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں"۔ اہلِ وفد نے عرض کیا۔ یا امیر المومنین یہ شاہِ اہواز ہے۔ اس سے گفتگو فرمائیے۔ آپ نے

فرمایا پہلے اس کے کپڑے اُتار دو۔ پھر بات کروں گا۔ چنانچہ ہرمزان کی شاہانہ پوشاک اُتار کر اسے سادہ کپڑے پہنا دیئے گئے۔ اب آپ نے ہرمزان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا "اے ہرمزان تو نے عہد شکنی اور حکم خدا سے سرتابی کا انجام دیکھا؟" ہرمزان نے جواب دیا "اے عمر! زمانہ جاہلیت میں جب خدا نہ ہمارے ساتھ تھا اور نہ تمہارے ساتھ تو ہم تم پر غالب رہتے تھے، اب خدا تمہارے ساتھ ہے تو تم ہم پر غالب ہو۔" حضرت عمر نے فرمایا۔ "زمانہ جاہلیت میں تم اس لئے ہم پر غالب رہتے تھے کہ تم متحد تھے اور ہم متفرق۔"

حضرت عمر نے فرمایا "ہرمزان بتاؤ تم پے در پے عہد شکنی کیوں کرتے رہے؟" ہرمزان نے کہا "اے عمر پہلے مجھے پانی پلا دو" حضرت عمر نے فوراً پانی منگایا ہرمزان نے پانی کا پیالہ ہاتھ میں لیکر کہا "اے عمر مجھے اندیشہ ہے کہ میں اس پانی کو پینے سے پہلے قتل نہ کر دیا جاؤں" حضرت عمر نے فرمایا "نہیں ایسا نہیں ہوگا" یہ سنتے ہی ہرمزان نے اس پیالہ کو لوٹ دیا۔ اور کہنے لگا کہ "اب تم مجھے قتل نہیں کر سکتے کیونکہ میں نے اس پانی کو نہیں پیا" حضرت عمر ہرمزان کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے کیونکہ اس کے ہاتھ سے کئی جلیل القدر صحابی شہید ہوئے تھے۔ وہ اسکے اس حیلہ پر حیران رہ گئے۔ فرمانے لگے "خدا کی قسم ہرمزان تو نے مجھے دھوکہ دیا لیکن میں مسلمان کے سوا کسی کے دھوکہ میں آنا نہیں چاہتا" یہ سُن کر ہرمزان مسلمان ہوگیا۔ حضرت عمر نے ہرمزان کو۔

مدینہ منورہ میں رہنے کی اجازت دیدی، اور دو ہزار سالانہ اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ حضرت عمر ایران کی فتوحات کے سلسلہ میں اس سے مشورہ بھی فرمایا کرتے تھے [1]

## پیش قدمی کا فیصلہ:۔

حضرت عمر کو ذمیوں کے ساتھ حسن سلوک کا بیحد خیال رہتا تھا وفد ہرمزان سے بھی آپ نے یہی سوال کیا کہ یہ ذمی بار بار عہد شکنی کیوں کرتے ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں مسلمان انہیں تکلیف دیتے ہوں؟ وفد نے کہا اے امیر المؤمنین مسلمان اہل ذمہ سے متعلق تمام حقوق ادا کرتے ہیں۔ حضرت عمر نے فرمایا پھر کیا بات ہے؟ احنف بن قیس بولے۔ اے امیر المومنین! بات یہ ہے کہ آپ نے ہمیں عجم کے ملک میں داخل ہونے سے منع فرمادیا ہے، یہ جو کچھ فتوحات ہوئی ہیں ان کی عہد شکنی اور ہنگامہ آرائی کے نتیجہ کے طور پر ہوئی ہیں۔ جب تک ان کا شہنشاہ ان کے سر پر موجود ہے برابر یہ ہنگامے جاری رہیں گے۔ وہ اپنی قوم کو مسلمانوں کی مخالفت پر اکساتا ہی رہے گا۔ آپ اجازت دیجئے کہ ہم اس فتنہ کے سر کو کچل دیں اور ان کے ملک میں پیش قدمی کر کے ان کی امیدوں کو ختم کر دیں۔ حضرت عمر کو اس جواب سے اطمینان ہوگیا۔ اور آپ نے احنف بن قیس کی پیش قدمی کی رائے سے اتفاق کیا۔

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۷، ص ۸۸

## فتح نہاوند

معرکۂ جلولاء کے بعد یزدگرد رے چلا گیا تھا۔ لیکن جب رے کے رئیس نے بیوفائی کی تو رے سے نکلا، اصفہان اور کرمان ہوتا ہوا خراسان پہنچا اور مرو میں اقامت اختیار کی۔ یہاں اس نے ایک آتشکدہ تعمیر کرایا اس میں آتش پارسی (جو ساتھ لایا تھا) رکھی۔ اور نئے سرے حکومت کے ساز و سامان آراستہ کئے اور مسلمانوں سے اپنا ملک واپس لینے کی تدبیریں شروع کر دیں۔ اسی دوران میں خوزستان کی فتح اور ہرمزان کی گرفتاری کی خبر ملی، تو سخت طیش میں آیا اور مسلمانوں سے آخری ٹکر لینے کا فیصلہ کر لیا۔

یزدگرد نے مرو سے تمام سلطنت کے رئیسوں اور تعلقہ داروں کے نام خطوط بھیجے اور انہیں اپنی مدد کے لئے آمادہ کیا۔ چنانچہ باب، سندھ خراسان اور حلوان کے درمیانی علاقوں کے تمام امراء اپنی اپنی فوجیں لے کر اسکی مدد کو نکل کھڑے ہوئے۔ یزدگرد نے اس ٹڈی دل لشکر کو لے کر نہاوند میں چھاؤنی ڈال دی۔ سعد بن وقاص نے حضرت عمر کو ان واقعات کی خبر دی۔ حضرت عمر نے اکابر صحابہ کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ حضرت عثمان کی رائے تھی کہ اس اہم موقعہ پر حضرت عمر خود اسلامی فوجوں کی رہنمائی کریں۔ لیکن حضرت علی نے اس رائے سے اختلاف کیا اور خلیفۃ المسلمین کا مرکز میں مقیم رہنا ضروری قرار دیا۔

حضرت عمر نے حضرت علی کی رائے سے اتفاق کیا اور فرمایا کہ میں اس مہم پر اس شخص کو بھیجتا ہوں جو سب سے پہلے نوکِ سناں کو بوسہ دیگا۔ وہ شخص نعمان بن مُقرِن مزنی ہے۔

سب نے حضرت عمر کی رائے کو پسند کیا۔ نعمان بن مقرن کسکر کے عاملِ خراج تھے۔ مگر آپ حکومت کی کرسی کی بجائے گھوڑے کی زین کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ آپ نے حضرت عمر کو لکھا کہ کسکر میں میری مثال ایسی ہے جیسے کوئی نبرد آزما نوجوان کسی محبوبۂ طناز کی آغوش میں ہو اور وہ اسے طرح طرح لبھاتی ہو۔ خدا کے واسطے مجھے یہاں سے ہٹا کر میدانِ جنگ میں بھیج دیجئے حضرت عمر نے انہیں نہاوند کی سالاری پر مامور فرما کر ان کی خواہش پوری کر دی[1]

## نعمان بن مقرن کی روانگی:۔

حضرت عمر کی ہدایات کے مطابق نعمان بن مقرن تیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ نہاوند کی طرف روانہ ہوئے یہاں پہنچکر انہوں نے اپنی فوج کو اصولِ جنگ کے مطابق ترتیب دیا۔ مقدمہ پر اپنے بھائی نعیم بن مقرن کو، میمنہ اور میسرہ پر اپنے دوسرے بھائی سوید بن مقرن اور حذیفہ بن الیمان کو، مجردہ پر قعقاع کو، اور ساقہ پر مجاشع بن مسعود کو مقرر کیا۔ ایرانیوں کی طرف میمنہ پر زردک اور میسرہ پر بہمن متعین ہوا۔

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام ج ۲ ص ۳۳۵

آخر مسلمان نعرۂ تکبیر لگا کر میدان میں نکلے۔ دو روز تک دونوں فریقوں میں ہولناک جنگ ہوتی رہی، تیسرے روز ایرانی مقابلہ چھوڑ کر محفوظ مقامات میں پناہ گزیں ہو گئے۔ مسلمان لڑائی کو طول دینا نہیں چاہتے تھے۔ مشورہ کے بعد یہ رائے ہوئی کہ قعقاع اپنے دستہ کو لے کر ان کے محفوظ مقامات میں گھس جائیں اور جب وہ ان کے مقابلہ کو نکلیں تو آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے ہوئے اسلامی لشکر کے قریب آ جائیں اور پھر سارا لشکر ان پر حملہ کر دے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ قعقاع ایرانی فوج کو اپنے ساتھ لگا کر اسلامی فوج کے مقابل لے آئے اور دست بدست لڑائی شروع ہو گئی۔ یہ لڑائی اس قدر شدید تھی کہ سوائے لیلۃ الہریر کے اس کی نظیر نہیں ملتی۔ میدان میں اس قدر خون بہا کہ گھوڑوں کے پاؤں پھسلنے لگے۔ چنانچہ نعمان بن مقرن کے گھوڑے کا بھی پاؤں پھسلا اور زمین پر آ رہے۔ نعیم بن مقرن نے فوراً ان کو ایک طرف چھپا دیا اور ان کی کلاہ اور قبا پہن کر ان کے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ مقصد یہ تھا کہ فوج کو یہ معلوم نہ ہو کہ ان کا سردار زخمی ہو گیا ہے۔

## نعمان کی شہادت اور فتح:۔

لڑائی کا ہنگامہ رات تک جاری رہا۔ اندھیرا پھیلتے ہی ایرانی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے اور راہِ فرار اختیار کی۔ مسلمانوں نے پیچھا کیا اور ہزاروں کو بھاگتے ہوئے قتل کیا۔ ایرانیوں نے اپنی طرف یو جائی غرض سے آگ کا الاؤ جلا رکھا

تھا۔ جب بے تحاشا بھاگے تو سیکڑوں اس میں گر کر بھسم ہو گئے۔ غرض ڈیڑھ لاکھ ایرانیوں میں سے بہت تھوڑے اپنی جان سلامت لیجا سکے۔

اسلامی سپہ سالار نعمان بن مقرن کے زخم بہت کاری تھے۔ فتح کے بعد ایک شخص ان کے پاس گیا تو دم توڑ رہے تھے۔ آنکھیں کھولدیں اور پوچھنے لگے۔ لڑائی کا کیا انجام ہوا؟ اس شخص نے کہا "مسلمانوں کی فتح ہوگئی"۔ آپ نے فرمایا "خدا کا ہزار ہزار شکر ہے، فتح کی خبر عمر کو بھیجدو"۔ یہ کہا اور جنت کو سدھارے۔

اس لڑائی میں بیشمار مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ حذیفہ نے جنہیں نعمان بن مقرن نے اپنا قائم مقام مقرر کیا تھا، مال غنیمت کو تقسیم کیا۔ اور سائب بن اقرع کو، خمس اور فتح کی بشارت دیکر مدینہ روانہ کیا۔

حضرت عمر مدینہ سے باہر ہی قاصد کے انتظار میں موجود تھے۔ سائب کو دیکھتے ہی پوچھا "کہو کیا خبر ہے؟" سائب نے کہا "اے امیر المومنین اللہ نے زبردست فتح دی مگر نعمان شہید ہو گئے۔ حضرت عمر نے فتح پر خدا کا شکر ادا کیا مگر نعمان کی شہادت پر بڑی دیر تک روتے رہے[۱]۔

اس لڑائی کے بعد ایرانیوں کا زور ٹوٹ گیا۔ اسی لئے عربوں نے اس کا نام "فتح الفتوح" رکھا۔ یہ واقعہ محرم ۱۹ھ میں پیش آیا۔

---

۱۔ اشہر مشاہیر الاسلام ج ۲ ص ۴۳۶

# تسخیر ایران

حضرت عمر کا ارادہ ایران کی عام تسخیر کا نہ تھا۔ اب تک کی فتوحات کا مقصد یہ تھا کہ عربی علاقوں کو غیر ملکی قوتوں سے واپس لے لیا جائے۔ اور ان پر اپنی طاقت کی ایسی دھاک بٹھادی جائے کہ وہ پھر ادھر کا رُخ نہ کر سکیں اس مقصد کے حاصل ہو جانے کے بعد حضرت عمر مزید طاقت آزمائی کے خواہشمند نہ تھے۔ چنانچہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "کاش ہمارے اور عجمیوں کے درمیان آگ کا پہاڑ ہوتا کہ نہ ہم ان تک جا سکتے نہ وہ ہم تک پہنچ سکتے۔"

لیکن ایرانی چین سے بیٹھنے والے نہ تھے۔ آئے دن سازشوں بغاوتوں اور چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ جاری رہتا تھا، چنانچہ اہواز اور نہاوند کے معرکے ان کے اسی طرزِ عمل کا نتیجہ تھے۔

حضرت عمر اب ان فتنوں کا سدِ باب کر دینا چاہتے تھے۔ اسکی صورت یہی تھی کہ احنف بن قیس کی رائے کے مطابق ان فتنوں کا سر کچل دیا جائے۔ یعنی ایرانی شہنشاہیت کو ختم کر دیا جائے۔

معرکۂ نہاوند سے فراغت کے بعد، آپ نے اس ارادہ پر عمل فرمانے کا فیصلہ فرما لیا چنانچہ ۱۸ھ کے آغاز میں، کوفہ اور بصرہ کی چھاؤنیوں سے ایران کے مختلف صوبوں کی فتح کیلئے مختلف سرداروں کی ماتحتی میں فوجیں روانہ ہو گئیں

اور ۲۳ھ تک پانچ سال کے قلیل عرصہ میں سلطنت ایران کے اکثر مشرقی و مغربی علاقے اسلامی جھنڈے کے سایہ میں آ گئے۔ ان فتوحات کی تفصیل درج ذیل ہے:

## فتح ہمذان :-

مشہور ایرانی سردار فیروزان نہاوند سے ہمذان کی طرف بھاگا تھا۔ حذیفہ نے ایک دستہ اس کے تعاقب کیلئے روانہ کیا۔ اس دستہ نے ہمذان کے قریب اسے گھیر کر قتل کر دیا۔ اہلِ ہمذان نے صلح کی درخواست کی جو قبول کر لی گئی۔

اہلِ ماہ کو جب یہ خبر پہنچی تو انہوں نے بھی صلح کی درخواست کی چنانچہ ان کی درخواست بھی منظور کر لی گئی۔

حذیفہ اپنے لشکر کو لے کر لوٹ رہے تھے کہ انہیں خبر ملی ہمذان میں غدر ہو گیا۔ حذیفہ نے نعیم بن مقرن کو اس طرف روانہ کیا۔ نعیم نے ہمذان پہنچکر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ محصورین نے عاجز آ کر پھر صلح کی درخواست کی جو قبول کر لی گئی۔

یہاں سے نعیم نے واج رود کا قصد کیا۔ جہاں روم، دیلم، اہلِ آذربیجان اور اہلِ رے مجتمع ہو کر مقابلہ کی تیاریاں کر رہے تھے۔ واج رود میں شدید جنگ ہوئی اور آخر کفار نے شکست کھائی۔ نعیم نے حضرت عمر کو جو کفار کی تیاریوں سے بہت فکرمند تھے فتح کی بشارت بھیجی۔ حضرت عمر نے نعیم کو لکھا کہ وہ رے (طہران کے جنوب مشرق میں ایک شہر ہے) پر حملہ کریں۔ نعیم جب شہر کے قریب پہنچے تو سیاوش جو شہر کا حاکم تھا اپنی فوجیں لیکر مقابلہ پر آیا اور سخت جنگ ہوئی۔ ابھی لڑائی جاری ہی تھی

کہ ابو الفرخاں شہر رَے کا ایک رئیس نعیم سے آملا۔ ابو الفرخاں نے نعیم سے کہا کہ آپ ایک دستہ میرے حوالہ کریں میں خفیہ راستہ سے شہر میں داخل ہو جاؤں گا۔ چنانچہ نعیم نے باہر سے حملہ کیا اور ابو الفرخاں کے ساتھیوں نے اندر سے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ سیاوش بدحواس ہو کر بھاگا اور رَے پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ نعیم نے ابو الفرخاں ہی کو رَے کا والی مقرر کر دیا۔

## فتح طبرستان :۔

اسکے بعد نعیم نے اپنے بھائی سوید کو قومس (خراسان اور بلاد جبل کے درمیان ایک شہر ہے) کی طرف روانہ کیا۔ اہلِ قومس کو مقابلہ کی جرأت نہوئی اور شہر بلا مقابلہ فتح ہو گیا۔ یہاں سے سوید نے جرجان کا رُخ کیا۔ حاکم جرجان نے صلح کی درخواست کی جو قبول کی گئی۔ یہیں حاکمِ طبرستان کی درخواست صلح پہنچی۔ حاکمِ طبرستان کی خواہش تھی کہ اس سے یکمشت خراج کے طور پر کچھ رقم وصول کر لی جایا کرے اور پھر اس سے اور اسکے اہلِ ملک سے کوئی سروکار نہ رہے۔ یہ درخواست منظور کر لی گئی اور اس مضمون کا صلح نامہ لکھ کر دیدیا گیا :۔

"حاکمِ طبرستان کو اس شرط پر امان دی جاتی ہے کہ وہ اہلِ طبرستان کو ہماری مخالفت سے باز رکھے اور ہمارے باغیوں کو پناہ نہ دے اور پانچ لاکھ درہم سالانہ ادا کرتا رہے۔ جبتک حاکمِ طبرستان اس شرط کو پورا کرتا رہے گا ہمیں اسکے ملک سے کوئی سروکار نہو گا۔ البتہ ہم اس کے ملک میں اس کی اجازت سے

داخل ہوسکیں گے۔ اسی طرح اہل طبرستان ہمارے ملک میں آسکیں گے۔ اگر حاکم طبرستان نے ہمارے باغیوں کو پناہ دی یا ہمارے دشمنوں سے ساز باز کی تو پھر یہ عہد نامہ منسوخ سمجھا جائیگا۔[1]

## فتح اصفہان :۔

حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن عتبان امیر بصرہ کو حکم بھیجا کہ اصفہان کی طرف روانہ ہوں اور ابوموسیٰ اشعری کو ان کی مدد کا حکم دیا۔ عبداللہ اصفہان آئے تو وہاں اسبیذان سے مقابلہ ہوا۔ دونوں فریقوں میں سخت لڑائی ہوئی۔ آخر مسلمان فتح یاب ہوئے اور اسبیذان نے صلح کی درخواست کی۔ یہ درخواست قبول کرلی گئی۔ پھر عبداللہ جے کی طرف بڑھے جو اصفہان کا صدر مقام تھا۔ فاذوسقان امیر اصفہان خود مقابلہ کے لئے آیا اور عبداللہ کو مبارزت کے لئے طلب کیا۔ پہلے فاذوسقان نے وار کیا جسے عبداللہ نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ خالی دیا۔ جب عبداللہ کی باری آئی تو فاذوسقان نے کہا میں آپ سے لڑنا نہیں چاہتا۔ اس شرط پر صلح چاہتا ہوں کہ جو چاہے جزیہ دیکر رہے اور جو چاہے ملک چھوڑ کر چلا جائے۔ عبداللہ نے اس شرط کو قبول کرلیا اور صلح نامہ لکھ دیا۔

## فتح آذربیجان :۔

بکیر بن عبداللہ اور عتبہ آذربیجان[2] کی طرف روانہ ہوئے۔ دربارِ خلافت سے

---

[1] اتمام الوفاء، ص ۱۰۹ [2] آذربیجان بحرخزر (کیسپین) کے مغرب میں ہے۔ اس کا صدر مقام پہلے شہر مراغہ تھا اور آج کل تبریز ہے۔

نعیم بن مقرن فاتح رے کو حکم پہنچا کہ وہ سماک بن خرشہ کو بھیجکر ان کی مدد کریں۔ جب بکیر، جرمیدان کے پہاڑوں پر پہنچے تو واج رود کے منہ میں نے اسفندیار کی زیر سرکردگی ان کا مقابلہ کیا۔ یہ اسفندیار رستم مقتولِ قادسیہ کا بھائی تھا۔ مسلمانوں نے اسفندیار کو زندہ گرفتار کر لیا۔ اسفندیار نے بکیر سے کہا تم امن پسند کرتے ہو یا جنگ؟ بکیر نے جواب دیا امن پسند کرتے ہیں۔ اسفندیار بولا تو مجھے قتل نہ کرنا۔ جب تک میں تم سے صلح نہ کروں گا اہلِ آذربیجان صلح نہ کرینگے۔ بکیر نے اسفندیار کی بات مان لی۔ اب بکیر کو نعیم کی مدد پہنچ گئی اور وہ آذربیجان کی طرف بڑھے۔ اہلِ آذربیجان نے اسفندیار کے کہنے سے جزیہ پر صلح کر لی۔ حضرت عمرؓ کو فتح کی بشارت بھیجی گئی۔ انہوں نے حکم دیا کہ عتبہ بن فرقد آذربیجان کے والی ہوں اور بکیر آگے بڑھ کر لشکرِ باب کی مدد کریں۔

## فتح باب :-

سراقہ بن عمروؓ باب کی طرف بڑھے جو ایران، آرمینیہ اور روس کی حدود اتصال پر ایک سرحدی شہر ہے۔ مقدمۃ الجیش پر عبدالرحمٰن بن ابی ربیعہ تھے بکیر سراقہ سے پہلے ہی وہاں پہنچ کر خیمہ زن ہو چکے تھے۔ باب کا رئیس شہر براز ایک ایرانی سردار تھا۔ وہ خود اسلامی سپہ سالار کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں سلطنت ایران کا ماتحت تھا۔ جب آپ نے اس سلطنت ہی پر قبضہ کر لیا تو پھر میں آپ کی اطاعت سے باہر کیسے ہو سکتا ہوں؟ لیکن میری خواہش ہے

کہ مجھ سے جزیہ نہ لیا جائے۔ بلکہ اس کی بجائے فوجی خدمات قبول کی جائیں۔ جزیہ حقیقت میں فوجی خدمات ہی کا صلہ تھا۔ اسلامی سپہ سالار نے رئیس باب کی اس درخواست کو قبول کر لیا اور حضرت عمرؓ کو اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ نے بھی اس شرط کو منظور فرمایا۔

"باب" کی فتح کے بعد، سراقہ نے اپنی فوجیں آرمینیہ کے سرحدی پہاڑی علاقوں کی طرف بڑھائیں۔ بکیر بن عبداللہ موقان کی طرف روانہ ہوئے اور حبیب بن مسلمہ تفلس[1] کی طرف اور حذیفہ جبال اللان[2] کی طرف۔ بکیر نے موقان کو فتح کر کے اسلامی سلطنت میں شامل کر لیا۔ یہ واقعہ ۲۱ھ کا ہے۔

اس کے بعد سراقہ کا انتقال ہو گیا اور عبدالرحمٰن بن ابی ربیعہ ان کے قائم مقام منتخب ہوئے۔ عبدالرحمٰن حضرت عمرؓ کے حکم سے باب سے بلادِ خزر کی طرف بڑھے۔ شہر براز نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے۔ عبدالرحمٰن بولے بلنجر (ملک خزر کا دارالسلطنت) پہنچ کر ترکوں سے دو دو ہاتھ کرنا چاہتا ہوں۔ شہر براز نے کہا ہم تو یہی غنیمت سمجھتے تھے کہ وہ ہم پر حملہ آور نہ ہوں۔ عبدالرحمٰن نے جواب دیا لیکن میں ان کے ملک میں گھسے بغیر نہ مانوں گا۔ قسم ہے خدائے پاک کی

---

[1] تفلس گرجستان کا صدر مقام ہے اور آج کل حدود روس میں شامل ہے۔

[2] اللان آرمینیہ سے متصل بحیرہ خزر اور بحیرہ اسود کے درمیان کا علاقہ ہے۔ یہ بھی آج کل مملکتِ روس میں شامل ہے۔

میرے ساتھ وہ جماعت ہے کہ اگر اسے امیر کا حکم ملے تو سدِ سکندری تک پہنچ جائے۔ شہر باز نے تعجب سے پوچھا وہ کون جماعت ہے؟ عبدالرحمٰن نے جواب دیا۔ وہ وہ جماعت ہے جس نے محمد رسول اللہ صلعم کی صحبت پائی ہے اور خلوصِ نیت کے ساتھ دینِ اسلام میں داخل ہوئی ہے۔ جاں سپاری و فداکاری کا یہ جذبہ ان میں اس وقت تک باقی رہے گا جب تک دوسری قومیں ان پر غلبہ پا کر ان کی ذہنیت کو نہ بدل دیں۔

چنانچہ عبدالرحمٰن باب سے روانہ ہو کر بلنجر پہنچے۔ بلنجر کے ترکوں نے مسلمانوں کی اس ہمت کو دیکھا تو انہوں نے سمجھا کہ یہ انسان نہیں ہیں بلکہ فرشتے ہیں۔ ترکوں نے مسلمانوں سے قطعاً تعرض نہ کیا اور سپہ سالارِ اسلامی کے سپید گھوڑے نے بلنجر سے آگے دوسو فرسخ پہنچکر دم لیا[1]۔ ان فتوحات کے بعد عبدالرحمٰن "باب" کے والی مقرر ہو کر وہیں مقیم ہو گئے۔

## فتح خراسان:۔

یزدگرد شہنشاہ ایران اپنے نئے دار السلطنت "مرو شاہجہاں" میں مقیم تھا اور مسلمانوں سے مقابلہ کی تیاریاں کر رہا تھا۔ احنف بن قیس ۲۲ھ میں اسکے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے۔ پہلے ہرات فتح کیا اور پھر مرو شاہجہاں کی طرف بڑھے۔ یزدگرد مرو شاہجہاں کو چھوڑ کر مرو رود چلا گیا اور خاقان چین،

---

[1] اتمام الوفاء صفحہ ۱۳۱۔ البدایہ والنہایہ ج ۷، صفحہ ۱۲۳

بادشاہ ترکستان اور بادشاہ صغد سے مدد کی درخواست کی۔ احنف نے بڑھ کر مروشاہجہاں پر قبضہ کرلیا اور پھر مرورود کا رُخ کیا۔ یزدگرد یہاں سے بھی بھاگا اور بلخ پہنچ کر مقیم ہوا۔ احنف نے مرورود پر بھی قبضہ کرلیا۔ مرورود میں احنف کی مدد کے لئے کوفہ سے تازہ دم فوجیں آگئیں۔ احنف نے انہیں لیکر بلخ پر حملہ کردیا۔ یزدگرد بہادری کے ساتھ لڑا مگر شکست کھاکر بھاگا اور دریائے جیحون کو پار کرکے ترکستان کے علاقہ میں داخل ہوگیا۔

جب یزدگرد فرغانہ پہنچا تو شاہ ترکستان نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی اور اس کی امداد کیلئے فوجیں تیار کیں۔ یزدگرد شاہ ترکستان کے ساتھ دریا پار کرکے پھر واپس آیا۔ وہ خود مروشاہ جہاں کی طرف بڑھا اور شاہ ترکستان مرورود کی طرف روانہ ہوا۔ شاہ ترکستان کو مرورود میں احنف کے مقابلہ میں ہزیمت اُٹھانی پڑی اور وہ اپنی فوجوں کو لیکر ترکستان کی طرف لوٹ گیا۔ یزدگرد کو جب یہ خبر پہنچی تو اسکی ہمت بھی ٹوٹ گئی۔ جواہرات اور خزانہ جو کچھ ساتھ تھا لیکر ترکستان کی طرف بھاگا۔ اس کے ساتھیوں نے جب دیکھا کہ سلطنت گئی سو گئی، ملک کی دولت بھی ترکستان جارہی ہے، اس کا سارا ساز و سامان لوٹ لیا۔ یزدگرد لٹا کھٹا شاہ فرغانہ کے پاس پہنچا اور حضرت عمرؓ کے آخر زمانہ تک وہیں مقیم رہا۔ امراء خراسان نے احنف بن قیس سے امان طلب کی اور جزیہ پر ان سے صلح کرلی، اہلِ خراسان، اسلامی حکومت کے سایہ میں پہلے سے زیادہ امن و عافیت کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے۔

## فتح فسا و دارابجرد:۔

سار یہ بن زنیم کلابی، فسا اور دارابجرد کے شہروں پر حملہ آور ہوئے یہاں کے ایرانی باشندوں نے اپنے پڑوسی کردوں سے مدد طلب کی اور بڑا سخت معرکہ پیش آیا۔ لڑائی کے دوران میں ایک موقعہ پر ساریہ دشمنوں میں گھر گئے اس وقت انہوں نے حضرت عمرؓ کی آواز سنی کہ فرما رہے ہیں:۔

یاساریہ الجبل الجبل اے ساریہ پہاڑ کی پناہ لو پہاڑ کی پناہ لو!

ساریہ اپنی فوج کو ہٹا کر پہاڑ کے دامن میں چلے گئے اور پہاڑ کو پشت پر رکھ کر جنگ کی اور کامیاب ہوئے۔

فتح کے بعد ساریہ نے بشارتِ فتح اور خمس دیگر ایک قاصد کو مدینہ روانہ کیا۔ مدینہ والوں نے قاصد سے کہا فلاں روز فلاں وقت خلیفۃ المسلمین خطبہ دے رہے تھے کہ یکایک چیخ پڑے "یاساریہ الجبل الجبل!" اور پھر فرمایا کہ "خدا کی بیشمار غیبی مخلوق ہے شاید کوئی میری آواز ساریہ تک پہنچا دے" کیا تم نے وہ آواز سنی تھی۔ قاصد نے کہا اسی آواز پر تو ساریہ اپنی فوج کو ہٹا کر پہاڑ کے دامن میں لے گئے اور فتح پائی [1]

حضرت عمرؓ نے ساریہ کو دارابجرد کا والی مقرر کیا اور وہ یہیں قیام پذیر ہو گئے۔

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۷ صـ ۱۳۱

## فتح کرمان:۔

سُہیل بن عدی کرمان کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت عمر نے عبد اللہ بن عبد اللہ بن عتبان کو ان کی امداد کے لئے روانہ کیا۔ کرمان میں ایرانیوں کے ایک لشکر عظیم سے مقابلہ ہوا۔ رئیس کرمان میدانِ جنگ میں قتل ہوا اور مسلمان فاتحانہ شہر میں داخل ہوئے۔

## فتح سجستان:۔

عاصم بن عمر سجستان (سیستان) کی طرف روانہ ہوئے۔ اہل سجستان نے آگے بڑھ کر مقابلہ کیا، لیکن شکست کھا کر بھاگے۔ مسلمانوں نے سجستان کے صدر مقام زرنج کا محاصرہ کرلیا۔ محصورین نے تنگ آکر اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ تمام صحرائی علاقہ ان کے جانوروں کیلئے مخصوص رہے۔ مسلمانوں نے اس شرط کو قبول کرلیا، اور اس وعدہ کو اس سختی سے نبھایا کہ جب ادھر سے گزرتے تھے تو بڑی جلدی سے نکل جاتے تھے کہ کہیں عہد شکنی نہ ہوجائے۔

## فتح مکران:۔

حکم بن عُمیر تغلبی مکران (سندھ اور نہر بلخ کا درمیانی علاقہ) کی طرف روانہ ہوئے۔ سہیل بن عدی اور عبد اللہ بن عبد اللہ فاتحینِ کرمان بھی ان کے ساتھ آملے۔ اسلامی لشکر فتح کے جھنڈے اُڑاتا ہوا نہر سندھ کے کنارے تک پہنچ گیا۔ یہاں اہلِ مکران مقابلہ کے لئے آئے اور راجہ سندھ نے بھی ان کی مدد

کے لئے زبردست فوج بھیجی۔ بلوچیوں اور سندھیوں کی مشترکہ فوج کا مسلمانوں سے مقابلہ ہوا اور شکست فاش کھا کر بھاگی۔ مسلمانوں نے مکران پر قبضہ کر لیا۔ حکم نے صحار عبدی کے ہاتھ بشارت نامہ اور خمس مدینہ روانہ کیا۔ حکم بلادِ ہند میں آگے بڑھنا چاہتے تھے، مگر حضرت عمر فتوحات کی توسیع کے حق میں نہ تھے اس لئے انہیں پیش قدمی سے روک دیا[1]

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۷ صد ۱۳۲

# فتوحاتِ شام و فلسطین

## فتح دمشق

حضرت عمر فاروق کے آغازِ خلافت میں ہم نے لشکرِ اسلام کو وادی یرموک میں فتح و ظفر کے جھنڈے اڑاتے چھوڑا تھا۔ جنگِ یرموک سے فارغ ہو کر حضرت ابوعبیدہ سالارِ افواجِ اسلامیہ کو معلوم ہوا کہ شکست خوردہ رومی لشکر مقام فحل میں پہنچکر رُکا ہے، دوسری طرف قیصرِ روم نے ایک لشکرِ عظیم مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے دمشق میں جمع کیا ہے۔ انہوں نے حضرت عمر سے پوچھا کہ کس طرف کا قصد کریں؟ حضرت عمر نے حکم دیا کہ ایک دستہ فوج فحل کی طرف بھیجدو جو منہزمینِ یرموک کو اُلجھائے رکھے اور خود دمشق کی طرف بڑھو کیونکہ وہ شام کا قلعہ اور دارالسلطنت ہے۔

حضرت ابوعبیدہ نے ایک دستہ فحل کی طرف روانہ کیا جس نے پہنچکر شہر کا محاصرہ کر لیا، ایک دستہ حمص اور دمشق کے درمیان متعین کیا۔ اور ایک دستہ دمشق اور فلسطین کے درمیان متعین کیا، تاکہ ان مقامات سے دمشق کو امداد نہ پہنچ سکے۔ باقی فوج کو لے کر حضرت ابوعبیدہ دمشق کی طرف بڑھے۔ دمشق میں رومی افواج کا سالار نسطار بن نسطوس تھا۔ اس نے جب

مسلمانوں کی آمد کی خبر سُنی تو شہر بند ہو بیٹھا۔ اسلامی لشکر نے دمشق کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ایک دروازہ پر حضرت ابوعبیدہ تھے، دوسرے دروازہ پر عمرو بن عاص تھے، تیسرے دروازہ پر خالد بن ولید تھے، چوتھے دروازہ پر یزید بن ابی سفیان۔ مسلمان ستر روز تک شہر کا محاصرہ کئے پڑے رہے۔ اس دوران میں کبھی کبھی رومی فصیل پر چڑھ کر تیر باری کرتے تھے اور مسلمان بھی اس کا جواب دیتے تھے۔ مگر رومیوں کو یہ ہمّت نہ ہوتی تھی کہ میدان میں آکر مقابلہ کریں۔

## خالد کی جرأتِ مردانہ :-

خالد بن ولید رات کے وقت بہت کم سوتے تھے اور دشمن کے حالات کی پوری پوری خبر رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ ایک رات انہوں نے شہر میں غیر معمولی شور و شغب کی آواز سُنی جاسوسوں کے ذریعہ تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ بطریق دمشق کے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے۔ اس کی خوشی میں قلعہ میں رقص و سرود کی محفلیں برپا ہیں اور رومی شراب پی پی کر بدمست ہو رہے ہیں۔

خالد بن ولید نے اس موقعہ سے فوراً فائدہ اُٹھایا۔ چند جانباز ساتھیوں کو لیکر خندق کو پار کر کے فصیل کے نیچے پہنچ گئے۔ رسّیوں کی سیڑھیاں بنائیں۔ ان کے کناروں پر پھندے لگائے اور ان پھندوں کو فصیل کے کنگروں میں اٹکا دیا۔ پھر ان رسّی کی سیڑھیوں کے ذریعہ فصیل پر چڑھ گئے اور نیچے آتر کر پہرہ داروں کو قتل کر کے شہر کا دروازہ کھول دیا اور

نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ تکبیر کی آواز سنتے ہی خالد بن ولید کے دستہ کے باقی سپاہی دروازہ کے راستہ شہر میں داخل ہو گئے۔ رومی اس بلائے ناگہانی سے حیران رہ گئے۔ اور تو کچھ بن نہ پڑی۔ شہر کا دوسرا دروازہ کھول کر حضرت ابو عبیدہ کی خدمت میں پہنچے اور صلح کی درخواست کی۔ حضرت ابو عبیدہ کو خالد بن ولید کی کارگزاری کی خبر نہ تھی۔ اسلامی آئین جنگ کے مطابق فوراً ان کی درخواست کو قبول کر لیا اور وہ اپنے دستہ فوج کے ساتھ مصالحانہ شہر میں داخل ہو گئے۔ شہر کے وسط میں دونوں سرداروں کی آپس میں ملاقات ہوئی تو انہیں رومیوں کی اس چالاکی کا علم ہوا۔ اب یہ بحث چھڑی کہ شہر کو بزور شمشیر مسخر قرار دیا جائے یا مصالحت کے ذریعہ مفتوح سمجھا جائے۔ حضرت ابو عبیدہ نے تمام شہر کو مصالحتاً مفتوح قرار دیا جو شرائط انہوں نے رومیوں سے طے کی تھیں وہی سارے شہر پر جاری کی گئیں۔ شرائط یہ تھیں کہ مفتوحین چاندی سونے اور جائداد کا پانچواں حصہ ادا کریں اور فی کس ایک دینار اور فی جریب زمین ایک جریب گیہوں ادا کرتے رہیں گے۔ اسکے بعد ان کا جان، مال، جائداد اور عبادت گاہیں محفوظ ہوں گی اور ان پر کسی قسم کا تصرف نہ کیا جائے گا۔[1] دمشق کی فتح رجب ۱۴ھ میں عمل میں آئی۔

حضرت ابو عبیدہ نے حضرت عمر کو فتح کی بشارت بھیجی۔ یزید بن ابی سفیان کو دمشق کی نگرانی کیلئے چھوڑ گیا۔ انہوں نے وہاں مقیم ہو کر آس پاس کے شہر

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام ج ۲ ص ۲۲۴ بحوالہ طبری

صیدا، عرق، جبیل اور بیروت فتح کر لئے۔ یزید بن ابی سفیان کے چھوٹے بھائی معاویہ بن ابی سفیان قیساریہ کی طرف بڑھے اور اسے فتح کر لیا۔

## معرکہ فحل :-

دمشق کی فتح کے بعد حضرت ابوعبیدہ فحل کی طرف بڑھے۔ خالد بن ولید، عمرو بن العاص، ضرار بن الاسود اور شرجبیل بن حسنہ ان کے ساتھ تھے رومیوں نے شہر کی حفاظت کیلئے یہ تدبیر کی تھی کہ اطرافِ شہر کی نہروں کے بند کاٹ دیئے تھے اور شہر کے چاروں طرف عالمِ آب نظر آتا تھا۔ اسلامی فوجوں نے شہر کے قریب پہنچکر اس کا محاصرہ کر لیا۔ ایک رات رومی سردار سقلار شبخون مارنے کے ارادہ سے شہر سے باہر نکلا۔ شرجبیل بن حسنہ حضرت عمر کی ہدایت کے مطابق رات کو جاگتے رہتے تھے اور ان کا دستہ فوج بھی جنگی ترتیب کے مطابق مرتب رہتا تھا۔ رومی سردار سقلار کا شرجبیل سے مقابلہ ہوا۔ نہایت سخت معرکہ پیش آیا۔ ساری رات ہولناک لڑائی ہوتی رہی اور اگلے دن بھی لڑائی جاری رہی۔ رات ہوتے رومی سردار مارا گیا اور رومی شکست کھا کر بھاگے۔ مگر بھاگ کر کہاں جاتے۔ پیچھے پہلے ہی پانی چھوڑ کر شہر کا راستہ بند کر چکے تھے۔ اسی ہزار قتل ہوئے اور بے شمار مالِ غنیمت چھوڑا۔

## معرکہ مرج روم :-

فتح فحل کے بعد حضرت ابوعبیدہ نے ایک دستہ شرجبیل کی سرداری میں

بیسان کی طرف روانہ کیا اور دوسرا طبریہ (صدر مقام اردن) کی طرف۔ دونوں مقامات دمشق کی شرائطِ صلح پر فتح ہو گئے۔

اب حضرت ابو عبیدہ، خالد بن ولید کے ساتھ حمص کی طرف روانہ ہوئے جب "مرج روم" پر پہنچے تو رومیوں کے دو لشکروں سے مڈبھیڑ ہوئی، جنہیں قیصر روم نے مسلمانوں کو روکنے کے لئے بھیجا تھا۔ ان میں سے ایک لشکر کا سردار توذر تھا اور دوسرے کا شنس۔ ابو عبیدہ نے شنس کے مقابلہ میں اپنی صفیں آراستہ کیں اور خالد نے توذر کے۔ صبح کو جب مقابلہ کا وقت آیا تو معلوم ہوا کہ توذر دمشق کی طرف روانہ ہو گیا ہے تاکہ بے خبری میں یزید بن ابی سفیان کو جا گھیرے۔ خالد بن ولید فوراً اسکے پیچھے روانہ ہو گئے۔ ادھر یزید بن ابی سفیان کو بھی توذر کی روانگی کی خبر معلوم ہو گئی۔ وہ بھی اپنی فوج لیکر مقابلہ کے لئے باہر نکلے۔ دمشق کے باہر دونوں فوجوں میں مقابلہ ہوا۔ لڑائی کے دوران میں خالد بن ولید پہنچ گئے اور رومی لشکر پر پیچھے سے حملہ کر دیا۔ توذر کی فوج کا ایک آدمی بھی زندہ نہ بچا۔

ادھر مرج روم، میں ابو عبیدہ کا شنس سے مقابلہ ہوا۔ اور انہوں نے اسے شکست دیدی۔

## فتح حمص:۔

قیصر روم اس وقت حمص میں مقیم تھا۔ اسے جب توذر و شنس کی ہزیمت

اور مسلمانوں کی پیش قدمی کی خبر پہنچی تو وہ حمص کو چھوڑ کر انطاکیہ چلا گیا۔ حضرت ابو عبیدہ بعلبک کو فتح کرتے ہوئے حمص پہنچے اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ محصورین ایک عرصہ تک ہرقل کی مدد کے انتظار میں تکلیفیں جھیلتے رہے۔ جب انہیں اس طرف سے مایوسی ہوگئی تو انہوں نے ابو عبیدہ کے پاس پیغام بھیجکر دمشق کی شرائط پر صلح کر لی۔

حضرت ابو عبیدہ نے حمص کو عبادہ بن صامت کی نگرانی میں دیا اور خود آگے بڑھے۔ حماہ، شیزر، معرہ، کے باشندوں نے دمشق کی شرائط پر صلح کر لی۔ اس کے بعد مسلمان لاذقیہ (مضافات حلب) کی طرف بڑھے۔ اہلِ لاذقیہ مقابلہ کے لیئے نکلے اور شکست کھا کر شہر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ پھر مسلمانوں سے امان طلب کی اور واپسی کی اجازت چاہی۔ حضرت ابو عبیدہ نے اجازت دیدی مسلمانوں نے یہاں ایک جامع مسجد بھی تعمیر کی۔

## فتح قنسرین:۔

حضرت ابو عبیدہ نے خالد بن ولید کو قنسرین کی فتح کیلئے بھیجا۔ مقام حاضر پر رومیوں کے ایک بڑے سردار "میناس" نے مسلمانوں کا مقابلہ کیا لیکن خالد نے اسے شکستِ فاش دیدی۔ خالدؓ قنسرین پہنچے تو اہل قنسرین شہر بند ہو بیٹھے۔ خالد نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور اہلِ شہر سے کہلا بھیجا کہ شہر بند ہونے سے کوئی نتیجہ نہیں۔ اگر تم آسمان پر بھی چڑھ جاؤ تو یاتو خدا ہمیں تم تک

پہنچا دیگا یا تمہیں ہمارے پاس اُتار لائے گا۔“

اہلِ قنسرین کو جب مسلمانوں کی اطاعت کے سوا چارہ نظر نہ آیا تو شہر کے دروازے کھول دئے۔ اہلِ قنسرین سے بھی دمشق کی شرائط پر صلح ہوگئی۔

حضرت عمرؓ کو جب خالد بن ولید کے ان کارناموں کی خبر پہنچی تو آپ بہت خوش ہوئے۔ آپ نے فرمایا خالد بن ولید نے اپنے کارناموں سے خود اپنے آپ کو سپہ سالار بنالیا ہے۔ خدا ابو بکرؓ پر رحمتِ بیکراں نازل کرے، وہ مجھ سے زیادہ مردم شناس تھے کہ انہوں نے خالد کو ان کے صحیح مرتبہ پر سرفراز کردیا تھا۔ میں نے خالد کو اس عرتبہ سے معزول کیا تو ان کی کسی کمزوری کی وجہ سے نہیں بلکہ مجھے خوف ہوا کہ کہیں مسلمان ان کی شخصیت پر بھروسہ نہ کر بیٹھیں، اور اسلامی فتوحات کو ان کی جنگی مہارت پر محمول نہ کریں۔ پھر حضرت عمرؓ نے خالد بن ولید کے عہدہ اور اختیارات میں اضافہ فرمادیا[۱]

## الوداع اے شام!

قیصرِ روم "ہرقل" انطاکیہ میں مقیم تھا کہ اسے ان مسلسل شکستوں کی خبر پہنچی۔ وہ ملک شام کی طرف سے مایوس ہوگیا اور قسطنطنیہ کا عزم کیا۔

قیصر کا دستور تھا کہ جب وہ حج بیت المقدس سے فارغ ہوکر قسطنطنیہ واپس جاتا تو وہ ملک شام کی سرحد کو پار کرتے ہوئے یہ الفاظ کہتا:۔

---

[۱] اشہر مشاہیر الاسلام ج ۲ ص ۲۶۰

"اے شام مسافر کا سلام قبول ہو، جس کا جی تجھ سے نہیں بھرا ہے اور جو پھر تیری طرف لوٹ کر آنے والا ہے!"

لیکن اس مرتبہ جب وہ مقام شمشاط پہنچا تو ایک بلند پہاڑی پر کھڑے ہو کر اس نے بیت المقدس کی طرف رُخ کیا اور کہا:۔

"اے شام، رخصت ہونے والے کا سلام قبول ہو! یہ ایسی جدائی ہے جس کے بعد ملاقات ممکن نہیں!"

قیصر جب قسطنطنیہ پہنچ گیا تو وہاں ایک رومی مسلمانوں کی قید سے بھاگ کر آیا۔ قیصر نے اس رومی سے کہا مجھے کچھ حالات مسلمانوں کے سُناؤ! رومی نے کہا:۔

"اے بادشاہ وہ لوگ دن کو شہسوار ہیں اور رات کو عابدِ شب زندہ دار وہ اپنے مفتوحین کا مال بے قیمت ادا کئے استعمال نہیں کرتے اور جس ملک میں داخل ہوتے ہیں امن و سلامتی کی برکتیں اپنے ساتھ لاتے ہیں۔ لیکن جو قوم ان کا مقابلہ کرے اسے اس وقت تک نہیں چھوڑتے جب تک وہ ہتھیار نہ ڈال دے"۔

قیصر نے کہا:۔

"اگر مسلمان ایسے ہی ہیں تو وہ میرے قدموں تلے کی زمین بھی فتح کر لینگے"۔[1]

## فتح حلب:۔

حضرت ابو عبیدہ حلب کی طرف بڑھے۔ اہلِ حلب قلعہ بند ہو بیٹھے۔

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۷، ص ۵۳

اسلامی فوجیں شہر کا محاصرہ کئے پڑی رہیں۔ جب اہلِ حلب نے دیکھا کہ نجات کی کوئی صورت نہیں تو حضرت ابو عبیدہ کے پاس پیغامِ صلح بھیجا اور اپنی جان، مال، اولاد، گرجوں اور قلعوں کے مامون و محفوظ رہنے کا مطالبہ کیا۔ حضرت ابو عبیدہ نے ان کی درخواست کو قبول کر لیا۔ اور دمشق کی شرائط پر صلح کر لی گئی۔ یہاں بھی ایک مسجد تعمیر کی گئی۔

## فتح انطاکیہ :-

فتح حلب کے بعد حضرت ابو عبیدہ انطاکیہ کی طرف بڑھے۔ انطاکیہ قیصرِ روم کا ایشیائی دارالسلطنت تھا اور اپنی جغرافی حیثیت، فوجی مرکزیت اور سیاسی اہمیت کے لحاظ سے خاص طور پر ممتاز تھا۔ قنسرین اور دوسرے مفتوحہ علاقوں کے عیسائی یہیں آکر پناہ گزین ہو گئے تھے۔ جب مسلمان انطاکیہ کے قریب پہنچے تو عیسائیوں کی ایک جمعیت شہر سے نکل کر ان کے مقابلہ پر آئی، مگر شکست کھا کر پھر شہر میں گھس گئی اور شہر کے دروازے بند کر لئے۔ اسلامی فوجوں نے چاروں طرف سے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ کچھ عرصہ محصور رہنے کے بعد آخر اہلِ انطاکیہ نے صلح کا پیغام بھیجا اور درخواست کی کہ ان میں سے جو لوگ شہر کو چھوڑ کر کہیں اور جانا چاہیں انہیں جانے کی اجازت دی جائے اور جو رہنا چاہیں ان سے شرائطِ دمشق کے مطابق جزیہ لیا جائے۔ حضرت ابو عبیدہ نے اس درخواست کو قبول فرما لیا۔

فتح انطاکیہ کے بعد انطاکیہ کی اہمیّت کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضرت عمر کے حکم سے یہاں ایک چھاؤنی قائم کی گئی۔

اسکے بعد حضرت ابو عبیدہ نے معرہ مصرین کی طرف رُخ کیا اور اسے صلحاً فتح کر لیا۔ پھر آپ نے آس پاس کے علاقوں کی فتح کیلئے دستے روانہ کئے۔ چنانچہ تورس، تل عزاز، منبج وغیرہ فتح ہو گئے۔ حضرت ابو عبیدہ خود بالس کی طرف روانہ ہوئے اور حبیب بن مسلمہ کو قاصرین کی طرف بھیجا اور یہ مقامات بھی صلحاً فتح ہو گئے۔ اس طرح اسلامی فوجوں نے شام کو مشرق میں حدودِ فرات تک اور شمال میں ایشیائے کوچک تک فتح کر لیا۔

ان فتوحات کے بعد حضرت ابو عبیدہ نے ہر ہر پرگنہ کے انتظام کیلئے عامل مقرر کیا اور اس کی حفاظت کیلئے دستۂ فوج متعیّن کیا۔

حضرت ابو عبیدہ خود فلسطین کی طرف لوٹ آئے۔ آپ نے میسرہ بن مسروق اور مالک بن حارث اشتر کی سرداری میں ایشیائے کوچک کی طرف ایک لشکر روانہ کیا ان کا مقابلہ رومیوں اور عیسائی عربوں کی ایک جماعت سے ہوا جو شام سے بھاگ کر ہرقل کی فوج سے مل جانا چاہتے تھے (ہرقل اب ملک شام کو چھوڑ کر جا چکا تھا) مسلمانوں نے ان کو شکست دے کر منتشر کر دیا۔

حضرت ابو عبیدہ نے ایک دوسرا لشکر مرعش کی طرف بھیجا۔ اس لشکر کے سردار خالد بن ولید تھے انہوں نے مرعش کو فتح کر لیا اور اسکے قلعہ کی اینٹ سے

اینٹ بجادی تاکہ رومی یہاں پناہ گزیں ہو کر پھر مسلمانوں پر حملہ کی تیاری کر سکیں [1]

## معرکۂ اجنادین :-

فتوحاتِ شام کی ترتیب قائم رکھنے کے لئے ہم تاریخی اعتبار سے آگے بڑھ گئے تھے۔ اب ہم پھر فلسطین کے حالات کی طرف لوٹتے ہیں۔

مرج روم اور بیسان کی فتوحات کے بعد، قیصر روم نے اپنے ایک خاص سردار ارطبون کو فلسطین کی مدافعت کے لئے معین کیا۔ ارطبون نے ایک فوج مقامِ رملہ میں متعین کی۔ ایک فوج بیت المقدس میں جمع کی اور ایک بڑی جمعیت کو لیکر مقامِ اجنادین میں مسلمانوں سے مقابلہ کی تیاریاں کرنے لگا۔

عمرو بن عاص جو اردن میں مقیم تھے اپنی فوج کو لیکر اجنادین کی طرف بڑھے اور علقمہ بن کلیم فراسی اور مسروق علی کو بیت المقدس کی طرف اور ابوایوب مالکی کو رملہ کی طرف بھیجا۔ اور کل واقعات کی حضرت عمر کو اطلاع دی۔

ارطبون اپنی چالاکی اور بہادری میں بہت مشہور تھا۔ ادھر عمرو بن عاص بھی کچھ اس سے کم نہ تھے۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ "رومی ارطبون کے مقابلہ میں ہمارا عربی ارطبون آیا ہے۔ دیکھیں کون بازی لیجاتا ہے؟"

عمرو بن عاص نے اجنادین پہنچکر رومیوں کا محاصرہ کر لیا اور عرصہ تک محاصرہ کئے پڑے رہے۔ ایک دن عمرو بن عاص خود سفیر بن کر ارطبون کے

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام ج ۲ ص ۲۶۳

قلعہ میں گئے اور وہاں کے فوجی حالات سے واقفیت حاصل کی۔ واپس آ کر آپ نے اپنی فوج کو حملہ کا حکم دیا۔ یرموک کی لڑائی کی طرح سخت لڑائی ہوئی آخر کار ارطبون نے شکست کھائی اور بیت المقدس کی طرف بھاگا۔ علقمہ بن کلیم فراسی نے جو بیت المقدس کے گرد گھیرا ڈالے پڑے تھے ارطبون کو راستہ دیدیا اور وہ شہر میں داخل ہوگیا۔

اجنادین کی فتح کے بعد، عمرو بن عاص نے غزہ، سبط، نابلس، لد، عمواس، جبرین، یافہ وغیرہ مقامات کو فتح کیا اور پھر بیت المقدس کی طرف روانہ ہو گئے۔[1]

---

[1] مورخین تاریخ اسلام میں یرموک اور اجنادین کے واقعات کی ترتیب میں اور ان کی تاریخ کی تعیین میں سخت اختلافات ہیں۔ بعض مورخین کی رائے ہے کہ واقعہ یرموک فتح دمشق سے قبل ظہور پذیر ہوا اور واقعہ اجنادین فتح دمشق کے بعد۔ ابن جریر طبری کی یہی رائے ہے۔ جدید مؤرخین میں سے خضری نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ واقعہ اجنادین فتح دمشق سے پہلے ہوا، اور واقعہ یرموک فتح دمشق کے بعد۔ علامہ بلاذری نے فتوح البلدان میں، اور ابن واضح نے تاریخ یعقوبی میں اسی رائے کا اظہار کیا ہے اور علامہ شبلی نعمانی نے الفاروق میں اسی کو ترجیح دی ہے۔ یہ اختلافات صرف عربی مؤرخین ہی میں نہیں ہیں، بلکہ انگریزی اور فرانسیسی مورخین میں بھی ہیں جن کی تاریخوں کے ماخذ رومی روایات

(بقیہ حاشیہ) ہیں۔ چنانچہ مشہور انگریزی مورخ اڈورڈ گبن نے اپنی "تاریخ سلطنت رومی" میں اور فرانسیسی مورخ نویل ڈیفرجی نے اپنی "تاریخ بلاد عرب" میں مختلف راہیں اختیار کی ہیں۔

عہدِ حاضر کے مشہور مورخ رفیق بک مصری نے اپنی کتاب اشہر مشاہیر الاسلام میں ان اختلافات کی تفصیلات کا ذکر کرنے کے بعد حسب ذیل محاکمہ کیا ہے:۔

ان روایات مختلفہ پر غور و فکر کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ فتوحات شام کے سلسلہ میں تین واقعات ظہور پذیر ہوئے جو اسباب و حالات اور محلِ وقوع کے لحاظ سے ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ (۱) اجنادین اولیٰ جو ۱۲ھ کی انتہا یا ۱۳ھ کی ابتدا میں پیش آیا، (۲) یرموک جو جمادی ۱۳ھ میں ظہور میں آیا۔ (۳) اجنادین ثانیہ جو ۱۴ھ یا ۱۵ھ میں واقع ہوا۔ ابن جریر طبری نے ان تینوں واقعات کو بیان کیا ہے لیکن اس نے اجنادین اولیٰ اور یرموک کے واقعات جن روایات سے بیان کئے ہیں ان سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یرموک مقدم تھا یا اجنادین اولیٰ یا یہ دونوں درحقیقت ایک ہی واقعہ ہیں۔ البتہ ان روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابتدائے فتوحاتِ شام میں اجنادین میں ایک جنگ ہوئی جس میں خالد بن ولید شریک نہ تھے۔ بلکہ یہ معرکہ یا رومیوں اور خالد بن سعید کے درمیان ہوا۔ جبکہ حضرت ابوبکر صدیق نے انہیں ماہان یا باہان کے مقابلہ کے لئے اطراف شام میں بھیجا۔ یا خالد بن سعید کے بعد آنے والے امیروں میں سے

بقیہ حاشیہ

کسی کے ساتھ پیش آیا۔ جب خالد بن سعید اور ان کے ساتھیوں نے باہان کو شکست دیدی اور مسلمان امرا متعدد لشکروں کو لیکر شام کے مختلف حصوں میں پھیل گئے تو ہرقل نے ان کے مقابلہ کے لئے تازہ دم اور کثیر التعداد فوجیں روانہ کیں۔ اب یہ سب امراء پیچھے لوٹ آئے اور مقام یرموک پر جمع ہو گئے اور حضرت ابوبکر سے مدد طلب کی۔ چنانچہ حضرت ابوبکر نے خالد بن ولید کو عراق سے شام بھیجا۔

خالد بن ولید کی آمد پر یرموک میں مشہور معرکہ کارزار گرم ہوا جس میں رومیوں کو شکست فاش ہوئی۔ اس واقعہ کے بعد مسلمان امراء دمشق کی طرف بڑھے اور اسے فتح کرلیا پھر فحل کو فتح کیا۔ پھر حضرت ابو عبیدہ حمص کی طرف بڑھے اور اسے فتح کرلیا۔

ان تمام فتوحات کے بعد ہرقل نے نئی فوجیں فلسطین کی طرف بھیجیں جو مقام اجنادین میں آکر جمع ہوئیں اور یہاں اجنادین ثانیہ کا معرکہ پیش آیا جس میں عمرو بن عاص اور ایک روایت کے مطابق خود حضرت ابو عبیدہ نے شام سے لوٹ کر حصہ لیا۔ اور مشہور رومی سردار ارطبون کو شکست دیکر بیت المقدس کی طرف بھگا دیا۔

(بقیہ حاشیہ) واقعہ کی اصلی تفصیل یہ ہے، بلاذری اور یعقوبی کو غلط فہمی یہ ہوئی کہ انہوں نے اجنادین میں ایک ہی لڑائی سمجھی اور اجنادین ثانیہ کو واقعہ یرموک قرار دیا حالانکہ تاریخی ثبوت اس امر کے حق میں ہے کہ واقعہ یرموک اس مقام پر پیش آیا جہاں پہلی مرتبہ حضرت ابوبکر کے آخر عہد میں امرائے اسلام جمع ہوئے اور خالد بن ولید ان کی مدد کے لئے عراق سے شام پہنچے۔ چنانچہ یاقوت معجم البلدان میں لکھتا ہے:۔

"یرموک ایک وادی ہے اطراف شام میں غور کے کنارہ جو پہلے نہراردن میں گرتی ہے اور پھر بحیرہ منتنہ میں جا ملتی ہے۔ حضرت ابوبکر کے عہد میں یہاں رومیوں اور مسلمانوں میں لڑائی ہوئی تھی اور خالد بن ولید عراق کو چھوڑ کر مسلمانوں کی مدد کے لئے آئے تھے۔"

اس کے بعد یاقوت نے واقعہ یرموک کی پوری تفصیل بیان کرنے کے بعد قعقاع بن عمرو کے وہ اشعار نقل کئے ہیں جن میں اس نے خالد کے ساتھ عراق سے یرموک کی طرف روانگی اور راستہ میں غسانیوں سے لڑائی اور بصریٰ کی فتح وغیرہ کا حال تصریح کے ساتھ لکھا ہے۔

اس امر کی دلیل کہ معرکہ اجنادین اولیٰ آخر ۱۲ھ یا ابتدا ۱۳ھ میں پیش آیا بعض مورخین کی یہ روایت ہے کہ:۔

"حضرت ابوبکر کو اجنادین میں رومیوں پر مسلمانوں کی فتح کی خبر دی گئی تو

(بقیہ حاشیہ) آپ کی زندگی کے آخری دن تھے"۔

یہ اپنی جگہ ثابت ہے کہ واقعہ یرموک کے دوران ہی میں حضرت ابوبکر کا انتقال ہوگیا تھا اور مسلمانوں کو معرکہ جنگ ہی میں آپ کی وفات کی خبر ملی تھی۔ رہا اجنادین ثانیہ کا معرکہ تو وہ فتح حمص کے بعد ۱۵ھ میں پیش آیا جیسا کہ تفصیل کے ساتھ طبری نے اسے لکھا ہے اور بلاذری اور یعقوبی نے بھی تاریخ کی تعیین اور واقعات کی تفصیل میں اختلاف نہیں کیا۔ البتہ اجنادین ثانیہ کی بجائے اسے واقعہ یرموک قرار دیا ہے۔ (اشہر مشاہیر الاسلام ج ۲ ص ۲۴۰ تا ۲۴۴)

اس بحث کی نقل کے بعد اس پر ہم اتنا اور اضافہ کرنا چاہتے ہیں کہ علامہ ابن کثیر نے بھی اس سلسلہ میں جو روایات نقل کی ہیں ان سے بھی اسی رائے کی تائید ہوتی ہے لیکن ابن کثیر کی تفصیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت ابوبکر کے حکم کے مطابق حضرت خالد عراق سے شام کو (درمیانی علاقے فتح کرتے ہوئے) پہنچے تو اس وقت تک اسلامی امراء مجتمع نہ ہوئے تھے۔ حضرت خالد حضرت ابوعبیدہ مرثد اور شرجبیل کو ساتھ لیکر عمرو بن عاص کی مدد کو پہنچے جو ارض عربا میں گھرے ہوئے تھے۔ یہاں جمادی الاولیٰ ۱۳ھ میں واقعہ اجنادین پیش آیا۔ اس جنگ میں متعدد صحابہ کرام شہید ہوئے۔ آخر کار رومیوں کا سردار مارا گیا اور انہیں شکست ہوئی۔ پھر آغاز جمادی الاولیٰ میں واقعہ یرموک پیش آیا۔

(بقیہ حاشیہ) علامہ ابن کثیر کی تصریح سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اجنادین اولیٰ میں رومیوں کا سردار قیقلان تھا جو میدانِ جنگ میں مارا گیا اور اجنادین ثانیہ میں ارطبون۔

(ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۴ تا ۷)

اس سلسلہ میں اس امر کی طرف اشارہ بھی ضروری ہے کہ حضرت خالد کی معزولی کی تاریخ میں جو اختلاف ہے وہ بھی تاریخ یرموک کی تعیین کے اختلاف پر مبنی ہے۔ کیونکہ یہ امر ثابت ہے کہ حضرت خالد کی معزولی کا واقعہ جنگ یرموک کے دوران ہی میں پیش آیا۔ واللہ اعلم بالصواب

# فتح بیت المقدس

عمرو بن عاص نے بیت المقدس پہنچ کر اس کے چاروں طرف اپنی فوجیں پھیلا دیں۔ اسی دوران میں قنسرین و حلب وغیرہ کی فتوحات سے فارغ ہو کر حضرت ابو عبیدہ اور خالد بن ولید بھی بیت المقدس پہنچ گئے۔

اہلِ "قدس" نے جب دیکھا کہ سب بڑے بڑے اسلامی سردار بیت المقدس پہنچ گئے ہیں اور انہیں قیصر کی طرف سے مدد ملنے کا بھی امکان نہیں تو وہ مایوس ہو گئے۔ ارطبون بھی جو اجنادین سے شکست کھا کر بیت المقدس میں پناہ گزین ہو گیا تھا ایک رات خاموشی کے ساتھ مصر کی طرف فرار ہو گیا۔ اب اہلِ قدس نے پکا ارادہ کر لیا کہ وہ ہتھیار ڈال دیں اور شہر مسلمانوں کے سپرد کر دیں لیکن انہیں اس سلسلہ میں ایک پریشانی تھی۔

انہیں معلوم تھا کہ مسلمانوں نے جن شہروں کو فتح کیا ہے، وہاں کے باشندوں کے جان و مال سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ نہ ان کی جائداد اور عبادتگاہوں پر قبضہ کیا ہے۔ لیکن بیت المقدس کی صورت دوسری تھی۔ بیت المقدس مسلمانوں کیلئے بھی اسی طرح مقدس مقام تھا جس طرح عیسائیوں کے نزدیک، انبیاء سابقین کی بیشمار یادگاریں اور خود خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

کی شب معراج کی منزل اوّل مسجدِ اقصیٰ یہی تھی۔ اس لئے عیسائیوں کو اندیشہ تھا کہ کہیں مسلمان اس مقدس مقام کی عیسائی زیارتگاہوں کو ان کے ہاتھ سے چھین نہ لیں۔ لہٰذا اہلِ قدس نے اسلامی سرداروں کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ اگر خلیفۃ المسلمین خود تشریف لا کر عہدنامہ صلح لکھیں اور اس پر اپنے دستخط ثبت فرمائیں تو ہم شہر کو مسلمانوں کے حوالہ کرنے کیلئے تیار ہیں۔

## خلیفۂ اسلام کا پہلا سفر شام:۔

حضرت ابوعبیدہ نے حضرت عمر کو عیسائیوں کی اس خواہش سے مطلع کیا اور لکھا کہ آپ کی تشریف آوری سے یہ مرحلہ بغیر کشت و خون کے انجام پا جائے گا حضرت عمر حضرت علی کو مدینہ پر اپنا قائم مقام بنا کر، بیت المقدس کے ارادہ سے نکلے۔ مقام جابیہ پر پہنچے تو لشکرِ اسلام کے امراء نے خلیفہ کا استقبال کیا۔ پہلے یزید پھر حضرت ابوعبیدہ اور پھر خالد بن ولید حاضرِ خدمت ہوئے ان سب امراء نے دیباج کی قبائیں زیبِ بدن کر رکھی تھیں۔ حضرت عمر کو اپنے افسروں کی یہ شان دیکھ کر بہت غصہ آیا۔ آپ نے چند کنکریاں زمین سے اُٹھا کر ان کی طرف پھینکیں اور پھر فرمایا: "تم لوگ دو ہی سال میں اس قدر بدل گئے؟ تم کیا لباس پہن کر میرے سامنے آ رہے ہو؟ آج سے دو سو سال بعد بھی اگر تم ایسا کرتے تو میں تمہیں معزول کر دیتا۔"

ان امراء نے عرض کیا یا امیر المومنین! یہ قبائیں ہم نے ہتھیاروں سے

جسم کی حفاظت کے لئے استعمال کی ہیں۔ حضرت عمر نے فرمایا۔ یہ بات ہے تو خیر![1]

## عہدنامہ صلح :۔

یہیں اہلِ قدس کے نمائندے خلیفۃ المسلمین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صلح کی درخواست کی۔ حضرت عمر نے یہ درخواست منظور کی اور حسب ذیل عہدنامہ اپنے دستخطوں سے لکھ کر ان کو عطا فرمایا :۔

"اللہ کے بندہ، عمر امیر المومنین کی طرف سے اہل ایلیاء (بیت المقدس) کو یہ امان نامہ دیا جاتا ہے۔ اہلِ ایلیاء کی جان، مال، گرجوں، صلیبوں سب کو امان دی جاتی ہے۔ بیماروں اور تندرستوں اور سب مذہب کے لوگوں کو یہ امان شامل ہے۔ وعدہ کیا جاتا ہے کہ نہ ان کے عبادت خانوں پر قبضہ کیا جائے گا نہ انہیں گرایا جائے گا اور نہ ان میں کمی کی جائے گی۔ اور ان کی صلیبوں کے ساتھ بھی کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔ ان کے دینی معاملات میں کوئی مداخلت نہ کی جائیگی۔ اور یوں بھی کسی کو کوئی تکلیف نہ دی جائے گی۔ البتہ ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے۔ اہلِ ایلیاء کا فرض ہے کہ وہ جزیہ ادا کرتے رہیں اور متحارب رُومیوں کو اپنے شہر سے خارج کردیں۔ جو رومی شہر سے نکلے گا اس کی جان و مال سے کوئی تعرض نہ کیا جائیگا حتیٰ کہ وہ اپنے وطن سلامتی کے ساتھ پہنچ جائے۔ اگر اہلِ ایلیاء میں سے کوئی رومیوں کے ساتھ جانا چاہے تو وہ بھی جاسکتا ہے لیکن اگر رومی بھی امن پسندانہ طور پر رہنا چاہیں تو انہیں بھی انہیں شرائط کے ساتھ

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام۔ ج ۲ صفحہ ۲۵

رہنے کی اجازت ہے۔ اس امان نامہ کی اللہ اور اس کا رسول اور آپ کے خلفاء اور جملہ مومنین ذمہ داری لیتے ہیں"[1]

## بیت المقدس میں داخلہ:۔

اس عہد نامہ کی تکمیل کے بعد اہلِ قدس نے شہر کے دروازے کھول دیئے اور حضرت عمر نے بیت المقدس کا قصد کیا۔

بیت المقدس کے سفر کیلئے حضرت عمر کی خدمت میں ایک ترکی گھوڑا پیش کیا گیا۔ آپ سوار ہوئے تو گھوڑا الیل کرنے لگا۔ حضرت عمر اُتر پڑے اور فرمانے لگے۔ کمبخت تو نے یہ غرور کی چال کہاں سے سیکھی؟ اور اپنے گھوڑے کو منگا کر اسی پر روانہ ہوئے۔ اس واقعہ کے بعد کبھی آپ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوئے۔

حضرت عمرؓ رات کے وقت بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ سب سے پہلے مسجد اقصٰی میں حاضری دی اور محرابِ داؤد میں دو رکعت "تحیۃ المسجد" ادا کیں۔ پھر صبح کو اسی مقام پر جماعت کے ساتھ نماز فجر ادا کی۔

آپ نے عیسائیوں کے مشہور گرجا کنیسہ قمامہ کی سیر کی۔ دوران سیر میں نماز کا وقت آگیا۔ بطریق نے جو آپ کے ساتھ تھا عرض کیا یہیں نماز پڑھ لیجئے۔ مگر آپ نے اس پیشکش کو قبول نہ کیا اور باہر نکل کر سیڑھیوں پر تنہا نماز ادا کی۔

---

[1] اتمام الوفاء بحوالہ طبری صہ ۱۲۶

آپ نے بطریق سے کہا "اگر میں یہاں نماز پڑھ لیتا تو میرے بعد مسلمان اس کنیسہ کو تم سے چھین لیتے کہ یہاں ہمارے خلیفہ نے نماز پڑھی تھی"۔ پھر آپ نے بطریق کو اس مضمون کی ایک تحریر بھی لکھ کر دیدی کہ گرجا کی سیڑھیوں پر بھی جماعت کے ساتھ نماز ادا نہ کی جائے اور نہ اذان دی جائے۔[1]

## مسجد عمر کی تعمیر:-

حضرت عمر نے بطریق سے پوچھا۔ میں ایک مسجد بنانا چاہتا ہوں۔ کونسی جگہ اسکے لئے موزوں ہوگی۔ بطریق نے کہا "صخرہ" پر بنا لیجئے جہاں اللہ تعالےٰ نے حضرت یعقوب سے کلام فرمایا تھا۔ عیسائیوں نے اس مقام کو یہودیوں کی مخالفت کے جوش میں مزبلہ بنا رکھا تھا اور ہر قسم کی نجاست وہاں لاکر ڈالی جاتی تھی۔ جیسا کہ یہودیوں نے مقام صلیب مسیح کو عیسائیوں کی عداوت میں مزبلہ بنایا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس جگہ کو صاف کرنے کا حکم دیا اور خود بھی اپنی قبا کے دامن میں بھر بھر کر مٹی ڈھونا شروع کر دی۔ اس منظر کو دیکھ کر "کعب احبارؒ" نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ تمام مسلمانوں نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ حضرت عمر نے کعب سے پوچھا یہ تکبیر کا کیا موقعہ تھا؟ کعب نے جواب دیا یا امیر المؤمنین جو کچھ آج آپ کر رہے ہیں اس کی ایک اسرائیلی پیغمبر آج سے پانسو برس قبل خبر دے چکے ہیں اور وہ ہماری مذہبی کتابوں میں محفوظ ہے۔

---

[1] محاضرات خضری ج ۲ ص ۹

جب ملبہ صاف ہوگیا تو آپ نے کعب سے پوچھا مسجد کا مصلّٰی کس طرف کو بنایا جائے۔ کعب نے کہا "صخرہ کی طرف بنائیے" حضرت عمرؓ نے فرمایا اے کعب تم میں سے ابھی تک یہودیت کی خو بو نہیں گئی۔ جب تم نے صخرہ پر آکر اپنی جوتیاں اُتاری تھیں۔ میں نے اسی وقت تمہارے اس جذبہ کو محسوس کرلیا تھا۔ کعب نے کہا یا امیر المومنین میرا مقصد یہ تھا کہ میرے پاؤں اس مقام کو مس کر کے برکت حاصل کریں تعظیم مقصود نہ تھی۔ پھر حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ مصلّٰی قبلہ کی طرف بنایا جائے۔ یہ مسجد "مسجد عمرؓ" کے نام سے مشہور ہے[1]۔

بیت المقدس ہی کی شرائط پر رملہ بھی فتح ہوگیا۔ حضرت عمرؓ نے صوبہ فلسطین کو دو حصّوں میں تقسیم کردیا۔ ایک حصّہ کا صدر مقام بیت المقدس قرار دیا۔ اور وہاں کا حاکم علقمہ بن مجزز کو مقرر فرمایا۔ اور دوسرے حصّہ کا رملہ اور وہاں کی حکومت علقمہ بن حکیم کے سپرد فرمائی۔ ان انتظامی امور کی تکمیل کے بعد حضرت عمرؓ نے مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی۔ یہ واقعہ ۱۶ھ کا ہے۔

## حمص پر رومیوں کا حملہ

مسلمانوں کی ان شاندار فتوحات سے رومیوں کی ہمتیں پست ہوگئیں اور ہرقل کی "عظیم رومی شہنشاہیت کا مشرقی بازو ٹوٹ گیا۔ ہرقل شام و فلسطین کی طرف سے بالکل مایوس ہوچکا تھا کہ اسکے پاس اہل جزیرہ کا پیغام پہنچا کہ اگر آپ

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام ج ۲ ص ۲۵۲

مسلمانوں سے آخری ٹکّر لینے کی ہمت کریں تو ہم اپنی پوری طاقت کے ساتھ آپ کی مدد کے لئے حاضر ہیں۔

اہلِ جزیرہ کے اس پیغام نے ہرقل کے بجھے ہوئے دل میں پھر امید کی روشنی پیدا کر دی اور اس نے منتشر رومی طاقت کو جمع کر کے، بحری راستہ سے جمعیت کثیر کے ساتھ حمص کی طرف کوچ کیا۔ اہل جزیرہ بھی تیس ہزار کی تعداد میں قیصر کی امداد کیلئے پہنچ گئے۔

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح خود حمص میں مقیم تھے۔ انہوں نے قنسرین سے خالد بن ولید کو بُلا لیا اور لڑائی کے متعلق مشورہ کیا۔ حضرت خالد نے فرمایا کہ ہمیں میدان میں نکل کر مقابلہ کرنا چاہئے۔ مگر دوسرے سرداروں نے حضرت خالد کی رائے سے اتفاق نہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ دشمن کی تعداد بہت ہے، جبتک ہمارے پاس مدد نہ پہنچ جائے شہر بند ہو کر مقابلہ کرنا چاہئے۔

حضرت ابو عبیدہ نے دوسری رائے کو ترجیح دی اور شہر بند ہو بیٹھے۔ رومی لشکر نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔

شام کے مختلف شہروں میں فوجی چھاؤنیاں قائم تھیں۔ مگر اس موقع پر ان فوجوں کو ان مقامات سے ہٹانا خطرہ سے خالی نہ تھا۔ اس لئے حضرت ابو عبیدہ نے حضرت عمر کو حالات کی اطلاع دی اور دربارِ خلافت سے مدد چاہی۔

حضرت عمر نے سعد بن وقاص کو کوفہ میں حکم بھیجا کہ قعقاع بن عمرو کو ابو عبیدہ

کی مدد کے لئے حمص بھیجو اور عیاض بن غنم کو دوسرے سرداران لشکر کے ساتھ اہلِ جزیرہ کی سرکوبی کے لئے جزیرہ روانہ کرو۔ پھر حضرت عمرؓ نے مناسب جمعیت کو ساتھ لیکر خود حمص کا ارادہ فرمایا۔ اہلِ جزیرہ کو جب معلوم ہوا کہ اسلامی لشکر خود ان کے ملک میں گھس گیا ہے تو وہ رومیوں کو چھوڑ کر اپنے گھر کی خیر منانے کیلئے بھاگ کھڑے ہوئے۔ ادھر جب رومیوں کو خبر ملی کہ خلیفۃ المسلمین بنفس نفیس، اپنے سپہ سالار کی مدد کیلئے آ رہے ہیں تو ان کی ہمتیں ٹوٹ گئیں۔ اب حضرت ابو عبیدہ نے لشکر اسلام کے سامنے ایک پُر جوش تقریر کی اور انہیں شہر کے باہر نکل کر حملہ کا حکم دیا۔ لشکر اسلامی نے زور شور کے ساتھ حملہ کیا، رومی فوج بدحواس ہوکر بھاگی اور پھر اس کے قدم نہ رک سکے۔

قعقاع خود ایک سو کی جمعیت کے ساتھ آگے بڑھ کر حضرت ابو عبیدہ سے آملے تھے۔ مگر ان کا لشکر فتح کے تین دن بعد حمص پہنچا۔ اسی طرح حضرت عمر بھی مقام "سرغ" ہی پہنچے تھے کہ انہیں مسلمانوں کی فتح کی بشارت مل گئی۔ یہ واقعہ ۱۷ھ کا ہے۔

## فتح جزیرہ

"جزیرہ" فرات اور دجلہ کے درمیانی علاقہ کے شمالی حصہ کا نام ہے اسکے دو شہر تکریت اور موصل تو پہلے ہی فتح ہو چکے تھے۔ ان کی فتوحات کا ذکر عراق کی فتوحات کے سلسلہ میں آچکا ہے۔ حمص پر رومیوں کے حملہ میں جب

اہل جزیرہ نے رومیوں کو مدد دی تو حضرت عمر کے حکم سے سعد بن وقاص نے عیاض بن غنم کو ان کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا تھا۔ حمص میں رومیوں کی ہزیمت کے بعد حضرت عمر نے عیاض بن غنم کو حکم دیا کہ وہ اپنی فوجیں جزیرہ میں پھیلا دیں اور غیر مفتوحہ علاقوں کو بھی فتح کر لیں۔ عیاض بن غنم نے میسرہ بن مسروق۔ سعید بن عامر۔ صفوان بن معطل کو ساتھ لیکر جزیرہ پر فوج کشی کر دی۔ رقہ۔ رہا نصیبین۔ حران۔ سمیاط۔ سنجار۔ قرقیسار۔ سروج۔ جسر منبج۔ آمد اور دوسرے شہر معمولی مقابلوں کے بعد فتح کر لئے گئے۔ عیاض بن غنم فتح کا پھریرا اُڑاتے ہوئے مغرب میں بادیہ شام اور مشرق میں آرمینیہ و کردستان تک پہنچ گئے پھر وہ درب سے گزر کر تبلیس پہنچے۔ وہاں سے خلاط اور وہاں سے عین جامفہ پہنچکر دم لیا۔

جزیرہ کی فتح کے بعد جزیرہ کے عربی نصرانی سرداروں کا وفد حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ ہم سے جزیہ نہ لیا جائے کیونکہ ہم اسے ذلت سمجھتے ہیں۔ ساتھ ہی یہ دھمکی بھی دی کہ اگر آپ ہم سے جزیہ وصول کرنے پر اصرار کرینگے تو ہم ملک چھوڑ کر رومیوں کے علاقہ میں چلے جائینگے۔

حضرت عمر نے فرمایا اگر تم رومیوں کے ملک میں داخل ہوئے تو میں قیصر روم کو لکھ کر تمہیں گرفتار کر کے بلوالوں گا۔ لیکن حضرت علی نے سفارش کر کے یہ فیصلہ کر دیا کہ یہ لوگ جزیہ سے دوگنی رقم ادا کریں اور اسے جزیہ نہ کہا جایا کرے۔ یہ واقعہ ۱۷ھ کا ہے۔

# طاعونِ عمواس

۱۷ھ کے آخر یا ۱۸ھ کے آغاز میں شام عراق اور مصر میں سخت طاعون پھیلا۔ حضرت عمر کو جب خبر پہنچی تو آپ خود تدبیر و انتظام کے لئے شام کی طرف روانہ ہوئے۔ جب آپ مقام سرغ میں پہنچے تو امراء لشکر استقبال کیلئے حاضر ہوئے۔ امراء نے وباء کی شدت کی خبر دی اور عرض کیا یا امیرالمؤمنین آپ کا اس موقعہ پہ تشریف لانا مناسب نہیں۔ آپ نے مہاجرین و انصار سے مشورہ کیا۔ ان کی رائے میں اختلاف ہوا۔ حضرت عمر نے واپسی کی رائے کو ترجیح دی۔ مگر حضرت ابوعبیدہ بن جراح مسئلہ تقدیر میں بہت سخت تھے فرمانے لگے:۔ اے عمر کیا تقدیر الٰہی سے بھاگتے ہو" حضرت عمر نے جواب دیا "ہاں تقدیر الٰہی سے تقدیر الٰہی کی طرف بھاگتا ہوں" پھر حضرت عمر نے حضرت ابوعبیدہ کو الگ لیجا کر مسئلہ پر بحث کی۔ دوسرے دن حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بھی آگئے انہوں نے فرمایا۔ میں نے رسول اکرم صلعم سے سنا ہے "کہ جب تم سنو کہ کسی شہر میں یہ وبا ہے تو وہاں نہ جاؤ۔ اور جب تم کسی شہر میں ہو اور وہاں یہ وبا پھیل پڑے تو اسکے خوف سے نہ بھاگو" حضرت عمر نے اس حدیث کو سن کر اپنی رائے کی صحت پر خدا کا شکر ادا کیا اور وہاں سے مدینہ واپس ہو گئے۔

مدینہ پہنچ کر جب حضرت عمر کو وبا کی ہلاکت آفرینی کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے حضرت ابوعبیدہ کو خط لکھا کہ مجھے تم سے کچھ کام ہے۔ کچھ دن کیلئے

مدینہ آجاؤ۔ حضرت ابو عبیدہ نے جواب دیا۔ میں دوسرے مسلمانوں کو چھوڑ کر تنہا مدینہ نہیں آسکتا۔ امیر المؤمنین کو مجھ سے جو کام ہے وہ مجھے معلوم ہے۔ آپ اس شخص کی زندگی چاہتے ہیں جو زندہ رہنے والا نہیں۔ مجھے آپ تعمیلِ حکم سے معافی دیں۔

آخر خود حضرت ابو عبیدہ بیمار ہوئے۔ جب مرض میں زیادتی ہوئی تو مسلمانوں کو اعمال حسنہ کی وصیت فرمائی۔ معاذ بن جبل کو اپنا جانشین مقرر کیا اور رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے[1]

عمرو بن عاص نے لوگوں سے کہا کہ یہ بلا انہی بلاؤں میں سے ہے جو بنی اسرائیل پر نازل ہوئی تھیں لہذا یہاں سے بھاگ چلنا چاہئے۔ حضرت معاذ نے سُنا تو خطبہ دیا اور فرمایا کہ یہ وبا بلا نہیں ہے بلکہ رحمتِ خداوندی ہے۔ بھاگنے کی ضرورت نہیں۔ خطبہ کے بعد خیمہ میں پہنچے تو بیٹے کو بیمار پایا۔ فرمایا :۔

| | |
|---|---|
| یا بنی الحق من ربک فلا تکونن من الممترین۔ | اے بیٹا، حق خدا ہی کی طرف سے ہے تو کسی شبہ میں نہ پڑنا! |

بیٹے نے استقلال کے ساتھ جواب دیا :۔

| | |
|---|---|
| ستجدنی ان شاء اللہ من الصّٰبرین۔ | انشاء اللہ تعالیٰ آپ مجھے صابروں میں سے پائینگے۔ |

---

[1] اشہر المشاہیر ج ۳ ص ۵۱۸ بحوالہ ابن عساکر۔

تھوڑی دیر بعد بیٹے نے انتقال کیا تو خود معاذ بیمار پڑ گئے اور بڑے اطمینان و سکون کے ساتھ جان جاں آفریں کے سپرد کی۔

حضرت معاذ نے اپنے بعد عمرو بن عاص کو اپنا جانشیں مقرر کیا تھا عمرو بن عاص فوج کو لے کر پہاڑوں پر چلے گئے اور اسے جا بجا منتشر کر دیا۔ تب کہیں اس وبا سے نجات ملی۔ حضرت عمر نے عمرو بن عاص کی اس تدبیر کو پسند کیا۔ اس وبا نے شام میں اسلامی طاقت کو بیحد نقصان پہنچایا۔ بیس ہزار جاں باز جو نصف دنیا کی فتح کے لئے کافی تھے، رحمتِ خداوندی کی آغوش میں جا سوئے۔ ان میں حضرت ابو عبیدہ بن جراح، حضرت معاذ بن جبل اور یزید بن ابی سفیان بڑے پایہ کی ہستیاں تھیں۔

رومی مسلمانوں کی اس مصیبت سے فائدہ اُٹھا سکتے تھے۔ اگر انھوں نے مفتوحین کے دلوں کو اپنی رواداری اور حُسنِ انتظام سے فتح نہ کر لیا ہوتا۔

## آخری سفرِ شام

جب وبا کا زور ختم ہو گیا تو شام کے انتظامات کو درست کرنے اور مرنے والوں کا سامان ان کے ورثا میں تقسیم کرنے کے لئے حضرت عمر خود شام کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت علی کو مدینہ میں اپنا جانشیں مقرر کیا۔

جب حضرت عمر ایلہ کے قریب پہنچے تو اپنا گھوڑا اپنے غلام کو دیدیا۔ اور خود اسکے اونٹ پر سوار ہو گئے۔ لوگ پوچھتے کہ امیر المومنین کہاں ہیں؟ تو فرماتے

تمہارے آگئے" اسی شان سے آپ ایلہ میں داخل ہوئے۔

شام پہنچکر آپ نے سب سے پہلے مرنیوالوں کا سامان ان کے ورثار میں تقسیم کیا۔ ملک میں چکر لگا کر وہاں کے انتظامات درست کئے۔ شام کی سرحدوں پر فوجی دستے متعین کئے اور یزید بن ابی سفیان کی جگہ ان کے بھائی معاویہ بن ابی سفیان کو دمشق کا عامل مقرر کیا۔

یہیں حضرت عمرؓ سے درخواست کی گئی کہ ایک دن حضرت بلال مؤذن رسول اللہ صلعم سے اذان دلوائیے۔ حضرت بلال نے اذان دی تو سب رسول اللہ صلعم کے زمانہ کو یاد کر کے رو پڑے اور اس قدر روئے کہ ڈاڑھیاں تر ہو گئیں۔

## قحط عظیم:-

اگلے سال حجاز میں زبردست قحط پڑا۔ حضرت عمرؓ نے اس موقعہ پر مصیبت زدوں کی امداد کا انتظام نہایت عمدہ طریقہ پر کیا۔ ممالک مفتوحہ سے کھانے پینے کا سامان بتعداد کثیر منگایا اور ضرورتمندوں کو تقسیم کیا۔ امیر شام نے چارسو اونٹ غذا کے بھیجے۔ عمرو بن عاص نے جو اس وقت مصر کو فتح کر چکے تھے اتنا بڑا قافلہ بھیجا جس کا ایک سرا مصر میں تھا تو دوسرا مدینہ منورہ میں۔

حضرت عمرؓ نے قسم کھالی تھی کہ جبتک یہ قحط دور نہ ہو جائیگا وہ گھی

اور شہد (جو دسترخوانِ خلافت کی بہترین غذائیں تھیں) استعمال نہ کریں گے۔ آپ روٹی زیتون کے تیل کے ساتھ استعمال کرتے رہے حتیٰ کہ آپ کے پیٹ میں گڑبڑ ہوگئی۔ ایک دن آپ کا غلام، یہ حالت دیکھ کر، بازار سے کچھ گھی اور شہد خرید لایا اور عرض کیا یا امیر المؤمنین اپنی قسم کا کفارہ دیدیجئے اور اسے استعمال کر لیجئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ جب تک میں خود تکلیف نہ اُٹھاؤں دوسروں کی تکالیف کا اندازہ کیسے کر سکتا ہوں؟ پھر آپ نے اس گھی اور شہد کو صدقہ کر دینے کا حکم دیا۔[1]

حقیقت یہ ہے کہ ان مصائب کی بارشوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی انتظامی قابلیت کے جوہر نمایاں کر دئیے اور یہ بات ثابت کر دی کہ آپ ایک عظیم الشان فاتح ہی نہ تھے بلکہ بہترین مدبّر و منتظم بھی تھے۔

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام صـ۳۶۱ و ۳۶۲

# فتحِ مصر

عمرو بن عاص، مصر کی فتح کے بہت خواہشمند تھے۔ زمانہ جاہلیت میں یہ مصر کی سیر کر چکے تھے۔ یہاں کی سرسبزی و شادابی، دولت و ثروت کے مناظر ان کی آنکھوں میں پھر رہے تھے۔ اور اس کی فتح کا شوق ان کے دل میں چٹکیاں لے رہا تھا۔

۱۸ھ میں طاعونِ عمواس کے بعد حضرت عمر شام تشریف لائے تو انہوں نے حضرت عمر سے مصر پر حملہ کی اجازت چاہی۔

اسلامی فوجیں اس زمانہ میں شام، جزیرہ اور فارس کے دور دراز علاقوں میں پھیلی ہوئی تھیں۔ پھر طاعون عمواس سے اسلامی طاقت کو کافی نقصان پہنچا تھا۔ اس لئے حضرت عمر نے تامّل کیا۔ لیکن جب عمرو بن عاص برابر اصرار ہی کئے گئے تو آخر انہیں مصر پر حملہ کی اجازت دیدی اور چار ہزار سپاہی ان کے ساتھ کر دئے۔ پھر بھی حضرت عمر نے اپنی رائے میں تبدیلی کا حق اپنے لئے محفوظ رکھا اور فرمایا کہ مصر کی حدود میں داخل ہونے سے پہلے پہلے اگر میرا امتناعی حکم تمہیں پہنچ جائے تو بے تامّل واپس ہو جانا۔

عمرو بن عاص ابھی مصر کی حدود میں نہ پہنچے تھے کہ انہیں حضرت عمر

کا امتناعی خط مل گیا۔ مگر وہ اس فتح کے اس قدر شوقین تھے کہ انہوں نے اس خط کو اس وقت تک کھول کر نہ دیکھا۔ جب تک کہ وہ حدود مصر میں داخل نہ ہو گئے۔

"مصر" سیاسی اعتبار سے سلطنت روم کے ماتحت تھا۔ وہاں کا حاکم مقوقس جو قبطیوں کا دینی و دُنیوی سردار تھا۔ شہنشاہ روم کا باجگزار تھا۔ مصر میں رومی مفاد کی حفاظت کیلئے قیصر کی طرف سے ایک رومی افسر بھی رہتا تھا۔ اور اس افسر کے ماتحت قصر شمع اور اسکندریہ میں کثیر التعداد رومی فوج بھی رہتی تھی۔

## ابتدائی فتوحات :۔

مصر میں مسلمانوں کا رومیوں سے پہلا مقابلہ مقام فرما، میں ہوا۔ ایک مہینہ تک وہاں لڑائی جاری رہی۔ آخر کار رومیوں نے شکست کھائی۔ اور مسلمان "تواصر" کی طرف بڑھے۔ یہاں معمولی مقابلہ کے بعد فتح حاصل ہوئی۔ پھر مسلمان "بلبیس" پہنچے اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ بلبیس میں مقوقس کی بیٹی ارمانوسہ مقیم تھی۔ مقوقس نے اس کی شادی قسطنطین بن ہرقل سے کر دی تھی۔ اور یہ بڑے ساز و سامان کے ساتھ رخصت ہو کر قیساریہ جا رہی تھی۔ مسلمانوں نے جب بلبیس کو فتح کیا تو ارمانوسہ بھی گرفتار ہو گئی۔ مگر عمرو بن عاص نے ارمانوسہ کو معہ اسکے تمام سامانِ جہیز کے حفاظت کے ساتھ مقوقس

کے پاس روانہ کردیا۔ مقوقس کے دل میں عمرو بن عاص کے اس کریمانہ طرز عمل سے بڑی گنجایش پیدا ہو گئی۔[1]

### فتح قصر شمع:۔

بلبیس سے مسلمان باب لیون کی طرف بڑھے بمصر قدیم (فسطاط) کے محل وقوع پر نیل کے مشرقی کنارے پر ایک مضبوط قلعہ تھا۔ اسی کا دوسرا نام قصر شمع ہے۔ اسکے مقابل میں نیل کے مغربی کنارہ پر مصر کا قدیم دارالسلطنت "منف" واقع تھا۔ قصر شمع میں رومی سپہ سالار "اعیرج" معہ اپنی فوج کے مقیم تھا۔ اور "منف" مقوقس شاہِ مصر کا جائے قیام تھا۔

مسلمان، عرصہ تک باب لیون کا محاصرہ کئے رہے، مگر فتح کی صورت نظر نہ آئی۔ آخر عمرو بن عاص نے حضرت عمر کو مدد کیلئے لکھا۔ حضرت عمر نے بارہ ہزار فوج ان کی مدد کے لئے روانہ کی۔ اس فوج کے سرداروں میں حضرت زبیر بن عوام۔ مقداد بن عمرو۔ عبادہ بن صامت اور مسلمہ بن مخلد جیسے جانباز بھی شامل تھے۔ بقول حضرت عمران چاروں میں سے ہر ایک، ایک ایک ہزار آدمیوں کے برابر تھا۔ اس مدد کے پہنچنے کے بعد مسلمانوں کی ہمتیں بڑھ گئیں عمرو بن عاص نے منجنیق لگا کر قلعہ پر سنگ باری شروع کردی۔ حضرت زبیر بڑے جری آدمی تھے۔ وہ سیڑھی لگا کر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے اور نعرہ تکبیر

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام بحوالہ واقدی ج ۳ ص ۵۷۸

بلند کیا۔ دوسرے مسلمان بھی ان کے بعد فصیل پر چڑھ گئے اور ان سب نے مل کر بلند آواز سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ رومیوں نے جب قلعہ کے بُرج میں سے تکبیر کی آواز سُنی تو بدحواس ہو گئے۔ انہوں نے پہلے ہی قلعہ کی پُشت پر دریائے نیل میں کشتیوں کا انتظام کر رکھا تھا۔ ان کشتیوں میں بیٹھ بیٹھ کر جزیرہ روضہ کی طرف فرار ہو گئے۔

باب لیون (قصر شمع) کی فتح کے بعد منف مقوقس کا پایہ تخت مسلمانوں کی تلوار کی زد پر تھا۔ مقوقس نے مسلمانوں کے مقابلہ میں رومیوں کی ہزیمت اپنی آنکھ سے دیکھی تھی، پھر وہ اپنی بیٹی کی واپسی کی وجہ سے یوں بھی مسلمانوں کا مرہونِ منت تھا۔ اس نے اپنے سرداروں سے مشورہ کے بعد عمرو بن عاص کے پاس مصالحت کے لئے سفیر روانہ کئے۔ عمرو بن عاص نے مقوقس کے سفیروں کو دو روز تک مقیم رکھا۔ تاکہ وہ مسلمانوں کے حالات سے اچھی طرح واقف ہو جائیں اور پھر مناسب جواب دیکر انہیں رخصت کیا۔

مقوقس کے سفرار جب اس کے پاس واپس پہنچے تو اس نے ان سے مسلمانوں کے حالات دریافت کئے۔ انہوں نے جواب دیا:۔

"اے بادشاہ مسلمان ایک ایسی قوم ہیں جنہیں موت زندگی سے زیادہ پیاری ہے۔ جنہیں تواضع تکبّر سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ ان میں سے کوئی شخص دُنیا اور متاعِ دُنیا کا حریص نہیں۔ وہ زمین پر بیٹھنے میں عار نہیں سمجھتے

اور بغیر دستر خوان کے کھانا کھا لیتے ہیں۔ ان کا سردار بھی ان ہی جیسا ہے کسی بات میں ان سے ممتاز نہیں، اعلیٰ و ادنیٰ اور آقا و غلام کی ان میں تمیز نہیں ہوتی۔ جب نماز کا وقت آتا ہے تو سب وضو کر کے ایک قطار میں خشوع و خضوع کے ساتھ خداوند قدّوس کی عبادت میں مصروف ہو جاتے ہیں۔"

مقوقس نے جب مسلمانوں کے یہ اوصاف سُنے تو اس نے اپنی قوم سے کہا:۔

"اے قوم! یہ جماعت اگر پہاڑوں سے بھی ٹکرا جائے گی تو انہیں بھی اپنی جگہ سے ہلا دے گی۔ خیریت اسی میں ہے کہ ہم اس سے پہلے کہ یہ ہم پر حملہ کریں ان سے صلح کر لیں۔"

چنانچہ اسکے بعد مقوقس نے خود اسلامی سپہ سالار عمرو بن عاص سے ملاقات کی درخواست کی۔ اور مسلمانوں اور قبطیوں میں ان شرائط پر صلح ہو گئی:۔

"ہر بالغ مرد کی طرف سے سالانہ دو دینار ادا کئے جائینگے۔ عورتیں، بچّے اور بوڑھے اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔ اسلامی فوجیں دورانِ جنگ میں جس علاقہ سے گزریں گی قبطی ان کی مدد اور ان کے لئے رسد کا انتظام کرینگے مسلمانوں کو قبطیوں کی زمین اور مال و دولت سے سروکار نہ ہوگا۔ مصر کے

رومیوں کو حق ہوگا کہ خواہ وہ قبطیوں کی شرائط پر مصر میں رہنا قبول کریں یا اپنے ملک کو واپس لوٹ جائیں"[1]

قیصر روم کو جب مقوقس کے اس معاہدہ کی خبر پہنچی تو وہ بہت برافروختہ ہوا۔ اس نے مقوقس کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ فوراً اس معاہدہ کو منسوخ کردے اور رومی افسروں کے ساتھ مسلمانوں کا مقابلہ کرے۔ لیکن مقوقس نے قیصر کے اس حکم کی تعمیل سے انکار کردیا۔

حقیقت یہ ہے کہ مسیحی مورخین کی تصریح کے مطابق، مصر کے قبطی مشرقی کلیسا کے مظالم سے تنگ تھے اور وہ قیصر روم کی سیادت کو پسند نہ کرتے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کے اعلیٰ اخلاق کا بھی مشاہدہ کرلیا تھا اور انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ وہ مفتوحین کے دینی و معاشرتی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کرتے۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ شام و ایران کے میدانوں میں انہوں نے قیصر و کسریٰ کے اقتدار کی بساط اپنی تلوار کی نوک سے اُلٹ دی ہے اور مصر کی رومی طاقت ان کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتی ان حالات میں قدرتی طور پر ان کا ایک ہی فیصلہ ہوسکتا تھا اور وہ یہ کہ قیصر روم کی غلامی کا طوق اپنی گردن سے نکال پھینکیں اور مسلمانوں کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھائیں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

---

[1] اشہر المشاہیر ج ۳ ص ۵۸۱-۵۸۲ بحوالہ مقریزی۔

## دیگر فتوحات

اسکے بعد عمرو بن عاص نے عبداللہ بن حذافہ سہمی۔ خارجہ بن حذافہ عدوی۔ عمیر بن وہب حجمی اور عقبہ بن عامر جہنی کو مختلف اطراف میں روانہ کیا۔ ان علاقوں میں رومی دستوں نے جابجا مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ مگر قبطیوں نے شرائط صلح کے مطابق مسلمانوں کی پوری مدد کی۔ چنانچہ عین شمس، فیوم، اشمونین، اخیم، بشرودات، قریٰ صعید، تنیس، دمیاط، تونہ، دمیرہ، شطا، وقہلہ، بنا، بوصیر اور دوسرے مقامات معمولی مقابلہ کے بعد مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے۔

## فتح اسکندریہ :-

ہم بتا چکے ہیں کہ اسکندریہ مصر میں رومی طاقت کا مرکز تھا اور چونکہ وہ ساحلِ بحر پر واقع ہے اس لئے وہاں بحری راستہ سے بآسانی رومیوں کو مدد پہنچ سکتی تھی۔ جب قیصر کو مسلمانوں کی پیش قدمی کا حال معلوم ہوا تو اس نے بہت بڑی فوج مسلمانوں کے مقابلہ کیلئے اسکندریہ میں اُتار دی۔

عمرو بن عاص بھی اسلامی فوج کو لیکر اسکندریہ کی طرف بڑھے اور شہر کا محاصرہ کرلیا۔ اسکندریہ میں رومیوں کے متعدد مضبوط قلعے تھے۔ رومی ان میں مضبوطی کے ساتھ جمے بیٹھے رہے اور انہیں دریا کی طرف سے سامانِ رسد پہنچتا رہا۔ اس لئے عرصہ تک مسلمانوں کو کامیابی نہ ہوئی۔

حضرت عمرؓ کو کافی انتظار کے باوجود جب اسکندریہ کی فتح کی خبر نہ پہنچی تو آپ نے فرمایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے کتاب اللہ اور سُنّتِ رسول پر عمل کرنے میں کچھ مداہنت برتی ہے۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ حق کے مقابلہ میں باطل اتنی مدت ٹھہر سکے۔ پھر آپ نے عمرو بن عاص کو ایک خط لکھا۔ اس خط میں آپ نے انہیں فتح میں اس قدر تاخیر پر تنبیہ کی، اور لکھا "مجھے اندیشہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنے اعمال و اخلاق کو کتاب و سنّت کے بتائے ہوئے نمونہ پر قائم نہیں رکھا ہے اور حکم دیا کہ وہ سب مسلمانوں کو جمع کر کے انہیں اس غلطی پر متنبہ کریں اور انہیں تیغ زنی، مصائب انگیزی اور نیک نیتی کی ترغیب دیں۔ اور زبیرؓ، مقدادؓ، مسلمہ اور عبادہ کو آگے رکھ کر، دشمنوں سے ایک فیصلہ کن ٹکر لیں۔"

حضرت عمرؓ کا یہ فرمان پہنچا تو عمرو بن عاص نے اسے مسلمانوں کے مجمع میں پڑھ کر سُنایا اور ان کے حکم کی تعمیل کی۔ آخر چھ مہینے کے محاصرہ کے بعد اسکندریہ فتح ہو گیا۔

اسکے بعد عمرو بن عاص نے اسکندریہ کی حفاظت کے لئے ایک فوج متعین کی اور خود قصر شمع کی طرف لوٹ آئے۔

## قاصدِ فتح مدینہ میں:۔

اسکندریہ کی فتح کی بشارت دیکر، عمرو بن عاص نے معاویہ بن حدیج کو مدینہ منوّرہ روانہ کیا۔ معاویہ اپنی اونٹنی کو تیز دوڑاتے ہوئے دوپہر کے وقت مدینہ منوّرہ میں داخل ہوئے انہوں نے خیال کیا کہ یہ دوپہر کا وقت ہے۔ امیرالمؤمنین آرام فرما رہے ہونگے۔ اس وقت انہیں تکلیف دینا مناسب نہیں اور مسجد نبوی میں آکر بیٹھ گئے۔ اتفاقاً حضرت عمر کی لونڈی ادھر آنکلی۔ اسے معلوم ہوا کہ فتح اسکندریہ کی خبر لیکر آئے ہیں تو بھاگی ہوئی گئی اور حضرت عمر کو خبر دی، حضرت عمر نے فوراً بلوا بھیجا۔ فتح اسکندریہ کے حالات سُنے اور بارگاہِ خداوندی میں سجدۂ شکر ادا کیا۔

دستور کے مطابق حضرت عمر نے اعلان کرایا کہ "الصّلوٰۃ جامعۃ"۔ تمام مدینہ والے مسجد نبوی میں اُمنڈ آئے اور معاویہ کی زبانی فتح اسکندریہ کے حالات سُنے۔ اسکے بعد حضرت عمر معاویہ کو اپنے ساتھ اپنے گھر لائے۔ اور لونڈی کو کھانا لانے کا حکم دیا۔ لونڈی نے روٹی اور روغن زیتون سامنے لاکر رکھا۔ کھانا کھاتے ہوئے حضرت عمر نے معاویہ سے پوچھا۔ تم مسجد نبوی میں کیوں جا بیٹھے تھے؟ معاویہ نے کہا یا امیرالمؤمنین، میں نے سمجھا کہ دوپہر کا وقت ہے آپ آرام فرما رہے ہوں گے۔ حضرت عمر نے فرمایا۔ افسوس تمہارا یہ خیال ہے؟ میں دن کو سوؤں گا تو خلافت کا بار کون سنبھالے گا؟

## آبادی فسطاط:-

عمرو بن عاص جب "قصر شمع" میں لوٹ آئے تو حضرت عمر کے مشورہ سے انہوں نے نیل کے مشرقی کنارے، منف کے بالمقابل ایک شہر کی بنیاد ڈالی۔ اس شہر کا نام فسطاط رکھا گیا۔ فسطاط عربی میں خیمہ کو کہتے ہیں اور یہی وہ مقام تھا جہاں قصر شمع کے محاصرہ کے زمانہ میں عمرو بن عاص کا خیمہ نصب کیا گیا تھا معاویہ بن خدیج۔ شریک بن سمی، عمرو بن مخزم اور حیویل بن ناشرہ کو شہر کی تخطیط اور محلوں کی تقسیم پر مامور کیا گیا۔ ہر ہر قبیلہ کے لئے جُدا جُدا محلے بسائے گئے۔

حضرت عمرؓ کے حکم کے مطابق، شہر کے بیچوں بیچ ایک عالیشان جامع مسجد تعمیر کی گئی۔ یہ مسجد پچاس گز چوڑی اور پچاس گز لمبی تھی۔ اسکے تین دروازے تھے جن میں سے ایک دار الحکومت کے بالمقابل تھا۔

حضرت معاویہ کے زمانہ میں یہ مسجد ناکافی ثابت ہوئی اور اس میں توسیع کی گئی۔ اسکے فرش کو پختہ کیا گیا اور چھت پر نقش و نگار بنائے گئے۔ اذان دینے کے لئے چار ماذنے بھی اضافہ ہوئے۔ عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں اس میں مزید توسیع کی گئی۔ یہ مسجد عمرو بن عاص کی طرف منسوب ہو کر "جامع عمرو" کہلائی۔ مصر میں اس زمانہ میں بھی رمضان کے آخر جمعہ کی نماز اسی مسجد میں ادا کی جاتی ہے۔

فسطاط، مصر کی اسلامی حکومت کا صدر مقام قرار پایا اور اس شہر نے

شان و شوکت کے اعتبار سے بڑی ترقی کی۔ جب بنی فاطمہ کے زمانہ میں اس کے قریب قاہرہ کی بنا ڈالی گئی تو اس کی وہ حیثیت باقی نہ رہی۔

## عروسۂ نیل:۔

عمرو بن عاص نے جب مصر کو فتح کیا تو وہاں قدیم ایام سے ایک دستور جاری تھا۔ ہر سال بونہ (قبطی مہینہ) کی بارہ تاریخ کو قبطی ایک کنواری لڑکی کو دلہن بنا کر دریائے نیل میں ڈال دیتے تھے۔ اور اس دن کو عید قرار دے کر بڑی خوشی مناتے تھے۔ دوسری بُت پرست قوموں کی طرح وہ بھی دریائے نیل کو دیوتا مانتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ اگر دریائے نیل کو لڑکی بھینٹ نہ چڑھائی جائے تو وہ ناراض ہو جائیگا اور پانی نہ دیگا۔

عمرو بن عاص کے پاس قبطیوں کا ایک وفد آیا۔ انہوں نے اس رسم پر عمل کرنے کی اجازت طلب کی۔ عمرو بن عاص نے اس "خون ناحق" کو جائز نہ رکھا اور قبطیوں سے کہدیا کہ "اسلام نے ان خرافات کو باطل کر دیا ہے"۔

کچھ ایسا اتفاق ہوا کہ اس سال دریائے نیل نے پانی نہ دیا اور اہلِ مصر کو زراعت میں مشکلات پیدا ہو گئیں۔ حتیٰ کہ بعض قبیلوں نے جن کا دار و مدار ہی زراعت پر تھا ترک وطن کا ارادہ کر لیا۔ عمرو بن عاص نے تمام حالات حضرت عمر کو لکھ کر بھیجے اور ان سے ہدایت طلب کی۔ حضرت عمر نے عمرو بن عاص کو جواب دیا کہ تم نے قبطیوں سے جو کچھ کہا بالکل درست کہا۔ میں تمہیں ایک

خط بھیجتا ہوں اسے دریائے نیل میں ڈال دینا۔ حضرت عمر کے خط کا مضمون یہ تھا:
"اللہ کے بندہ، اور مسلمانوں کے امیر کی طرف سے نیل مصر کے نام۔
اما بعد۔ اے نیل اگر تو اپنے اختیار سے بہتا ہے تو نہ بہ۔ لیکن اگر تیری روانی کا سررشتہ خداوند قہار کے ہاتھ میں ہے تو ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ تجھے جاری کر دے۔"

حضرت عمر کی ہدایت کے مطابق یہ خط دریائے نیل میں ڈال دیا گیا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اس سال دریائے نیل میں اس قدر پانی آیا کہ اس سے پہلے کبھی نہ آیا تھا۔[1]

## فتح برقہ:۔

"مصر" کی فتوحات اور انتظامات سے فارغ ہونے کے بعد عمرو بن عاص "برقہ" کی طرف بڑھے۔ برقہ مصر اور طرابلس الغرب کے درمیان واقع ہے اور اس کا قدیم نام انطابلس ہے۔ "بن غازی" اسی کی مشہور بندرگاہ ہے

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام ج ۳ ص ۶۰۹۔ البدایہ والنہایہ ج ۷، ص ۱۰۰۔ افسوس کہ یہ مشرکانہ رسم تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ مصر میں پھر جاری ہو گئی ہے۔ علامہ رفیق بک کی تصریح کے مطابق "یوم فتح خلیج" کے نام سے ہر سال ایک تہوار منایا جاتا ہے۔ اسی دن مٹی کی بنی ہوئی ایک گڑیا جسے عروسہ نیل (نیل کی دلہن) کہتے ہیں دریا میں ڈالی جاتی ہے اور بڑی خوشی منائی جاتی ہے۔ زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ خود توحید کے نام لیوا اس رسم میں شریک ہو کر کفر کے جھنڈے بلند کرتے ہیں۔

اہلِ برقہ نے جزیہ پر صلح کرلی۔ اس کے بعد عمرو بن عاص طرابلس الغرب کی طرف بڑھے۔ یہاں مقابلہ کی صورت پیش آئی۔ اور آخر کار مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔

طرابلس پر قابض ہونے کے بعد عمرو بن عاص نے حضرت عمر کو لکھا:۔

"ہم طرابلس پہنچ گئے ہیں۔ طرابلس اور افریقیہ (تونس) کے درمیان نو روز کا راستہ ہے۔ اگر امیر المؤمنین اجازت دیں تو اسے بھی فتح کرلیا جائے"۔

حضرت عمر نے عمرو بن عاص کو آگے بڑھنے کی اجازت نہ دی۔ انہوں نے عقبہ بن نافع فہری کو برقہ کا والی مقرر کیا اور مصر کی طرف لوٹ آئے۔ یہ واقعہ ۲۳ھ کا ہے[1]

## شہادت عمر رضی اللہ عنہ:۔

مدینہ منورہ میں مغیرہ بن شعبہ کا ایک ایرانی غلام "ابو لؤلؤہ" رہتا تھا۔ ایک دن وہ حضرت عمر کے پاس آیا اور کہا کہ میرے آقا نے مجھ پر بہت زیادہ محصول لگا رکھا ہے، آپ اسے کم کرا دیجئے۔ حضرت عمر نے پوچھا کیا محصول ہے؟ ابو لؤلؤہ نے کہا دو درہم روزانہ۔ حضرت عمر نے پوچھا تم پیشہ کیا کرتے ہو؟ ابو لؤلؤہ نے کہا "نجاری۔ نقاشی اور آہنگری"۔ حضرت عمر نے فرمایا تو تمہارے لئے تو یہ کچھ زیادہ محصول نہیں ہے۔ غلام اس

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام ج ۲ ص ۳۴۸

جواب سے ناراض ہوا اور یہ کہکر چلا گیا کہ اچھا سمجھوں گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "مجھے ایک غلام نے ڈانٹ دیا" اور یہ کہکر خاموش ہو رہے۔

دوسرے روز صبح کو حضرت عمرؓ نماز کیلئے مسجد نبوی میں تشریف لائے۔ ابو لؤلؤہ زہر آلود خنجر چھپائے پہلے ہی تاک میں کھڑا تھا۔ جوں ہی آپ نے تکبیر کہی اس نے شانہ اور ناف پر چھ وار کئے۔ آس پاس کے لوگ اسے پکڑنے کے لئے بھاگے۔ اس نے انہیں بھی زخمی کیا۔ مگر جب اس نے دیکھا کہ نجات کی کوئی صورت نہیں تو اپنے بھی خنجر مار کر خودکشی کر لی۔

زخمی ہونے کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو نماز کی امامت کی ہدایت کی۔ انہوں نے جلدی جلدی نماز پوری کی۔ حضرت عمرؓ اس دوران میں زمین پر پڑے رہے۔ نماز سے فراغت کے بعد حضرت حضرت عمرؓ کو ان کے گھر لایا گیا۔ آپ نے لوگوں سے پوچھا۔ یہ تو بتاؤ میرا قاتل کون ہے؟ جواب دیا گیا۔ ابو لؤلؤہ ۔ آپ نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ میرے خون سے کسی مسلمان کے ہاتھ رنگین نہیں ہوئے۔

حضرت عمرؓ کے علاج کے لئے ایک طبیب کو جو انصار میں سے تھے بلایا گیا۔ انہوں نے آپ کو قوت کے لئے دودھ پلایا۔ وہ دودھ جوں کا توں زخم کی راہ باہر نکل آیا۔ یہ حال دیکھ کر طبیب نے کہا۔ اے امیر المؤمنین اپنا قائم مقام منتخب فرما لیجئے (یعنی آخر وقت قریب ہے) یہ الفاظ سن کر پاس

کھڑے ہوئے لوگ رونے لگے۔ آپ نے فرمایا جو روتا ہو وہ میرے پاس سے چلا جائے۔ تم نے سُنا نہیں رسول اکرم صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میّت کے اعزّہ کے رونے کے سبب میّت کو عذاب دیا جاتا ہے۔[1]

حضرت عمرؓ نے جب دیکھا کہ دُنیا سے رخصت کا وقت قریب ہے تو آپ نے اپنے صاحبزادہ عبداللہؓ سے کہا: "بیٹا ام المؤمنین عائشہ رضؓ کے پاس جاؤ اور ان سے کہنا کہ عمر سلام کہتا ہے۔ دیکھو امیرالمومنین نہ کہنا کیونکہ اب میں امیرالمؤمنین نہیں ہوں اور پھر عرض کرنا کہ" عمر چاہتا ہے کہ آپ کے حجرہ میں اسکے دو محترم رفیقوں کے برابر اس کو جگہ دیدی جائے۔"

عبداللہ بن عمرؓ پہنچے تو حضرت عائشہ بیٹھی رو رہی تھیں۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کا پیغام پہنچایا تو بولیں: "میں اس جگہ کو اپنے لئے محفوظ رکھنا چاہتی تھی، لیکن میں انہیں اپنی ذات پر ترجیح دیتی ہوں۔"

عبداللہ بن عمرؓ واپس آئے تو حضرت عمرؓ نے لوگوں سے کہا کہ مجھے بٹھاؤ چنانچہ آپ کو سہارا لگا کر بٹھا دیا گیا۔ پھر آپ نے بیٹے سے پوچھا کہو کیا جواب لائے۔ عبداللہؓ نے کہا آپ کی خواہش پوری ہوگئی ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ سُن کر فرمایا۔ الحمدللہ۔ میری سب سے بڑی یہی آرزو تھی۔ پھر صاحبزادہ سے فرمایا۔ دیکھو جب میرا جنازہ لیکر حجرہ عائشہ صدیقہ رضؓ پر پہنچو تو پھر سلام عرض کرنا

---

[1] مناقب عن عبداللہ بن عمرؓ

اور کہنا کہ "عمر اجازت چاہتا ہے" اگر اجازت دیں تو وہاں دفن کر دینا ورنہ گورِ غریباں میں سپردِ خاک کر دینا۔

حضرت عمرؓ کا مقصد یہ تھا کہ عائشہ صدیقہ کی اجازت بطیب خاطر ہونی چاہیئے، کسی اثر، تکلف اور مدارات کو اس میں دخل نہ ہو[1]۔

حضرت عمر وفات کے قریب خوفِ الٰہی سے رونے لگے، ابن عباسؓ نے عرض کیا یا امیر المؤمنین آپ کو بشارت ہو، جب رسول اکرم صلعم دُنیا سے رخصت ہوئے تو وہ آپ سے راضی تھے۔ جب حضرت ابوبکر صدیق دُنیا سے تشریف لے گئے تو وہ آپ سے راضی تھے اور اب آپ دُنیا سے سدھار رہے ہیں تو سب مسلمان آپ سے راضی ہیں۔ حضرت عمر نے فرمایا۔ واللہ تم مجھے دھوکہ میں ڈالنا چاہتے ہو۔ قسم خدا کی میں پیش آنے والی منزل کے خطرات سے اس درجہ ڈر رہا ہوں کہ اگر مشرق و مغرب کے خزانے میرے پاس ہوں اور انہیں فدیہ میں دیکر جان چھڑا سکوں تو میں اس سودے کو ارزاں سمجھوں گا[2]۔

عالمِ نزع میں آپ نے عبداللہ بن عمر سے فرمایا۔ بیٹا میری پیشانی زمین سے لگا دو۔ عبداللہ نے حکم کی تعمیل کی۔ آپ زمین پر سر رکھ کر فرمانے لگے۔ اے اللہ مجھے اپنی مغفرت سے ڈھانپ لے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو افسوس مجھ پر اور افسوس میری ماں پر جس کے بطن سے میں پیدا ہوا۔ اسکے بعد جان جاں آفریں

---

[1] اسد الغابہ۔ [2] عقد الفرید۔

کے سپرد کی انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات زخمی ہونے کے تیسرے دن ۲۷ ذی الحجہ ۲۳ھ کو بدھ کی رات میں واقع ہوئی اور دوسرے دن صبح کو دفن ہوئے۔ آپ کی عمر اپنے دونوں محترم رفقاء کی طرح ۶۳ سال کی ہوئی۔ آپ کی مدت خلافت دس سال چھ مہینے چار دن ہے

## خاندان عمر فاروق رضؓ

قبل اسلام حضرت عمر نے زینب بنت مظعون سے جو خاندان بنی جمح سے تھیں شادی کی۔ ان کے بطن سے عبداللہ۔ عبدالرحمٰن اکبر اور ام المومنین حفصہ رضؓ پیدا ہوئیں۔ یہ بیوی مسلمان ہو گئی تھیں۔ قبل اسلام ہی ملیکہ بنت جرول خزاعیہ اور قریبہ بنت ابی امیہ مخزومیہ سے شادی کی۔ لیکن ان دونوں کو اسلام نہ لانے کی وجہ سے طلاق دیدی۔ ملیکہ کے بطن سے عبیداللہ پیدا ہوئے۔ پھر مدینہ میں ام حکیم بنت حارث بن ہشام مخزومیہ سے شادی کی ان سے فاطمہ پیدا ہوئیں۔ جمیلہ بنت قیس انصاریہ سے شادی کی۔ ان سے عاصم پیدا ہوئے ان کو بھی آپ نے طلاق دیدی تھی۔ ام کلثوم بنت علی رضؓ سے شادی کی۔ ان سے زید اور رقیہ پیدا ہوئے۔ لہیہ یمنیہ سے شادی کی ان سے عبدالرحمٰن اصغر پیدا ہوئے۔ پھر عاتکہ بنت زید سے شادی کی۔

جن صاحبزادوں سے سلسلہ اولاد چلا وہ عبداللہ۔ عبیداللہ اور

عاصم ہیں ۔

## عمالِ عمرؓ

۲۳ھ میں، جب حضرت عمرؓ کی وفات ہوئی۔ آپ کی طرف سے حسب ذیل عامل مقرر تھے:۔

مکہ ۔ نافع بن ابوالحارث خزاعی ۔

طائف ۔ سفیان بن عبداللہ ثقفی ۔

کوفہ ۔ مغیرہ بن شعبہ ۔

بصرہ ۔ ابوموسیٰ اشعری ۔

مصر ۔ عمرو بن عاص ۔

دمشق ۔ معاویہ بن ابی سفیان ۔

حمص ۔ عمیر بن سعد ۔

بحرین ۔ عثمان بن ابی عاص ۔

آپ کے کاتب زید بن ثابت اور معیقیب تھے۔ بیت المال کے نگراں عبداللہ بن ارقم اور آپ کے حاجب آپ کے غلام یرفا ر ۔

---

# عہدِ عثمان غنی

## رضی اللہ تعالیٰ عنہ

### وصیتِ عمر فاروقؓ :۔

جب حضرت عمر فاروق کی زندگی سے مایوسی ہوگئی، تو بعض صحابہ نے آپ سے عرض کیا " آپ اپنے بعد کسی کو خلیفہ نامزد فرما دیں تو اچھا ہو" حضرت عمر نے جواب دیا اگر میں کسی کو اپنے بعد خلیفہ نامزد کردوں تو اس میں بھی کوئی ہرج نہیں، کیونکہ حضرت ابوبکر نے ایسا کیا۔ اور اگر کسی کو نامزد نہ کروں تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ رسول اکرم صلعم نے ایسا کیا۔ پھر فرمایا۔ اگر آج ابوعبیدہ ابن جراح زندہ ہوتے تو میں انہیں اپنا قائم مقام تجویز کرتا۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلعم سے سُنا ہے کہ " ابوعبیدہ اس وقت اُمّت کے امین ہیں"۔ یا ابوحذیفہ کے غلام سالم زندہ ہوتے تو یہ ذمّہ داری میں ان کے سپرد کرتا۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلعم سے سُنا ہے کہ " سالم عشق خداوندی کا پروانہ ہے " کسی نے کہا اپنے صاحبزادہ عبداللہ بن عمر کو خلیفہ بنا دیجئے، وہ اپنی دینداری علم وفضل اور قدامتِ اسلام کے لحاظ سے ہر طرح موزوں ہیں۔ آپ نے جواب دیا " خاندان خطاب میں سے ایک ہی شخص اُمّتِ محمد صلعم کی ذمّہ داری

کا حساب دینے کے لئے کافی ہے۔ اگر عمر اس محاسبہ سے برابر سرا بھی چھوٹ جائے تو وہ اسی کو غنیمت سمجھے۔"

صحابہ اس وقت تو خاموش ہو گئے۔ پھر دوسرے وقت اس بحث کو چھیڑا۔ آپ نے فرمایا۔ زندگی بھر جو بار مجھ پر رہا میں مرنے کے بعد بھی اس کی ذمہ داری قبول کرنا نہیں چاہتا۔ یہ چھ شخص ہیں جن کے جنتی ہونے کی رسولِ اکرم صلعم نے خبر دی ہے۔ علی۔ عثمان۔ عبدالرحمٰن بن عوف۔ سعد بن ابی وقاص زبیر بن عوام اور طلحہ بن عبیداللہ۔ ان کو میں اختیار دیتا ہوں کہ جمع ہو کر اپنی جماعت میں سے کسی ایک کو امیر چن لیں۔

پھر آپ نے مقداد بن اسود کو بلا کر فرمایا۔ جب میری تدفین سے فراغت ہو تو ان چھ آدمیوں کو ایک مکان میں جمع کرنا اور ان سے کہنا کہ اپنی جماعت میں سے تین دن کے اندر اندر کسی کو امیر مقرر کر لیں۔ اگر متفقہ طور پر فیصلہ نہ ہو سکے تو جس کی طرف کثرت رائے ہو۔ وہ امیر منتخب ہو گا۔ اگر دونوں طرف رائیں برابر ہوں تو عبداللہ بن عمر کو حکم بنایا جائے لیکن انہیں خود خلیفہ بننے کا حق نہ ہو گا۔ اگر عبداللہ کو حکم بنانا پسند نہ کریں تو جس طرف عبدالرحمٰن ہوں گے وہ رائے قابلِ قبول ہو گی جو شخص اس جماعت کے فیصلہ سے اختلاف کرے اور امت میں نزاع پیدا کرنا چاہے اسکی گردن اڑا دینا۔

## انتخاب خلافت :-

حضرت عمرؓ کی وصیت کے مطابق مقداد نے اس "جماعت شوریٰ" کو مسور بن مخرمہ کے مکان میں جمع کیا۔ حضرت طلحہ چونکہ پہلے ہی سے باہر گئے ہوئے تھے اس لئے شریک نہ تھے۔ خود حضرت عمر نے بھی یہی فرمایا تھا کہ اگر یہ تین دن کے اندر آجائیں تو شریک مشورہ ہو جائیں ورنہ خیر!

کچھ دیر تک آپس میں گفتگو ہوتی رہی۔ پھر حضرت عبدالرحمٰن نے کہا جو شخص خلافت سے دستبردار ہونا قبول کرے اسے یہ حق ہوگا کہ وہ کسی ایک کو خلیفہ منتخب کرلے۔ بتاؤ کون اس کے لئے تیار ہے؟ اس سوال کے جواب میں جب سب لوگ خاموش رہے تو حضرت عبدالرحمٰن نے کہا۔ میں خود اسکے لئے تیار ہوں۔ حضرت علیؓ کے سوا باقی سب نے کہا کہ ہم اپنا حق انتخاب تمہارے حوالہ کرتے ہیں۔ تم جسے چاہو خلیفہ نامزد کردو۔ حضرت عبدالرحمٰن نے حضرت علی رضؓ سے پوچھا کہ آپ کیا فرماتے ہیں؟ حضرت علی نے جواب دیا۔ اگر تم وعدہ کرو کہ انصاف کرو گے، کسی عزیز کی پاسداری نہ کرو گے، اور امت کی بہی خواہی کا خیال رکھو گے تو میں بھی تمہارے فیصلہ پر راضی ہوں۔ حضرت عبدالرحمٰن نے جواب دیا۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ کسی عزیز کو قرابت کی وجہ سے ترجیح نہ دوں گا اور مسلمانوں کی بہتری ہر حال میں ملحوظ رہے گی۔

اس فیصلہ کے بعد خلیفہ کے انتخاب کا بار حضرت عبدالرحمٰن کی گردن پر آپڑا

حضرت عبدالرحمٰن کو اپنی اس اہم ذمہ داری کا پورا احساس تھا۔ حضرت عمر کی وفات کی وجہ سے، تمام اکابر صحابہ، امرا، لشکر اور حکام بلاد مدینہ منورہ میں جمع تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن رات کی تاریکی میں چادر اوڑھ کر ایک ایک کے پاس جاتے اور اس کی آزادانہ رائے حاصل کرتے۔ بجز بنی ہاشم کے جو حضرت علی کے طرفدار تھے سب کی ایک ہی رائے تھی۔ اور وہ یہ کہ حضرت عثمان کو خلیفہ بنایا جائے۔

حضرت عبدالرحمٰن نے حضرت علی سے پوچھا۔ اگر یہ منصب آپ کو نہ حاصل ہو سکے تو آپ کس کو اس کے لئے سب سے زیادہ موزوں سمجھتے ہیں حضرت علی نے فرمایا عثمان کو۔ حضرت عثمان سے یہی سوال کیا گیا تو آپ نے حضرت علی کا نام لیا۔

آخر وہ تیسری رات آگئی جس کی صبح کو حضرت عبدالرحمٰن کو اپنے فیصلہ کا اعلان کرنا تھا۔ اس رات آپ نے یکے بعد دیگرے چاروں ارکانِ شوریٰ سے بڑی بڑی دیر تک گفتگو کی۔ آخر مؤذن کی اذان نے آپ کے سلسلۂ گفتگو کو منقطع کیا۔

صبح کی نماز سے فارغ ہو کر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف مسجد نبوی میں تشریف لائے۔ ساری مسجد نئے خلیفہ کے نام کا اعلان سننے کے لئے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔

حضرت عبدالرحمٰن نے پہلے بہت دیر تک دعا مانگی اور پھر کہا۔ لوگو

میں نے خلافت کے معاملہ میں خوب غور کر لیا ہے اور مختلف لوگوں سے مل کر ان کی رائے معلوم کر لی ہے۔ مجھے امید ہے کہ کسی کو میرے فیصلہ سے اختلاف نہ ہوگا۔ اسکے بعد حضرت عثمان کو بلا کر کہا عہد کرو کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اس کے رسول کی سنت اور حضرات شیخین (ابوبکر و عمرؓ) کی سیرت پر عمل کرو گے حضرت عثمان نے فرمایا کہ میں اپنے علم اور طاقت کے مطابق ایسا ہی کروں گا یہ عہد لینے کے بعد حضرت عبدالرحمٰن نے حضرت عثمان کے ہاتھ پر بیعت کی۔

حضرت عبدالرحمٰن کے بیعت کرتے ہی لوگ چاروں طرف سے حضرت عثمان پر ٹوٹ پڑے اور بیعت کرنے لگے۔ حضرت علی نے بھی فوراً یا کچھ دیر بعد بیعت کر لی۔ یہ واقعہ ۲۹ ذی الحجہ ۲۳ھ کا ہے۔

حضرت طلحہ، بیعت عثمان کے بعد آئے۔ حضرت عثمان نے ان سے کہا۔ آپ کو اختیار ہے چاہیں تو اس بیعت کو باقی رکھیں اور چاہیں رد کر دیں حضرت طلحہ نے پوچھا کیا سب لوگوں نے عثمان کی بیعت کر لی ہے؟ لوگوں نے جواب دیا "ہاں"۔ اس پر حضرت طلحہ نے فرمایا۔ سب لوگوں کے فیصلہ سے مجھے بھی اتفاق ہے۔[۱]

---

[۱] ابن جریر طبری ملخصاً و البدایہ و النہایہ۔

# حالاتِ قبلِ خلافت

آپ کا نام عثمان ہے، ابو عمر کنیت ہے، ذوالنورین لقب ہے۔ والد کا نام عفان ہے اور والدہ کا نام اروی۔ آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی اس طرح آپ کا سلسلہ پانچویں پشت میں عبد مناف پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا ملتا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی نانی بیضاء ام حکیم بنت عبد المطلب رسول اکرم صلعم کی پھوپھی ہیں۔ یکے بعد دیگرے رسول اکرم صلعم کی دو صاحبزادیاں آپ کے عقد میں آئیں۔ اس لئے آپ ذوالنورین کے لقب سے مشہور ہوئے۔

حضرت عثمان کا خاندان زمانۂ جاہلیت میں بہت معزز سمجھا جاتا تھا۔ قریش کا قومی جھنڈا عقاب اسی خاندان کے قبضہ میں رہتا تھا۔ آپ کے پردادا امیہ بن عبد شمس قریش کے ممتاز سردار اور رئیس تھے۔ قریش کے کسی خاندان کو اگر بنی ہاشم کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ ہو سکتا تھا تو وہ بنی امیہ ہی کا خاندان تھا۔

حضرت عثمان غنی، واقعۂ فیل کے چھٹے سال پیدا ہوئے۔ بڑے

ہوئے تو کپڑے کی تجارت اختیار کی۔ خدا نے اس پیشہ میں بڑی برکت دی۔ خوب کمایا اور خوب راہِ مولیٰ میں لٹایا۔ آپ کے جود و کرم اور حُسنِ اخلاق کی وجہ سے قریش میں آپ کو عزت و محبت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ عورتیں جب اپنے بچوں کو لوری دیتی تھیں تو کہتی تھیں:۔

احبك والرحمٰن    حب قریش عثمان[1]

(خدا کی قسم میں تجھ سے ایسی محبت کرتی ہوں جیسی قریش عثمان سے کرتے ہیں)

## قبولِ اسلام:۔

حضرت ابوبکر صدیق نے مشرف باسلام ہوتے ہی تبلیغِ اسلام کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دیا۔ سب سے پہلے آپ نے اپنے مخلص دوستوں کو اس سعادت کے قبول کرنے کی دعوت دی۔ ان دوستوں میں حضرت عثمان۔ حضرت زبیر اور حضرت طلحہ بھی تھے۔ چنانچہ تینوں نے ایک ساتھ دعوتِ حق کو لبیک کہا اور سابقینِ اوّلین میں شمار ہوئے۔

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے خاندان بنی ہاشم، اور خاندان بنی امیہ میں، دنیوی جاہ و مرتبت کے سلسلہ میں چشمک تھی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ رسولِ اکرم صلعم کی دعوت کی کامیابی سے بنی ہاشم کے اقتدار میں اضافہ ہوتا تھا لیکن جب حضرت عثمان کے سامنے دینِ اسلام پیش کیا گیا تو آپ نے بسر و چشم

---

[1] ابن عساکر عن الشعبی۔

اسے قبول کیا اور مصالح دنیوی نے آپ کے ارادہ میں کوئی جھجک پیدا نہ کی۔

قبولِ اسلام کے بعد، رسول اکرم صلعم نے آپ کو اپنی دامادی کے شرف سے نوازا اور رسول اکرم صلعم کی منجھلی صاحبزادی، حضرت رقیہ سے آپ کی شادی ہوئی۔

## ہجرتِ حبشہ :۔

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت عثمان بھی دوسرے بلاکشانِ اسلام کی طرح کفارِ قریش کے مظالم کا شکار ہوئے۔ آپ کے چچا حکم بن عاص بن امیہ نے آپ کے ہاتھ پاؤں باندھ کر قید کر دیا، اور کہدیا کہ جبتک تم نئے دین کو نہ چھوڑو گے میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔

حضرت عثمان جب ان اذیتوں سے بیحد تنگ آگئے تو رسول اکرم صلعم کے حکم کے مطابق اپنی بیوی کو ساتھ لیکر حبشہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت عثمان دین کو بچانے کے لئے اپنے گھر بار اور اعزہ و اقربا کو چھوڑ کر نکل جانے والوں میں پہلے شخص تھے۔ رسولِ اکرم صلعم نے ارشاد فرمایا :۔

"خدا ان دونوں میاں بیوی کا نگہبان ہو۔ لوط علیہ السّلام کے بعد عثمان پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنی بیوی کے ساتھ راہِ خدا میں ہجرت کی۔

پھر جب مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا سلسلہ شروع ہوا تو آپ نے بھی اپنے اہل وعیال کے ساتھ ہجرت فرمائی۔

## شرکتِ غزوات :-

دوسرے فداکارانِ اسلام کی طرح آپ نے بھی تمام غزوات میں شریک ہوکر دین کے لئے جان کی قربانی پیش کی۔ البتہ غزوۂ بدر میں آپ اپنی اہلیہ محترمہ حضرت رقیہ رضؓ کی شدید علالت کی وجہ سے شرکت نہ فرما سکے۔ رسول اکرم صلعم نے آپ کو حکم دیا تھا کہ مدینہ میں رہ کر حضرت رقیہ کی تیمار داری فرمائیں۔ حضرت رقیہ کا اسی زمانہ میں انتقال ہوگیا۔ رسول اکرم صلعم نے حضرت عثمان کو "شرکاء بدر" میں شمار کیا، سامانِ غنیمت میں سے بھی آپ کو حصّہ دیا اور اجرِ آخرت کی بھی بشارت دی۔ حضرت عثمان کو رسول اللہ صلعم کی فرزندی کے فخر سے محروم ہونے کا بڑا غم تھا۔ رسول اللہ صلعم نے جب آپ کو بیحد ملول دیکھا تو اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم سے آپ کی شادی کردی۔ یہ وہ فخر ہے جو آپ کے سوا کسی اور کو حاصل نہ ہوسکا اور اسی وجہ سے آپ "ذوالنورین" کے لقب سے مشہور ہوئے۔

سنہ ۶ھ میں جب رسول اکرم صلعم، اپنے صحابہ کے ساتھ زیارتِ کعبہ کیلئے روانہ ہوئے تو مقام حدیبیہ میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ کفار قریش آپ کو مکّہ میں داخل نہ ہونے دینگے۔ آپ نے حضرت عثمان کو کفّار سے بات چیت کرنے کے لئے سفیر بنا کر بھیجا۔ کفار نے آپ کو روک لیا اور مسلمانوں میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ آپ کو شہید کردیا گیا ہے۔ اس خبر سے مسلمانوں میں سخت جوش پیدا ہوگیا۔

رسول اکرم صلعم نے ایک پیڑ کے نیچے بیٹھ کر صحابہ سے جان کی قربانی کی بیعت لی۔ اس موقعہ پر آپ نے اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھ کر حضرت عثمان کی طرف سے بیعت لی۔ اور اپنے دستِ مبارک کو حضرت عثمان کے ہاتھ کا قائم مقام قرار دیا۔

۹ھ میں جب مدینہ منوّرہ میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ قیصر روم عرب پر حملہ آور ہونیوالا ہے تو رسول اکرم صلعم نے مسلمانوں کو جہاد کی تیاری کا حکم دیا اور سامانِ جنگ کے لئے چندہ کی اپیل کی۔ حضرت عثمان نے حضور کی اس اپیل کا جواب جس شان کے ساتھ دیا وہ عہدِ نبوّت کی تاریخ میں اپنی نظیر آپ ہے۔ آپ نے ایک ہزار اونٹ اور پچاس گھوڑے پیش کئے اور ایک ہزار دینار کی تھیلیاں لاکر رسول اکرم صلعم کی گود میں ڈالدیں حضور صلعم ان دیناروں کو الٹتے پلٹتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے:۔

ما ضر عثمان ما عمل بعد الیوم — آج کے بعد عثمان کا کوئی کام انہیں نقصان نہ پہنچائے گا[۱]

جود وکرم:۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جود وکرم کی بارشوں نے ہر موقعہ پر کشتِ ملّت کی آبیاری کی۔ رسول اکرم صلعم جب مدینہ تشریف لائے

---

[۱] ترمذی عن انس۔

تو مہاجرین کو پانی کی بہم رسانی کی سخت دقت تھی صرف بئر رومہ ہی ایک کنواں تھا جس کا پانی پینے کے لائق تھا مگر اس کا مالک ایک یہودی تھا جو مسلمانوں کو پانی نہ لینے دیتا تھا۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا "کوئی ہے جو بئر رومہ کو خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دے اور اس کے عوض جنت کے چشمہ کا مالک ہو۔" حضرت عثمان نے بیس ہزار درہم میں اسے خرید کر مسلمانوں کے لئے اسے وقف کر دیا۔

اسی طرح جب مسجد نبوی میں توسیع کی ضرورت محسوس ہوئی تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا "کوئی ہے جو ہماری مسجد میں توسیع کرے"! حضرت عثمان نے پانچ ستونوں کی مقدار زمین خرید لی اور مسجد نبوی کی توسیع ہو گئی۔[1]

حضرت عثمان کی یہی شانِ کرم تھی جس نے مسلمانوں کے دلوں کو موہ لیا تھا اور وہ آپ کے گرویدہ تھے۔

## دیگر فضائل :-

حضرت عثمان رسول اکرم صلعم کے رفیقِ خاص اور کاتبِ وحی تھے آپ رسول اکرم صلعم کے ان دس حواریوں میں سے تھے جنہیں آپ نے

---

[1] رواہ ابن عبدالبر۔

جنّت کی بشارت دی۔ آپ ان چھ بزرگوں میں سے تھے جنہیں حضرت عمر نے "اہلِ شوریٰ" تجویز کیا اور خبر دی کہ رسولِ اکرم صلعم ان سے خوش دُنیا سے رخصت ہوئے ہیں۔ حضور نے بعض موقعوں پر آپ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بھی تجویز کیا۔ آپ کی وفات کے بعد آپ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے مشیر خصوصی رہے اور خدماتِ خلافت میں دستِ راست بنے رہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

# واقعاتِ عہدِ خلافت

## خطبۂ خلافت :-

بیعت کے بعد حضرت عثمان خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے لیکن اپنی نئی ذمہ داریوں کے احساس سے آپ اس درجہ متاثر تھے کہ کانپنے لگے۔ آپ نے صرف اس قدر فرمایا :-

"اے لوگو! کسی نئی سواری پر چڑھنا آسان کام نہیں۔ آج کے بعد تقریر کے لئے اور بہت سے مواقع ہیں، اگر زندہ رہا تو اور کسی دن خطبہ دوں گا۔ اور یہ تو تمہیں معلوم ہی ہے کہ ہم لوگ میدانِ تقریر کے شہسوار نہیں ہیں۔"[1]

حضرت عثمان نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ والیان صوبہ۔ امرا فوج اور عمّال خراج کے نام فرمان جاری کئے۔ ان فرمانوں میں ہدایت کی گئی تھی کہ عدل و انصاف کے سررشتہ کو نہ چھوڑا جائے، آمدنی اور خرچ میں امانت و دیانت سے کام لیا جائے۔ مسلمانوں اور ذمیوں کے درمیان کوئی فرق روا نہ رکھا جائے۔ دشمنوں کے ساتھ مقابلہ کے وقت بھی بدعہدی

[1] طبقات ابن سعد و عقد الفرید۔

نہ کی جائے۔ اس کے علاوہ یہ بھی واضح کیا گیا تھا کہ سرداران اسلام کی حیثیت محافظ اور نگہبان کی ہے۔ وہ رعیت کے آقا و مولیٰ نہیں ہیں۔

## پہلا مقدمہ:۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت ایک سازش کا نتیجہ تھی۔ اس سازش میں ابو لؤلؤہ کے علاوہ جفینہ اور ہرمزان بھی شریک تھے۔ ابو لؤلؤہ نہاوند کا رہنے والا پارسی غلام تھا۔ اور جفینہ حیرہ کا رہنے والا نصرانی۔ حضرت عمر کے عہد کی عظیم الشان فتوحات اور پارسی و نصرانی حکومتوں کی عبرت انگیز بربادی سے ان کے دلوں میں بغض و حسد کے انگارے دہک رہے تھے۔ فتح نہاوند کے بعد، جب وہاں کے قیدی مدینہ پہنچے تو ابو لؤلؤہ ایک ایک بچّہ کے سر پہ ہاتھ پھیرتا تھا اور رو کر کہتا تھا "عمر نے میرا کلیجہ کھا لیا ہے"۔

جس صبح حضرت عمر شہید ہوئے اس کی رات کو عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے دیکھا تھا کہ ابو لولوہ، جفینہ اور ہرمزان آپس میں کانا پھوسی کر رہے ہیں عبدالرحمٰن کو دیکھ کر یہ تینوں گھبرائے اور الگ الگ ہو گئے۔ اس گھبراہٹ میں ان میں سے کسی کے کپڑوں میں سے ایک خنجر نکل کر گرا جس کے دونوں طرف دھار تھی اور بیچ میں دستہ۔

عبیداللہ بن عمر نے جب یہ واقعہ سنا تو انہوں نے اس خنجر کو جس سے

حضرت عمر شہید ہوئے تھے منگا کر دیکھا۔ خنجر بالکل اسی وضع کا تھا جو عبدالرحمٰن نے بیان کی تھی۔ عبیداللہ غصہ میں اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے اور جفینہ اور ہرمزان کو قتل کر دیا۔

عبیداللہ کو اس حرکت کے ارتکاب پر گرفتار کر لیا گیا۔ اور حضرت عثمان کی خلافت کے بعد سب سے پہلے یہی مقدمہ پیش ہوا۔

حضرت عثمان نے اکابر صحابہ سے پوچھا آپ کی اس معاملہ میں کیا رائے ہے؟ حضرت علی نے کہا ہرمزان اور جفینہ پر صرف عبدالرحمٰن کی شہادت سے جُرم ثابت نہیں ہوتا۔ اس لئے عبیداللہ بن عمر کو قصاص میں قتل کر دینا چاہیئے۔ بعض دوسرے صحابہ نے کہا کل عمر شہید ہوئے ہیں آج ان کے صاحبزادے کو قتل کر دیا جائے یہ نہیں ہو سکتا۔

حضرت عثمان نے ہرمزان اور جفینہ کی دیت اپنے پاس سے ادا کر کے اس قضیہ کو ختم کر دیا۔ کیونکہ مقتولین کے ورثا نہ تھے اور خلیفہ کو ان کے معاملہ میں پورا اختیار حاصل تھا۔

حضرت عثمان کے اس فیصلہ کو بہت پسند کیا گیا۔

# فتوحات

## آذربیجان و آرمینیا:-

حضرت عمر کے آخر عہد میں مغیرہ بن شعبہ کوفہ کے والی تھے۔ حضرت عمر نے وصیت کی تھی کہ سعد بن وقاص فاتح ایران ہی کو پھر کوفہ کا والی مقرر کردیا جائے۔ حضرت عثمان نے زمام خلافت ہاتھ میں لیتے ہی اس حکم کی تعمیل کی۔ لیکن دو سال بعد ۲۶ھ میں سعد بن وقاص پھر معزول کئے گئے۔

بات یہ ہوئی کہ سعد بن وقاص نے عبداللہ بن مسعود سے جو افسر خراج تھے کسی ضرورت سے کچھ رقم قرض لی۔ اور وہ اسے وقت پر ادا نہ کرسکے عبداللہ بن مسعود نے معاملہ دربار خلافت تک پہنچادیا۔ چونکہ ایک بڑے افسر کے لئے یہ طرز عمل موزوں نہ تھا اس لئے حضرت عثمان نے انہیں معزول کردیا اور ان کی جگہ ولید بن عقبہ کو کوفہ کا والی مقرر کیا۔

رے، آذربیجان اور آرمینیا کے ممالک کوفہ سے متعلق تھے۔ یہیں سے ان ملکوں کی حفاظت اور مدافعت کیلئے فوجیں روانہ کی جاتی تھیں۔

سعد بن وقاص کے زمانہ میں عُتبہ بن فرقد آذربیجان کے عامل تھے سعد کی معزولی پر وہ بھی معزول کئے گئے۔ آذربیجان والوں نے ان کے

جاتے ہی علم بغاوت بلند کیا۔ ولید بن عقبہ نے فوجی کارروائی کی اور اہلِ آذربیجان نے پھر اطاعت قبول کی۔

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت عمر کے عہدِ خلافت میں سراقہ بن عمرو نے عبدالرحمٰن بن ربیعہ باہلی اور حبیب بن مسلمہ فہری کے ساتھ آرمینیا اور قوقاز کے علاقوں میں حملہ کیا تھا۔ عبدالرحمٰن بن ربیعہ مشرقی آرمینیا کو فتح کرتے ہوئے بحیرِ خزر کے کنارے باب تک پہنچ گئے تھے۔ باب کی فتح کے بعد سراقہ نے اسلامی سرداروں کو آرمینیا کے دوسرے شہروں کی فتح کیلئے روانہ کیا۔ چنانچہ حبیب بن مسلمہ گرجستان کے علاقہ میں بڑھے اور اس کے صدر مقام تفلس کو فتح کر لیا۔ اسی دوران میں سراقہ کا انتقال ہو گیا اور عبدالرحمٰن بن ربیعہ ان کے قائم مقام منتخب ہوئے۔

عبدالرحمٰن نے باب کو صدر مقام بنا کر انتظامات درست کئے اور پھر فتح کے ارادہ سے آگے بڑھے یہاں تک کہ دربند پہنچ گئے۔ پھر آپ تنگنائے دربند کو پار کر کے شمال کے نشیبی علاقوں میں پہنچے اور بلنجر سے دو سو میل آگے پہنچ کر دم لیا۔

عبدالرحمٰن باب میں مقیم ہو گئے تھے۔ آپ موقعہ بموقعہ وہاں سے بلادِ خزر میں حملے کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ وہیں خاقانِ خزر سے مقابلہ کرتے ہوئے نہر ترک یا نہر بلنجر پر شہید ہو گئے۔

ابن جمانہ باہلی - عبدالرحمٰن اور قتیبہ بن مسلم فاتح ترکستان کی بہادری اور جاں فروشی پر ان الفاظ میں اظہارِ فخر کرتا ہے۔

| | |
|---|---|
| و ان لنا قبرین قبر بلنجر | ہمارے خاندان کے دو مجاہدوں کی |
| وقبر بصیستان یاله من قبر | قبریں ہمارے لئے باعث فخر ہیں ایک |
| فذاك الذی بالصین عمت فتوحه | قبر بلنجر میں ہے اور ایک قبر چین میں اس |
| وهذا باعلی الترك یسقی به القطر | نے چین کے گوشہ گوشہ میں فتح کا علم لہرایا |

اور اس کی قبر کو ترکستان کے انتہائی علاقہ میں ابر رحمت سیراب کرتا ہے۔

عبدالرحمٰن کی شہادت کے بعد مسلمان بلادِ خزر میں نہ ٹھہر سکے۔ اور تمام آرمینیا ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔

۲۶ھ میں حضرت عثمان نے "سلمان بن ربیعہ (برادرِ عبدالرحمٰن بن ربیعہ) اور حبیب بن مسلمہ کو دوبارہ ان علاقوں کی فتوحات کے لئے روانہ کیا چنانچہ ان دونوں بہادروں نے آرمینیا اور قوقازکے تمام علاقوں کو دوبارہ اسلامی جھنڈے کے سایہ میں داخل کر لیا[1]

## ام عبداللہ کی جرأتِ مردانہ :-

جس زمانہ میں حبیب بن مسلمہ آرمینیا کے علاقوں میں بہادری کے جوہر دکھا رہے تھے ان کی بیوی ام عبداللہ کلبیہ بھی ان کے ساتھ تھیں۔ ایک دن

[1] اشہر مشاہیر الاسلام ج ۴ ص ۲۰۷ بحوالہ ابن خلدون و دیفرجی۔

حبیب کو معلوم ہوا کہ آرمینیاقس کا بطریق "موریان" بڑے ساز و سامان کے ساتھ ان کے مقابلہ کی تیاریاں کر رہا ہے۔ حبیب کے پاس فوج کم تھی اس لئے انہوں نے موریان پر شب خون مارنے کا ارادہ کیا۔ ام عبداللہ نے اپنے شوہر کو اسلحہ سے آراستہ ہوتے دیکھا تو پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ حبیب نے جواب دیا "موریان کے خیمہ کا یا جنّت الفردوس کا"۔

حبیب جب موریان کی فوج کا قتل عام کرتے ہوئے موریان کے خیمہ پر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان کی بیوی پہلے ہی سے اسلحہ کے زیور سے آراستہ ان کی مدد کے لئے وہاں موجود ہیں[1]

آرمینیا کی دوبارہ فتح کے بعد سلمان بن ربیعہ یہاں کے نگراں قرار پائے اور "باب" میں اقامت اختیار کی۔

## اناطولیہ و قبرص :-

حضرت عثمان کے عہد میں شام کا سارا ملک حضرت معاویہ بن ابی سفیان کے ماتحت تھا۔ چونکہ شام کی سرحد بلادِ روم سے ملتی تھی اس لئے حضرت معاویہ کی رومیوں سے اکثر جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔ ۲۵ھ یا ۲۶ھ میں حضرت معاویہ نے اناطولیہ پر حملہ کیا اور شہر عموریہ کو فتح کر لیا۔ شام سے عموریہ تک جس قدر قلعے تھے ان پر قبضہ کر کے، شام اور جزیرہ کے

---

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۲۰۰

مسلمانوں کو وہاں آباد کیا ۔ حضرت معاویہ اور آگے بڑھنا چاہتے تھے ۔ مگر انہیں خشکی کے راستہ مزید پیش قدمی کا موقع نہ ملا ۔

اب انہوں نے اناطولیہ کے ساحلی علاقوں اور بحیرۂ روم کے جزیروں پر سمندر کے راستہ حملہ کرنے کا ارادہ کیا ۔ حضرت معاویہ بحری جنگ کے بہت شائق تھے ۔ انہوں نے حضرت عمر کے عہدِ خلافت میں ان سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تھا ۔ مگر حضرت عمر بحری جنگ کے اسی قدر مخالف تھے ۔ انہوں نے حضرت معاویہ کو اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا ۔ اب حضرت معاویہ نے حضرت عثمان سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا ۔ حضرت عثمان نے اس شرط پر اجازت دیدی کہ جو لوگ خوشی سے اس حملہ میں شریک ہونا چاہیں انہی کو شریک کیا جائے ۔ کسی پر جبر نہ کیا جائے ۔ حضرت معاویہ نے جہازوں کا ایک بیڑا خود تیار کیا اور دوسرا بیڑا عبداللہ بن ابی سرح گورنر مصر لیکر بڑھے یہ دونوں بیڑے عبداللہ بن قیس حارثی کی رہنمائی میں بحیرۂ روم کے مشہور جزیرہ قبرص پر لنگر انداز ہوئے ۔ اہلِ قبرص نے سخت مقابلہ کیا لیکن آخر کار ہتھیار ڈال دئیے اور ان شرائط پر صلح کر لی ۔

(۱) اہلِ قبرص مسلمانوں کو سات ہزار دینار سالانہ ادا کیا کریں گے اور اسی قدر رقم وہ رومیوں کو بھی ادا کرتے رہیں گے ۔

(۲) مسلمانوں پر اہلِ قبرص کی حفاظت ضروری نہ ہوگی ۔

(۳) اہل قبرص دشمنوں کی نقل و حرکت سے مسلمانوں کو اطلاع دیں گے اور مسلمان اپنے دشمنوں پر حملہ کرتے وقت قبرص کو استعمال کر سکیں گے۔

اس طرح جزیرہ قبرص جو مصر و شام کی حفاظت کیلئے اہم مقام ہے مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا اور بحیرہ روم میں اسلامی فوجوں کا بحری مرکز قرار پایا۔[1] یہ واقعہ ۲۸ھ کا ہے۔

## مصر و بلادِ مغرب[2]:-

حضرت عثمان کے ابتدا عہد میں مصر کے گورنر فاتح مصر عمرو بن عاص

---

[1] محاضرات الخضری ج ۲ ص ۴۴

[2] بلاد مغرب سے مورخین اسلام شمالی مغربی افریقہ مراد لیتے ہیں۔ اسکے حدود اربعہ یہ ہیں۔ مشرق میں مصر اور بحر احمر، مغرب میں بحر اوقیانوس، شمال میں بحر ابیض متوسط اور آبنائے جبل الطارق، اور جنوب میں صحراء کبریٰ۔ آغاز فتوحات اسلامی میں بلاد مغرب کی تین بڑی تقسیمیں کی جاتی تھیں۔ (۱) مغرب ادنیٰ اس میں طرابلس اور تونس شامل تھے اور اس کا صدر مقام قیروان تھا (۲) مغرب اوسط یہ الجزائر کا نام تھا اور اس کا صدر مقام تلمسان تھا۔ (۳) مغرب اقصیٰ اس کا اطلاق مراکش پر ہوتا تھا اور اس کے صدر مقام فاس اور مراکش تھے۔ آج کل یہ بہت سے حصوں میں منقسم ہے اور متعدد دولِ مغرب کا اس پر تسلط ہے۔

تھے۔ حضرت عثمان نے ان سے مصر کے خراج میں اضافہ کا مطالبہ کیا۔ عمرو بن عاص نے جواب دیا۔ اونٹنی اس سے زیادہ دودھ نہیں دے سکتی۔ حضرت عثمان نے ان کو معزول کر کے عبداللہ بن ابی سرح کو گورنر بنا دیا۔

عمرو بن عاص کی معزولی کی خبر سن کر ۲۵ھ میں اہلِ اسکندریہ نے رومیوں کے اشارہ سے بغاوت کی۔ حضرت عثمان نے اہلِ مصر کے مشورہ سے اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے پھر عمرو بن عاص کو متعین کیا۔ انہوں نے بڑی دانائی کے ساتھ اس کام کو انجام دیا۔ رومیوں کو شکست فاش ہوئی۔ عمرو بن عاص نے ان کے بیڑے کے بہت سے جہازوں پر قبضہ کر لیا اور اسکندریہ کی فصیل کو منہدم کرا دیا۔

اسی سال عبداللہ بن ابی سرح مصر سے طرابلس کی مہم پر روانہ کئے گئے۔ انہوں نے طرابلس کے بہت سے شہروں پر جو رومیوں کے زیر اقتدار تھے قبضہ کر لیا اور پچیس لاکھ دینار پر صلح ہوئی۔

اس دوران میں عبداللہ بن ابی سرح اور عمرو بن عاص دونوں کا مصر کے انتظامات میں ہاتھ رہا۔ حضرت عثمان چاہتے تھے کہ عمرو بن عاص افسر فوج رہیں اور عبداللہ افسر مال و خراج۔ لیکن عمرو بن عاص نے اسے منظور نہ کیا۔ اور مصر کا پورا انتظام عبداللہ بن ابی سرح کے ہاتھ میں آگیا۔ یہ واقعہ سنہ ۲۶ھ کا ہے۔

عبداللہ بن ابی سرح نے اپنے عہدِ حکومت میں مصر کا خراج ۴۰ لاکھ بھیجا جو سابق کے مقابلہ میں دوگنا تھا۔ حضرت عثمان نے عمرو بن عاص سے کہا۔ دیکھا آخر اونٹنی نے دودھ دیا۔ عمرو بن عاص نے جواب دیا۔ ہاں دیا مگر بچے بھوکے رہ گئے۔

سنہ ۲۶ھ میں مصر کی ولایت کے مکمل اختیارات تفویض کرنے کے بعد حضرت عثمان نے عبداللہ بن ابی سرح کو بلادِ مغرب میں آگے بڑھنے کا حکم دیا اس مہم میں ان کی مدد کیلئے مدینہ سے ایک لشکر روانہ کیا جس میں حضرت ابن عباس، ابن عمر، ابن عمرو بن عاص، ابن جعفر، حسن، حسین، ابن زبیر بھی شامل تھے "برقہ" سے عقبہ بن نافع بھی ان کے ساتھ اپنی جمعیت لیکر شریک ہو گئے۔ عبداللہ نے تمام طرابلس میں اپنی فوجیں پھیلا دیں اور افریقیہ (تونس) کی طرف بڑھے۔ شہر یعقوبہ کے متصل افریقیہ شمالیہ کا رومی گورنر جرجیر ایک لاکھ بیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ مقابلہ پر آیا۔ دونوں طرف کے بہادر بڑی جرأت کے ساتھ دادِ شجاعت دینے لگے۔ جرجیر نے اپنی فوج میں اعلان کرا دیا کہ جو شخص ابن ابی سرح کا سر لائے گا اسے ایک لاکھ دینار انعام دیا جائے گا اور اس سے شہزادی کی شادی کر دی جائیگی۔ ابن ابی سرح نے عبدالرحمٰن بن زبیر کے مشورہ سے یہ اعلان کرا دیا کہ جو شخص جرجیر کا سر لائے گا اسے ایک لاکھ دینار انعام دیا جائے گا، جرجیر کی بیٹی سے اس کی شادی کر دی جائے گی اور جرجیر کے ملک کی حکومت

بھی اسے عطا کر دی جائے گی۔

آخرکار عبداللہ بن زبیر نے جرجیر کو قتل کر دیا اور لشکرِ اسلام کو فتح حاصل ہوئی۔ اس فتح کے بعد بہادرانِ لشکرِ اسلام نے اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے بلادِ مغرب کو روند ڈالا، اور فاس اور مراکش کے ساحلی شہروں میں اسلامی جھنڈے جا گاڑے[1]

عبداللہ بن ابی سرح ان فتوحات کے بعد مصر لوٹ آئے اور افریقیہ پر وہیں کے سرداروں میں سے کسی کو والی مقرر کر دیا۔ طے یہ پایا کہ اہلِ افریقیہ جو خراج قیصر کو ادا کیا کرتے تھے اب مسلمانوں کو ادا کیا کرینگے۔

سنہ ۳۱ھ میں قسطنطین بن ہرقل قیصرِ روم نے ایک عظیم الشان بحری بیڑا جس میں پانچ سو جہاز تھے اسکندریہ پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ مسلمانوں کو جب اس بیڑے کی روانگی کی اطلاع ہوئی تو شام سے حضرت معاویہ اور مصر سے عبداللہ بن ابی سرح اپنے اپنے بیڑے لیکر مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے بیچ سمندر میں اسلامی بیڑہ رومی بیڑے کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ آخر یہ قرار پایا کہ فریقین کے جہاز ملا کر باندھ دئے جائیں اور پھر مقابلہ ہو۔ اس طرح عربوں نے پہلی مرتبہ سمندر کی موجوں پر شمشیروں کی روانی سے ہوش ربا مناظر دکھائے۔ مسلمان بہادروں نے اپنے حریفوں کے خون سے

---

[1] اشہر المشاہیر ج ۲ ص ۱۵۷ و ۱۶۷۔

سمندر کی سطح کو رنگین کر دیا۔ بیشمار رومی قتل ہوئے اور کچھ نے بھاگ کر جزیرہ صقلیہ (سسلی) میں پناہ لی۔ خود قیصر بھی زخموں سے چکنا چور صقلیہ پہنچا اور وہیں اہلِ صقلیہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔[1]

## فارس، خراسان وطبرستان:۔

فارس، خراسان اور سرحد سندھ کے علاقے ولایت بصرہ سے متعلق تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ سے بصرہ کے گورنر ابوموسیٰ اشعری تھے۔ سنہ۲۶ھ میں بصرہ کے بعض شورش پسندوں نے ان کی شکایت کی حضرت عثمانؓ نے انہیں معزول کر کے ان کی جگہ عبداللہ بن عامر کو مقرر کیا۔

اسی سال اہل فارس نے بغاوت کی اور اپنے امیر عبیداللہ بن معمر کو قتل کر دیا۔ ابنِ عامر خود فوج لیکر بڑھے۔ اصطخر پر ہولناک لڑائی ہوئی۔ عبداللہ بن عامر نے منجنیق سے سنگ باری کر کے باغیوں کا کچومر نکال دیا۔ اور انہیں عبرتناک سزا دی۔

سنہ۳۰ھ میں امیر کوفہ سعید بن عاص ایک فوجِ گراں لیکر جس میں حضرات حسن و حسین، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمرو بن عاص، عبداللہ بن زبیر اور حذیفہ بن یمان بھی شریک تھے، طبرستان کی طرف روانہ ہوئے۔ دوسری طرف سے عبداللہ بن عامر والیِ بصرہ نے بھی طبرستان

---

[1] ابن اثیر ج ۳ صفحہ ۴۵

کا رُخ کیا۔ لیکن سعید بن عاص نے ان کے پہنچنے سے پہلے جرجان اور طبرستان کو فتح کر لیا۔

ان فتوحات کے بعد بھی اہل جرجان و طبرستان جب کبھی موقع پاتے بغاوت برپا کر دیتے تھے۔ تا آنکہ سلیمان بن عبدالملک کے زمانہ میں یزید بن مہلب نے یہاں مستقل امن و امان قائم کیا۔

۳۱ھ میں اہلِ خراسان کی بغاوت کی خبر پہنچی۔ ابن عامر بصرہ سے ایک فوج گراں لیکر مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے۔ مقدمۃ الجیش پر احنف بن قیس تھے۔ طبسین جو دو مضبوط قلعے تھے اور خراسان کا دروازہ سمجھے جاتے تھے فتح کئے۔ پھر نیشاپور، طوس اور ہرات کو فتح کیا۔

ابن عامر نے احنف بن قیس کو طخارستان کی طرف روانہ کیا وہ مرورُود کی طرف بڑھے وہاں مشرقی ترکستان کے بادشاہ نے بڑی جمعیت کے ساتھ مقابلہ کیا لیکن احنف بن قیس نے شکست فاش دی۔ پھر بلخ طخارستان کے صدر مقام کو فتح کیا۔ بلخ کی فتح کے بعد احنف نے خوارزم کا قصد کیا لیکن وہ اسے فتح نہ کر سکے اور لوٹ آئے۔

## قتل یزدگرد:۔

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ شاہِ ایران یزدگرد، ترکستان کے علاقہ میں چلا گیا تھا۔ اگرچہ اس کی فوجی قوت ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی تھی تاہم اس کے دل

میں اپنے گم شدہ اقتدار کو واپس لانے کی آرزو کروٹیں لیتی رہتی تھی۔ اس آرزو کی تکمیل کے لئے اس نے یہ تدبیر سوچی تھی کہ سرحدی اسلامی علاقوں میں بغاوتیں کراتا رہے۔ چنانچہ حضرت عثمان کے عہد میں اکثر بغاوتیں اسی کے اشارہ پر ہوئیں۔

آخری تقدیر آزمائی کے لئے یزدگرد چین اور ترکستان کے بعض سرداروں کی مدد سے سیستان پر حملہ آور ہوا۔ اسلامی فوجوں نے اسے شکست فاش دی اس پریشانی کے عالم میں کسی جائے پناہ کی تلاش میں تھا کہ ترکستان کے ایک سردار نیزک خاں نے اسے اپنے علاقہ میں آنے کی دعوت دی مگر نیزک خاں کا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح یزدگرد کو گرفتار کر لے اور اسے مسلمانوں کے حوالہ کر کے اپنی دوستی کا ثبوت بہم پہنچائے۔ یزدگرد کو بھی کسی طرح اس کے ارادہ کا پتہ چل گیا۔ اس نے وہاں سے بھاگ کر "نہر مرغاب" کے کنارے جو مرو رود میں بہتی ہے۔ ایک پن چکی والے کے ہاں پناہ لی۔ پن چکی والے نے اس کے قیمتی لباس اور جواہرات کے لالچ میں اسے قتل کر دیا اور اسکی لاش کو نہر مرغاب میں بہا دیا۔ یہ واقعہ ۳۱ھ کا ہے۔ اس طرح دولت ساسانیہ کا جھنڈا جو ۳۲۹ سال تک بلادِ فارس پر بڑی شان کے ساتھ لہراتا رہا ہمیشہ کے لئے سرنگوں ہو گیا۔

# "فتنۂ داخلیہ"

## اور

## اُسکے اسباب ونتائج پر ایک نظر

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں، ایک رات کا ذکر ہے کہ سرکارِ نامدارؐ (کوئی خواب دیکھ کر) گھبرائے ہوئے بیدار ہوئے۔ آپ فرما رہے تھے:۔

| | |
|---|---|
| سبحان اللہ ماذا انزل اللہ من الخزائن وماذا انزل من الفتن! | (سُبحان اللہ، اللہ نے کس قدر خزانے میری اُمت پر نازل فرمائے ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ کیسے کیسے فتنے اُترے ہیں) |

آخر وہ وقت آگیا کہ دُنیا اپنی رعنائی وفتنہ سامانی کے ساتھ مسلمانوں میں داخل ہوئی اور اس قتالہ نے ان کی وحدت ملّی کے شیرازہ کو بکھیر دیا۔

(۱) حضرت عمرؓ کا دور فتوحاتِ اسلامی کا دور تھا۔ مجاہدین اسلام فارس وشام ومصر کے میدانوں میں اپنی تلواروں کے جوہر دکھا رہے تھے زخارفِ دُنیا سے کھیلنے کی انہیں فرصت نہ تھی۔ پھر حضرت عمر کا دستورِ حکومت اور خود ان کا عملی نمونہ انہیں دُنیا کو قدموں تلے روندنے کا حق تو

دیتا تھا لیکن اسے سینہ سے لگانے کی اجازت نہ تھی۔ عساکرِ اسلامیہ کو شام کے خوش منظر و جنت نظیر شہروں کے پاس قیام کی بھی ممانعت تھی اور امراءِ اسلام کو عجمی شان و شوکت سے احتراز کی سخت تاکید تھی۔ حضرت عثمان کے عہد میں جب میدانِ کارزار کی مصروفیتیں کچھ کم ہوئیں۔ بڑے بڑے دشمن مغلوب ہو گئے تو مسلمانوں کو ممالکِ مفتوحہ کی دولت سے فائدہ اُٹھانے کا موقع ملا۔ لوگوں کو رئیسانہ طرزِ معیشت کی طرف رغبت ہوئی۔ خس پوش مکانات عالی شان محلات میں تبدیل ہونے لگے، اور خوراک و پوشاک میں تکلفات برتے جانے لگے۔ خود حضرت عثمان بھی چونکہ رئیس ابنِ رئیس تھے اس لئے ملّت کے اس نئے جذبہ کو اُبھرنے سے نہ روک سکے۔

(۲) حضرت عثمان کے عہد میں اسلامی طاقت کے مراکز فوجی ضرورتوں کے ماتحت بصرہ، کوفہ، شام اور مصر بن گئے تھے۔ یہاں قرشی اور حجازی بہت کم تھے۔ عربوں میں سے زیادہ تر بنی بکر، عبدالقیس، ربیعہ، اَزْد، کندہ، تیم اور قُضاعہ وغیرہ قبائل کی آبادیاں تھیں جنہیں فیضِ نبوّت سے براہِ راست مستفید ہونے کا موقعہ نہ ملا تھا اور خلافتِ الٰہی کے مقصد جلیل کو سمجھ نہ پائے تھے۔ یا غیر عربی اقوام تھیں جو انہی فاتحین کے ہاتھوں پر مشرف باسلام ہوئی تھیں اور اپنی قومی خصوصیات و ملکی امتیازات کے نقوش کو اپنے دماغ سے محو نہ کر سکی تھیں۔ ان کی خواہش تھی کہ زمین جو

خزانے مسلمانوں پر اگل رہی تھی اس سے پورے طور پر فائدہ اٹھائیں امارت و حکومت کی باگ ڈور بھی ان کے ہاتھ میں ہو۔ اور اگر ان کے ہاتھ میں نہ ہو تو کم از کم ان لوگوں کے ہاتھ میں ہو، جو ان کے ہاتھ میں ہوں

(۳) حضرت عمر کے زمانہ میں اعیان مہاجرین قریش جو اپنی خاندانی عظمت و دینی جلالت کے لحاظ سے ملت میں اثر و اقتدار کے مالک تھے مدینہ منورہ ہی میں مجتمع تھے۔ حضرت عمر بطور "کابینہ" کے ان کے مشوروں سے بھی فائدہ اُٹھاتے تھے اور ان کے اثر و رسوخ سے ان کی پشت پناہی بھی تھی۔

شعبی کہتے ہیں کہ "حضرت عمر نے اکابرِ قریش کو مدینہ سے باہر نکلنے کی اجازت نہ دی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ امت اسلامیہ کے لئے میں سب سے زیادہ اس بات کو مضر سمجھتا ہوں کہ اکابرِ قریش مختلف مقامات میں منتشر ہو جائیں۔ جب مہاجرین قریش میں سے کوئی کسی جہاد میں شرکت کی بھی خواہش کرتا تو آپ یہ فرما کر انکار کر دیتے کہ تمہارے لئے رسول اللہ صلعم کے زمانہ کے غزوات کی شرکت ہی کافی ہے۔ تمہاری شرکتِ جہاد سے زیادہ مفید یہ ہے کہ نہ دُنیا تمہیں دیکھے اور نہ تم دُنیا کو دیکھو۔"

حضرت عمر کی اس احتیاط کا نتیجہ یہ تھا کہ اکابر ملت یک دل و یک زبان تھے ان میں کوئی اختلاف نہ تھا۔

حضرت عثمان کے عہد میں یہ لوگ مختلف دیار و امصار میں منتشر ہو گئے۔ طبری نے لکھا ہے کہ "خلافت عثمانی کے پہلے سال ہی سادات قریش نے مختلف شہروں میں بڑی بڑی جائدادیں پیدا کر لیں"۔ چونکہ ان کی حیثیت شاہی خاندان کے افراد کی تھی، اور ان میں سے ہر فرد کسی وقت مسندِ خلافت پر متمکن ہو سکتا تھا۔ اس لئے خود غرض اور جاہ طلب لوگوں کا ان کے گرد مجمع رہنے لگا۔ چنانچہ بہت جلد اعیانِ قریش میں سے ہر ایک کے ہواخواہوں کی ایک ایک جماعت منظم ہو گئی اور ہر جماعت اپنے سرگروہ کی خلافت و امارت کی تمنا کرنے لگی۔ یہ تمنائیں بعض اوقات زبانوں پر بھی آنے لگیں اور سننے والوں کے کانوں کو بھی بھلی معلوم ہونے لگیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ اعیانِ ملت کے آراء و افکار میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ اس کے علاوہ مدینہ منورہ جو دارالخلافت تھا اسلامی اثر و اقتدار کا مرکز نہ رہا۔

(۴) ما قبل اسلام قریش میں سے بنو ہاشم اور بنو امیہ کے خاندان دنیوی جاہ و مرتبت میں ایک دوسرے کے حریف سمجھے جاتے تھے۔ رسول اکرم صلعم نے اپنی مقدس تعلیم اور طرزِ عمل سے اس جذبہ کو تقریباً معدوم کر دیا۔ فتح مکہ کے موقع پر ابو سفیان سردار مکہ کی غیر معمولی پاسداری بھی اسی مصلحت پر مبنی تھی۔ حضرت ابو بکر و حضرت عمر دونوں نہ اموی تھے اور نہ ہاشمی۔ اس لئے خاندانی رقابت کے جذبہ کو ابھرنے کا موقع نہ ملا۔ حضرت عثمان اموی تھے

اور ان کے مقابل دوسرے بہترین امیدوار حضرت علی ہاشمی، اس لئے پہلے انتخاب خلافت کے موقع پر، اس جذبۂ خفتہ کو کروٹ لینے کا موقع ملا۔ پھر جب حضرت عثمان اپنے اہلِ خاندان کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آئے اور انہیں اپنا معتمد ہونے کی بنا پر ممالکِ مفتوحہ میں سے کئی ملکوں کی صوبہ داریوں پر سرفراز کیا، تو غیر اموی خاندانوں نے اسے اپنی حق تلفی تصوّر کیا اور رقابت خاندانی کا یہ جذبۂ خفتہ پورے طور پر بیدار ہوگیا۔

ان وجوہ و اسباب کی بنا پر جب زمین اچھی طرح تیار ہوگئی تو اعداءِ اسلام کی ایک جماعت نے (جو شوکتِ اسلام کے سامنے سرنگوں ہو کر بظاہر حلقہ بگوش اسلام ہو چکی تھی) اپنے عیار سردار عبداللہ بن سبا کی زیرِ سرکردگی کشتِ ملت میں اختلاف و افتراق کی تخم پاشی کی۔ حضرت عثمان طبعاً نہایت نرم مزاج، بامروت اور رحم دل تھے۔ آپ کے ان جذبات سے ایک طرف آپ کے عزیزوں نے تحصیل مناصب میں غیر مناسب فائدہ اٹھایا، دوسری طرف آپ کے مخالفین نے اپنی شورش انگیزیوں میں کوئی مزاحمت نہ دیکھی۔ اس طرح اختلاف و افتراق کے اس بیج کو پھلنے پھولنے کیلئے مناسب فضا میسر آگئی، اور آخرکار شہادت عثمانی کی صورت میں وہ شجرِ زقوم پیدا ہوا جس نے ملتِ اسلامیہ کے ذوقِ صحیح کو برباد کر دیا۔

اس افسوسناک اجمال کی تفصیل درج ذیل ہے :-

## عبداللہ بن سبا:-

عبداللہ بن سبا یمن کا رہنے والا ایک چالاک اور عیار یہودی تھا حضرت عثمانؓ کے عہد میں مدینہ آیا اور مسلمانوں کی جماعت میں داخل ہوگیا۔ یہاں کچھ عرصہ رہ کر اس نے مسلمانوں کی داخلی کمزوریوں سے واقفیت حاصل کی، پھر مسلمانوں میں مذہبی اور سیاسی تفریق پیدا کرنے کے لئے ایک "خفیہ پارٹی" قائم کرنے کی اسکیم مرتب کی۔ اس پارٹی کی دعوت و تبلیغ کی بنیاد محبتِ رسول اور الفتِ اہلِ بیت پر رکھی گئی جس کی تفصیل یہ ہے:-

(۱) تعجب ہے کہ مسلمان حضرت عیسیٰ کے دوبارہ دنیا میں بھیجے جانے کے تو قائل ہیں، لیکن محمد رسول اللہ صلعم کے دوبارہ نزول کو نہیں مانتے۔

(۲) ہر پیغمبر کا ایک وصی ہوتا ہے، محمد رسول اللہ صلعم کے وصی حضرت علی ہیں۔ چونکہ حضرت محمد صلعم خاتم الانبیاء ہیں لہذا حضرت علی خاتم الاوصیا ہیں

(۳) بڑا ظلم ہے کہ مسلمانوں نے اپنے نبی کی وصیت کی پرواہ نہ کی اور ان کے وصی کے ہوتے ہوئے خلافت دوسروں کے سپرد کردی۔ غیر مستحق کو معزول کر کے مستحق (حضرت علی) کو یہ حق دلوانا ضروری ہے۔[۱]

اس "خفیہ پارٹی" کی شاخیں قائم کرنے کے لئے ابن سبا نے صوبہ جات کے تمام مرکزی شہروں میں دورہ کیا، حصولِ مقصد کے لئے موزوں ترین آدمیوں کو چھانٹ کر ان کو کام کرنے کی تدبیریں بتائیں اور خود مصر قیام کیا اور یہی

---

[۱] البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۶۷

اس کا "صدر مقام" تجویز کیا۔

کام کرنے کے لئے جو لائحہ عمل تجویز کیا گیا وہ یہ تھا:۔

(۱) بظاہر متقی اور پرہیزگار بن کر عوام پر اپنا اثر و اقتدار قائم کیا جائے۔

(۲) خلیفۂ وقت (حضرت عثمان غنی) کے خلاف بہتان تراشے جائیں اور الزامات لگائے جائیں۔

(۳) عمال حکومت کو پریشان کیا جائے، انہیں نالائق، غیر متدین اور ظالم قرار دے کر صوبہ جات میں شورش پھیلائی جائے۔

(۴) ایک شہر سے دوسرے شہر میں عمال کے فرضی مظالم کے خطوط بھیجے جائیں۔ مدینہ منورہ سے حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور دوسرے اکابر صحابہ کے نام سے جعلی خطوط بھیجے جائیں جن میں اس تحریک سے ان اکابر کی وابستگی کا اظہار ہو۔

مختلف صوبوں میں اس اسکیم پر کس طرح عمل ہوا۔ اس کی تفصیل کیلئے ہم ہر ہر مقام کے حالات اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

## بصرہ:۔

بصرہ میں، حضرت عثمان کے آغازِ خلافت میں، حضرت ابو موسیٰ اشعری والی تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے راہِ خدا میں پیدل چل کر جہاد کرنے کے فضائل بیان کئے۔ کردوں کی بغاوت کے سلسلہ میں جب آپ جہاد کیلئے نکلے تو آپ، ایک ترکی گھوڑے پر سوار ہوئے۔ ظاہر ہے کہ حضرت ابو موسیٰ

کا مقصد یہ نہیں تھا کہ جن کے پاس سواریاں ہیں وہ انہیں استعمال نہ کریں بلکہ مقصد یہ تھا کہ جن کے لئے سواریاں مہیا نہ ہوں وہ بھی ازدیاد ثواب کے شوق میں اس کار خیر سے محروم نہ رہیں لیکن شورش پسندوں نے اسے بہانہ بنالیا ایک وفد مدینہ منورہ شکایت لیکر پہنچا اور کہا کہ ہم ایسے والی کو پسند نہیں کرتے جس کا قول و عمل مطابق نہ ہو۔ حضرت عثمان نے انہیں معزول کر کے عبداللہ بن عامر کو ان کی جگہ مقرر کیا۔

عبداللہ بن عامر، ایک بہادر اور مدبر شخص تھے۔ مگر ان کے خلاف یہ الزام لگایا گیا کہ یہ کم عمر اور حضرت عثمان کے رشتہ دار ہیں۔ امیرالمؤمنین نے انہیں بھیجکر قبیلہ پروری کی ہے۔

ان کے زمانہ میں ایک شخص حکیم بن جبلہ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جب اسلامی لشکر جہاد میں مشغول ہوتا تو اپنی جمعیت کو لیکر ذمیوں پر ٹوٹ پڑتا اور ان کے مال و اسباب کو لوٹ لیتا۔ علاوہ ازیں موقعہ ملتا تو مسلمانوں کے مال پر ہاتھ صاف کرنے سے بھی نہ چوکتا۔ اہل بصرہ جب اس کے مظالم سے عاجز آ گئے تو عبداللہ بن عامر نے اسے اور اسکی جماعت کو بصرہ میں نظر بند کر دیا۔

عبداللہ بن سبا جب بصرہ میں آیا تو اس نے حکیم بن جبلہ ہی کو یہاں کی سبائی پارٹی کا سرگروہ مقرر کیا۔ حکیم نے اب اپنی سرگرمیوں کا رخ اس پارٹی کے مقاصد کی تکمیل کی طرف پھیر دیا۔

## کوفہ :-

کوفہ اپنی فتنہ سامانی میں بصرہ سے بڑھا ہوا تھا۔ اشتر نخعی، جندب ابن ذی الحبکہ۔ صعصعہ، عمرو بن حمق وغیرہ یہاں کے شورش پسندوں کے سرگروہ تھے۔

حضرت عثمان نے حضرت عمر کی وصیت کے مطابق حضرت سعد بن وقاص کو یہاں کا والی مقرر کیا۔ سعد بن وقاص نے اپنی کسی ضرورت کے لئے حضرت عبداللہ بن مسعود سے جو افسر خراج تھے کچھ رقم قرض لی سعد بن وقاص اس رقم کو وقت پر ادا نہ کر سکے۔ عبداللہ بن مسعود نے سختی سے تقاضہ کیا۔ دراندازوں کی فتنہ انگیزی سے معاملہ نے طول کھینچا۔ اور حضرت عثمان تک شکایت پہنچی۔ حضرت عثمان نے سعد بن وقاص کو معزول کر کے ان کی جگہ ولید بن عقبہ کو مقرر کر دیا۔

ولید بن عقبہ کے زمانہ میں کوفہ کے چند نوجوانوں نے ایک شخص کے گھر میں نقب لگا کر چوری کی، اور صاحب خانہ کو قتل کر دیا۔ یہ نوجوان عین موقعہ پر گرفتار کر لئے گئے اور قصاص میں قتل کر دئے گئے۔ ان مقتولین کے اعزہ اور احباب ولید بن عقبہ سے انتقام لینے کی تدبیریں سوچنے لگے۔

ولید رات کے وقت ایک مجلس منعقد کیا کرتے تھے۔ اس مجلس میں ابوزید طائی ایک نومسلم نصرانی بھی شریک ہوا کرتا تھا۔ ابوزید کے متعلق یہ مشہور تھا

کہ وہ شراب نوشی کرتا ہے۔ ولید کے مخالفین نے مشہور کر دیا کہ وہ بھی ابوزید کے ساتھ مل کر لطفِ بادہ نوشی میں شریک ہوتے ہیں۔ مخالفین نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ایک وفد مدینہ منورہ روانہ ہوا جس میں زیادہ تر وہ لوگ تھے جنہیں ولید نے انتظامی مقاصد کے ماتحت ان کے عہدوں سے برطرف کر دیا تھا۔ اس وفد نے دربارِ خلافت میں ولید پر بادہ نوشی کا الزام لگایا۔ دو شخصوں نے گواہی دی کہ ہم نے ولید کو شراب کی قے کرتے دیکھا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کے فتویٰ کے مطابق ولید کو کوفہ سے بلا کر ان پر حد جاری کی اور انہیں ان کے عہدہ سے علیحدہ کر دیا۔

ولید بن عقبہ کے بعد سعید بن عاص کوفہ کے نئے والی مقرر ہوئے یہ بھی رات کے وقت ایک مجلس منعقد کیا کرتے تھے جس میں ہر شخص کو شرکت کی اجازت تھی۔ ایک رات اس مجلس میں کسی نے کہا "طلحہ بن عبیداللہ بڑے سخی ہیں"! سعید بن عاص نے کہا "جس کے پاس نشاستیج جیسا زرخیز علاقہ ہو اسے سخی ہونا ہی چاہئے۔ اگر میری جاگیر میں ایسا علاقہ ہوتا تو تم میری سخاوت کی بہار دیکھتے"۔ ایک نوجوان بولا "فرات کے کنارہ کا علاقہ جو آلِ کسریٰ کی جاگیر تھا اسے آپ لے لیں"۔ یہ سن کر اشتر نخعی عمیر بن ضابی وغیرہ نے کہا "یہ کمبخت تو ہماری جاگیر امیر کو دلوانا چاہتا ہے"۔ پھر یہ اس نوجوان پر ٹوٹ پڑے اور اسے بری طرح زدوکوب کیا۔

سعید بن عاص ان کی اس بدتمیزی پر سخت رنجیدہ ہوئے اور رات کی مجلس موقوف کرکے دروازہ پر دربان بٹھا دئے۔

اب ان لوگوں کو بجز اسکے اور کوئی کام نہ رہا کہ جہاں جاتے سعید بن عاص کی برائی کرتے۔ کوفہ کے امن پسند لوگ جب ان کی حرکتوں سے عاجز آ گئے تو انہوں نے حضرت عثمان کے پاس درخواست بھیجی کہ ان فتنہ پردازوں سے ہمیں نجات دلائی جائے۔ حضرت سعید بن عاص کو لکھا کہ ان سب کو ملک شام میں حضرت معاویہ کے پاس بھیجدو۔

جب یہ جماعت ملک شام میں پہنچی تو حضرت معاویہ نے ان کے ساتھ عزت کا برتاؤ کیا اور پند ونصیحت کے ذریعہ اصلاح حال کی کوشش کی۔ مگر ان کے دماغ میں فتنہ سمایا ہوا تھا، ایک نہ سُنی، بلکہ حضرت معاویہ کے ساتھ بھی بدکلامی کی۔

. . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . .

. . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . حضرت معاویہ نے عاجز آ کر حضرت عثمان کو لکھ بھیجا کہ ان کی اصلاح میری طاقت سے باہر ہے۔ حضرت عثمان نے حکم دیا کہ انہیں عبدالرحمن بن خالد کے پاس حمص روانہ کردو۔ عبدالرحمن نے انہیں سخت پکڑا اور تھوڑے ہی عرصہ میں ان کے مزاج درست کردئے۔ ان لوگوں نے اپنے افعال سے

توبہ کی اور ندامت ظاہر کی۔ عبدالرحمٰن نے حضرت عثمان کو اس کی اطلاع بھیجی۔ حضرت عثمان نے حکم دیا، اگر ان کی اصلاح ہو گئی ہے تو انہیں ان کے وطن کوفہ واپس کر دو۔ کوفہ آ کر یہ لوگ پھر اپنی سابقہ سرگرمیوں میں مشغول ہو گئے۔

کوفہ میں عبداللہ بن سبا پہنچا تو اس کی نگاہِ انتخاب اسی شورش پسند جماعت پر پڑی تھی اور اس نے انہی کو اپنا ایجنٹ مقرر کیا تھا۔

## شام:۔

شام کے والی حضرت عمرؓ کے زمانہ سے حضرت معاویہ تھے۔ حضرت معاویہ ایک دور اندیش مدبر اور منتظم شخص تھے۔ انہوں نے اس قسم کے فتنوں کو اپنے ملک میں نہ ابھرنے دیا۔ مگر یہاں ایک دوسری شورش پیدا کر دی گئی جس سے فتنہ پردازوں کی خفیہ جماعت نے مفید کام لیا۔

حضرت ابوذر غفاریؓ ایک عابد و زاہد صحابی تھے۔ دُنیا اور متاعِ دُنیا سے انہیں نفرت تھی۔ خمس غنیمت کے متعلق ان کی رائے یہ تھی کہ یہ ضرورت مند مسلمانوں کا حق ہے۔ امراء اسے بیت المال میں جمع کر رکھنے کا مجاز نہیں۔ حضرت معاویہ کا خیال یہ تھا کہ سلطنت کی بڑھتی ہوئی تمدنی ضروریات کے پیشِ نظر اسے مفادِ عامہ کے کاموں پر خرچ کرنے کے لئے روکا جا سکتا ہے۔ اسے مسلمانوں کا مال نہیں بلکہ اللہ کا مال کہتے تھے، اور امیر کے لئے جو خلیفۃ اللہ ہے اس میں

تصرف کا حق محفوظ سمجھتے تھے۔

عبداللہ بن سبا جب "شام" آیا تو اس نے حضرت ابو ذر سے کہا۔ "آپ نے دیکھا معاویہ بیت المال کے خزانے کو اللہ کا مال کہتے ہیں! مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کا اس میں کچھ حق ثابت نہ ہو سکے۔" حضرت ابو ذر کے دل میں یہ بات اُتر گئی۔ سیدھے حضرت معاویہ کے پاس پہنچے، اور ان سے پوچھا "آپ مسلمانوں کے مال کو اللہ کا مال کیوں کہتے ہیں۔ حضرت معاویہ نے نہایت نرمی سے جواب دیا۔" اے ابو ذر ہم سب خدا کے بندے ہیں اور ہمارا مال اسی کا مال ہے" حضرت ابو ذر نے فرمایا نہیں تمہیں ایسا نہ کہنا چاہیئے۔ حضرت معاویہ نے کہا "میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ یہ اللہ کا مال نہیں ہے، لیکن خیر آئندہ مسلمانوں کا مال کہہ دیا کروں گا۔

عبداللہ بن سبا حضرت ابو درداء کے پاس بھی پہنچا اور انہیں بھی بھڑکانے کی کوشش کی۔ مگر وہ اس کی چال میں نہ آئے اور کہدیا کہ مجھے تو تو یہودی معلوم ہوتا ہے۔ پھر وہ حضرت عبادہ بن صامت کے پاس گیا اور ان سے بھی اسی قسم کی باتیں کیں۔ وہ اسے پکڑ کر حضرت معاویہ کے پاس لے گئے اور کہا یہی وہ شخص ہے جس نے ابوذر کو بھڑکا کر آپ کے پاس بھیجا تھا۔

اس کے بعد حضرت ابو ذر نے اس خیال کی اشاعت شروع کی کہ دولتمندوں کو ضرورت سے زیادہ دولت جمع کر کے رکھنے کا حق نہیں ہے اور دلیل میں یہ آیت

پیش کی۔

والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم، یوم یحمی علیھا فی نار جہنم فتکوی بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم ھذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون۔

جو لوگ سونا چاندی گاڑکر رکھتے ہیں اور اس کو راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنادو جس دن آگ دہکائینگے اس مال پر دوزخ کی پھر داغیں گے اس سے ان کے ماتھے، کروٹیں اور پیٹھیں (اور ان سے کہا جائیگا) یہ ہے جو تم نے اپنے واسطے گاڑ رکھا تھا۔ اب اپنے گاڑنے کا مزہ چکھو۔

حضرت معاویہ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ راہِ خدا میں خرچ کرنے سے مراد زکوٰۃ ادا کرنا ہے۔ جس مال کی زکوٰۃ ادا کردی جائے اس کا جمع کرنا ممنوع نہیں ہے۔

حضرت ابوذر کی اس تحریک سے غربا، امراء کے خلاف صف بستہ ہو گئے۔ اور مسلمانوں کی جماعت میں امیری اور غریبی کے سوال پر ایک نیا اختلاف پیدا ہو گیا۔

حضرت معاویہ نے تمام حالات کی اطلاع حضرت عثمان کو بھیجی۔ وہاں سے حکم آیا کہ حضرت ابوذر کو پورے اکرام و احترام کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچا دو۔ مدینہ پہنچے تو حضرت ابوذر نے وہاں بھی اسی خیال کی اشاعت شروع کی حضرت

عثمان نے انہیں بلا کر سمجھایا کہ "اے ابوذر خدا اور رسول کا جو حق مخلوق پر واجب ہے ان کا میں ان سے مطالبہ کروں گا اور مجھ پر ان کا جو حق ثابت ہے وہ میں ادا کروں گا۔ لیکن میں کسی کو ترکِ دُنیا پر مجبور نہیں کر سکتا۔" حضرت ابوذر نے کہا تو آپ مجھے مدینہ سے کہیں باہر بھیج دیجئے۔ کیونکہ رسول اکرم صلعم نے ارشاد فرمایا تھا کہ اے ابوذر جب مدینہ کی آبادی سلع تک پہنچ جائے تو تم وہاں سے رخصت ہو جانا۔" حضرت عثمان نے مقام ربذہ میں ان کے قیام کا انتظام فرما دیا۔ وہیں ان کے لئے ایک مسجد تعمیر کرا دی۔ کچھ اونٹ اور دو غلام ان کی معاش و آرام کے انتظام کے لئے ان کے سپرد کر دئے۔[1]

## مصر :-

مصر کے والی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح تھے۔ عمرو بن عاص کے مقابلہ میں اہل مصر ان کو پسند نہ کرتے تھے۔ پھر افریقیہ پر حملوں اور قیصر قسطنطنیہ سے مقابلوں کی وجہ سے انہیں داخلی معاملات کی طرف توجہ کرنے کی فرصت بھی نہ تھی۔ علاوہ ازیں مصر میں دو با اثر صحابی محمد بن ابی حذیفہ اور محمد بن ابی بکر حضرت عثمان کے مخالف تھے۔ محمد بن ابی حذیفہ یتیم تھے۔ خاندان کے دوسرے یتیموں کی طرح حضرت عثمان ان کے بھی کفیل تھے۔ جب یہ بڑے ہوئے تو انہوں نے حضرت عثمان سے کسی جگہ کی ولایت کی خواہش کی۔ حضرت عثمان

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام بحوالہ طبری ج ۲ صفحہ ۴۳۴ و محاضرات خضری ج ۲ صفحہ ۵۶

نے انہیں اس منصب کے لئے موزوں نہ سمجھا اور انکار کر دیا۔ پھر وہ حضرت عثمان سے اجازت لیکر مصر چلے آئے۔ محمد بن ابی بکر حضرت علی کی آغوش تربیت میں پلے تھے۔ ان کی والدہ نے حضرت ابو بکر کے بعد حضرت علی سے شادی کر لی تھی۔ ان پر کسی شخص کا کچھ مطالبہ واجب تھا۔ حضرت عثمان نے ان کے ساتھ کچھ رعایت نہ کی اور مطالبہ ادا کرا دیا۔ یہ اس بات پر حضرت عثمان سے ناراض ہو گئے تھے۔

حالات کی اس سازگاری کی بنا پر عبد اللہ بن سبا نے مصر کو اپنی تحریک کا مرکز قرار دینے کے لئے بہترین جگہ سمجھا تھا۔

عبد اللہ بن سبا کا یہ خیال صحیح نکلا۔ بہت جلد یہاں اسکے متبعین کی کافی تعداد ہو گئی۔ اور اس نے حضرت عثمان کے ذاتی مخالفین سے مدد لیکر اپنی مقصد برآری میں پوری جدوجہد شروع کر دی۔ مصر میں عبد اللہ بن سبا کی کامیابی کا اس واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ۳۱ھ میں جب قیصرِ روم نے ایک زبردست بحری بیڑہ لیکر ساحلِ مصر پر چڑھائی کی اور عبد اللہ بن ابی سرح اسلامی بیڑہ کے امیر کی حیثیت سے اسکے مقابلہ کے لئے نکلے تو ان مخالفین نے اس وقت بھی اپنی سرگرمیوں کو نہ چھوڑا۔ اس بحری سفر میں محمد بن ابی حذیفہ اور محمد بن ابی بکر نے علی الاعلان مجاہدین کو خلیفۂ وقت اور امیر مصر کے خلاف بھڑکایا اور ان کے معائب بیان کئے۔ آخر مجبور ہو کر عبد اللہ بن ابی سرح نے ان کو

علیحدہ قبطیوں کے جہاز میں سوار کرا دیا۔[1]

مصر سے ایک "مجوزہ نظام" کے ماتحت بصرہ، کوفہ، شام اور مدینہ منورہ میں عمال کے مظالم اور عوام کے مصائب پر مشتمل خطوط روانہ کیے گئے پھر ان شہروں میں سے ایک مقام سے دوسرے مقام کو بھی اسی قسم کے خطوط بھیجے گئے۔ جہاں جہاں یہ خطوط پہنچتے، سبائی ایجنٹ ان کی خوب تشہیر کرتے اور عوام کو خلیفۂ وقت اور اسکے عمال کے خلاف بھڑکاتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر مقام کے لوگ یہ سمجھنے لگے کہ بس ہم ہی امن و عافیت میں ہیں اور ہمارے سوا سارا عالم اسلامی بنو امیہ کے مظالم سے نیم جاں ہے۔

## عمال کی مجلس شوریٰ:۔

مدینہ منورہ میں جب اس قسم کے خطوط کثرت کے ساتھ پہنچے تو یہاں بھی حضرت عثمان اور ان کے عمال کے خلاف حرف گیریاں ہونے لگیں۔ ظاہر ہے کہ یہاں ایک ایسی با اثر جماعت بھی موجود تھی جسے انتخاب خلافت کے معاملہ میں حضرت عثمان سے اختلاف تھا۔ تاہم یہ اختلاف اختلافِ رائے کی حدود سے متجاوز نہ تھا۔ فتنہ پردازوں نے اس جماعت کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کی اور خلافت کے سبز باغ دکھائے۔ لیکن اس باوقار جماعت نے مفسدین کا آلۂ کار بننے سے انکار کر دیا۔ تاہم ان کی جدوجہد کا

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۷

یہ اثر ضرور ہوا کہ یہ جماعت بھی اس بدگمانی میں مبتلا ہوگئی کہ صوبہ جات میں حضرت عثمان کے عمال کی طرف سے عام بےچینی ہے اور ان کی طرف سے بھی اصلاح حال کا مطالبہ ہونے لگا۔

۳۴ھ میں حضرت عثمان نے اصلاح حال کی کوشش کی اور ممالک اسلامیہ کے عمال کی مجلس شوریٰ منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ آپ نے تمام صوبوں کے ولاۃ کو حکم بھیجا کہ حج کے موقعہ پر مجھ سے آکر ملیں، چنانچہ حضرت معاویہؓ، عبداللہ بن عامر، عبداللہ بن سعد اور سعید بن عاص جمع ہوئے۔ عمرو بن عاص بھی ان کے ساتھ شریک مشورہ کئے گئے۔ حضرت عثمان نے ان حضرات سے اس فتنہ کی حقیقت پر روشنی ڈالنے کے لئے کہا۔ تمام عمال نے یک زباں ہو کر جواب دیا "یہ سارا فتنہ چند مفسدین کی سازش کا نتیجہ ہے اور اس کا مقصد حکومت اور اس کے عمال کو بدنام کرنے کے سوا کچھ نہیں"۔ حضرت عثمان نے فرمایا "تو پھر اس فتنہ کا انسداد کیونکر ہو سکتا ہے"۔

اسکے جواب میں مختلف اصحاب نے مندرجہ ذیل رائیں ظاہر کیں۔

سعید بن عاص نے کہا:۔ "جن مفسدین کے ہاتھوں میں اس فتنہ کی باگ ڈور ہے انہیں قتل کر دیا جائے"۔

عبداللہ بن سعد نے کہا:۔ "فتنہ پرداز مال وزر کے خواہشمند ہیں سیم وزر کے لقمہ سے ان کا منھ بند کر دیا جائے تو بہتر ہو"۔

عبداللہ بن عامر نے کہا :۔ "یہ سب بیکاری کے مشغلے ہیں، کسی ملک پر فوج کشی کردی جائے تو یہ سب قصے ختم ہو جائیں"۔

حضرت معاویہ نے کہا :۔ "ہر صوبہ کا والی اپنے صوبہ کے امن و امان کا ذمہ لے۔ اپنے صوبہ کو ہر قسم کی شورش سے پاک رکھنے کا ذمہ دار میں ہوں۔"

عمرو بن عاص نے کہا :۔ "امیر المؤمنین آپ لوگوں کے ساتھ بیجا رعایت اور نرمی کا برتاؤ کرتے ہیں، حضرت عمر کی سنت پر عمل کیجئے: نرمی کے موقعہ پر نرمی برتیے اور سختی کے موقعہ پر سختی اختیار کیجئے"۔

الحاصل مجلس شوریٰ کی اکثریت کی رائے یہ تھی کہ مفسدین کے ساتھ سختی کا برتاؤ کیا جائے۔ مگر حضرت عثمان نے اس رائے پر عمل کرنے سے انکار کردیا آپ نے فرمایا :۔

"آپ صاحبان نے جو کچھ فرمایا وہ میں نے سن لیا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں یہ وہی فتنہ نہ ہو جس کی رسول اللہ صلعم نے خبر دی تھی۔ اگر یہ وہی فتنہ ہے تو یہ برپا ہو کر رہے گا۔ میں حتی الامکان کوشش کروں گا کہ نرمی اور درگذر کے ساتھ اسکے دروازے کو کھلنے سے روکوں۔ میں اپنے عمل سے ثابت کردوں گا کہ میں نے لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ برتنے میں کوتاہی نہیں کی اور کل خداوند قدوس کے دربار میں، اپنے اوپر کوئی الزام نہ آنے دونگا۔ مجھے یقین ہے کہ اس فتنہ کی چکی گھوم کر رہے گی۔ تاہم مبارک ہے عثمان اگر

وہ مرتے مرجائے اور اسے حرکت نہ دے "۔

اسکے بعد حضرت عثمان نے تمام عمال کو رخصت کر دیا۔ حضرت معاویہ نے کہا "اے امیر المؤمنین مجھے مدینہ منورہ کے لوگوں کے حالات بھی کچھ قابل اطمینان نہیں معلوم ہوتے۔ آپ میرے ساتھ شام تشریف لے چلیں"۔

حضرت عثمان نے فرمایا: "اگر میری شہ رگ بھی کٹ جائے تب بھی میں مدینہ منورہ کو نہیں چھوڑ سکتا۔ میں جوار رسول اللہ صلعم کو کسی قیمت پر نہیں بیچ سکتا"۔ حضرت معاویہ نے کہا "تو مجھے اجازت دیجئے کہ شام سے ایک فوج آپ کی حفاظت کے لئے یہاں بھیجدوں"۔ حضرت عثمان نے فرمایا "مجھے رسول اللہ صلعم کے پڑوسیوں کو تکلیف دینی بھی منظور نہیں ہے"۔[1]

## تحقیقاتی وفود:۔

بعض صحابہ نے حضرت عثمان کو مشورہ دیا کہ صوبہ جات میں تحقیقاتی وفود روانہ کئے جائیں جو اصل حالات کا پتہ لگائیں۔ چنانچہ محمد بن مسلمہ کو کوفہ، اسامہ بن زید کو بصرہ، عبداللہ بن عمر کو شام اور عمار بن یاسر کو مصر بھیجا گیا۔ ان سب حضرات نے واپس آکر بیان کیا کہ حالات حسب سابق ہیں، کوئی بیچینی یا بدامنی نہیں ہے۔ البتہ عمار بن یاسر واپس نہ آئے۔ والی مصر نے اطلاع دی کہ وہ مخالفین کے گروہ سے مل گئے ہیں جس کا سرغنہ عبداللہ بن سبا ہے۔

---

[1] محاضرات خضری ج ۲ صـ۵۵

## مفسدین کی مشاورت :-

قرارداد یہ تھی کہ مجلس شوریٰ کی شرکت کے لئے جب صوبوں کے والی اپنے اپنے صوبوں سے رخصت ہوں تو عام بغاوت کر دی جائے۔ مگر اس تجویز پر عمل نہ ہو سکا۔ البتہ اشتر نخعی مفسدین کوفہ کی ایک جمعیت لے کر کوفہ سے نکلا، اور سعید بن عاص والی کوفہ کو شہر میں داخل ہونے سے روک دیا۔ حضرت عثمان نے اہل کوفہ کی خواہش کے مطابق حضرت ابوموسیٰ اشعری کو وہاں کا والی مقرر کر دیا۔ جب عمال اپنے اپنے صوبوں میں واپس آ گئے تو پھر بغاوت کا موقع نہ رہا۔ اب انہوں نے آپس میں خط و کتابت کر کے طے کیا کہ ہر صوبہ سے منتخب انقلاب پسند مدینہ پہنچیں۔ وہاں کے حالات کا جائزہ لیں اور پھر آپس میں مشورہ کر کے ..........

.......... آئندہ کے لئے کوئی لائحہ عمل تجویز کریں۔ ظاہر یہ کیا جائے کہ ہم خلیفہ سے اپنی شکایات بیان کرنے اور ان سے اصلاح حال کی درخواست کرنے جا رہے ہیں۔

چنانچہ اس تجویز کے مطابق، کوفہ، بصرہ، اور مصر سے تین وفد روانہ ہوئے اور مدینہ کے قریب پہنچ کر یکجا ہو گئے۔ حضرت عثمان کو جب ان کے آنے کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے دو ایسے آدمیوں کو جنہیں شورش پسند

اپنا حامی سمجھتے تھے ان کے پاس بھیجا۔ اہلِ وفود نے ان سے کہا۔ "ہمارا مقصد یہ ہے کہ خلیفہ کے سامنے اپنی فرضی شکایات بیان کریں اور ان سے ان کے ازالہ کا مطالبہ کریں۔ ظاہر ہے کہ جب ان شکایات کی کوئی اصلیت ہی نہیں تو خلیفہ ان کا تدارک کیا کرینگے۔ اب ہم اپنے اپنے مقامات کو واپس جا کر یہ شہرت دینگے کہ ہم نے خلیفہ سے اصلاحِ حال کا مطالبہ کیا۔ لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ پھر آئندہ حج کے زمانہ میں اپنے ساتھ ایک جماعت کثیر لیکر، حج کے بہانہ مدینہ منورہ آئینگے اور خلیفہ کو بزور معزول کر دینگے یا انہیں قتل کر دینگے۔"

ان دونوں آدمیوں نے حضرت عثمانؓ کے پاس آکر مفسدین کے ارادے بیان کئے۔ حضرت عثمانؓ نے بات کو ہنسی میں ٹال دیا۔

جب وفود مدینہ منورہ میں پہنچے تو بعض لوگوں نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ "آپ انہیں قتل کر کے فتنہ کا سر کچل دیجئے۔" مگر حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔ "میں دو ہی صورتوں میں کسی کو قتل کر سکتا ہوں۔ یا اسپر حدِ شرعی واجب ہو یا وہ مرتد ہو جائے۔ ان لوگوں کو میری طرف سے کچھ غلط فہمیاں ہیں میں ان کے ازالہ کی کوشش کروں گا، اور ان کی غلطیوں سے درگزر کر کے انہیں راہِ راست پر لانے کی سعی کروں گا۔"

آپ نے ارکانِ اور نیز مہاجرین و انصار کو جمع کر کے ایک جامع و مانع تقریر فرمائی جس میں مفسدین مخالفین کے ایک ایک الزام کا مدلّل جواب دیا۔

## حضرت عثمان کی تقریر:۔

حضرت عثمان رضؓ نے حمد و نعت کے بعد فرمایا:۔

(۱) کہا جاتا ہے کہ میں نے منیٰ میں دو رکعت کی بجائے چار رکعت نماز ادا کی۔ حقیقت یہ ہے کہ مکہ معظمہ میں میرے اہل و عیال تھے اور میں نے وہاں پہنچ کر اقامت کی نیت کر لی تھی۔ میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ جو شخص کسی مقام پر اقامت کی نیت کر لے اسے مقیم کی طرح پوری نماز پڑھنی چاہئے۔

(۲) کہا جاتا ہے کہ میں نے مخصوص چراگاہیں بنالی ہیں۔ خدا کی قسم میں نے انہی چراگاہوں کو مخصوص چراگاہ قرار دیا ہے جو مجھ سے پہلے مخصوص کر لی گئی تھیں۔ یہ چراگاہیں صدقہ کے جانوروں کے لئے مخصوص کی گئی ہیں۔ پھر کسی کو ان سے نفع حاصل کرنے سے بھی منع نہیں کیا جاتا۔ بجز اس شخص کے جو رشوت دے کر اپنے حق سے زیادہ نفع حاصل کرنا چاہے۔ جہاں تک ان چراگاہوں سے میرے استفادہ کا تعلق ہے تو میرے پاس دو اونٹوں کے سوا جنہیں میں سفر حج میں استعمال کرتا ہوں کوئی جانور نہیں ہے۔ حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ خلافت سے پہلے سارے عرب میں مجھ سے زیادہ کسی کے پاس مویشی نہ تھے۔

(۳) کہا جاتا ہے کہ قرآن کئی مصاحف کی صورت میں تھا۔ میں نے ایک

مصحف کو چھوڑ کر باقی کو تلف کر دیا۔ حالانکہ قرآن ایک ہی کتاب ہے جو ایک ہی ذات کی طرف سے نازل ہوئی ہے معتمد صحابہ کی جماعت موجود ہے جنہوں نے اسے رسول اللہ صلعم کی زیر ہدایت قلمبند کیا ہے - میں نے انہی کے ضبط کئے ہوئے قرآن مجید کو جا بجا بھیجا ہے۔

(۴) کہا جاتا ہے کہ میں نے حکم بن ابی العاص کو مدینہ منورہ بلا لیا - حالانکہ رسول اللہ صلعم نے اسے طائف میں جلاوطن کر دیا تھا۔ بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ہی حکم کو مکہ سے طائف میں جلاوطن کر دیا تھا اور رسول اللہ صلعم نے ہی اس کو میری سفارش پر مدینہ آنے کی اجازت دیدی تھی۔ میں نے اپنے عہد میں صرف آپ کی اجازت کا نفاذ کیا ہے۔

(۵) کہا جاتا ہے کہ میں نے نوجوانوں کو عامل مقرر کر دیا ہے۔ حالانکہ میں نے جن لوگوں کو مقرر کیا ہے ان کو جامع اوصاف بہادر اور لائق دیکھ کر مقرر کیا ہے یہ ان کے صوبوں کے آدمی ہیں۔ ان کی کارکردگی سے یہ بھی انکار نہیں کر سکتے اور یہ ان کے ہم وطن ہیں ان کی اہلیت سے یہ بھی ناواقف نہیں۔ رہا نوجوان ہونا تو یہ کوئی عیب نہیں ہے۔ مجھ سے پہلے خود رسول اکرم صلعم نے اسامہ کو جو ان سے بھی کم عمر تھے امیر مقرر فرمایا ہے۔

(۶) کہا جاتا ہے کہ میں نے عبداللہ بن ابی سرح کو افریقہ کا مال غنیمت انعام کے طور پر دیدیا۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے انہیں مال غنیمت کے پانچویں حصہ کا

پانچواں حصہ دیا تھا جس کی تعداد ایک لاکھ ہوتی ہے۔ رسول اکرم صلعم اور شیخین رضی اللہ عنہما نے بھی اپنے زمانہ میں ایسا کیا ہے۔ لیکن جب مجھے معلوم ہوا کہ اہلِ لشکر کو یہ ناگوار گزرا ہے تو میں نے عبداللہ سے یہ رقم واپس لے کر انہی میں تقسیم کر دی۔

(۷) کہا جاتا ہے کہ میں اپنے اہلِ خاندان سے محبت کرتا ہوں اور انہیں عطیات دیتا ہوں۔ اپنے اہلِ خاندان سے محبت کرنا بری بات نہیں لیکن میری محبت نے کبھی مجھے ظلم پر آمادہ نہیں کیا ہے۔ میں بیت المال سے صرف ان کے جائز حقوق ادا کرتا ہوں۔ باقی جو کچھ عطیات میں دیتا ہوں وہ اپنے مال میں سے دیتا ہوں۔ بیت المال کے مال کو میں اپنے یا اپنے عزیزوں کے لئے خرچ کرنا جائز نہیں سمجھتا۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں رسول اللہ صلعم اور شیخین رضی اللہ عنہما کے عہد میں بھی اپنے عزیزوں کو گراں قدر عطیات دیا کرتا تھا حالانکہ اس وقت مجھے مال کی ضرورت بھی اور اب تو میں اپنی خاندانی عمر کو پہنچ گیا ہوں، مجھے زندگی کی توقع نہیں رہی کہ روپیہ کو بچا کر رکھنے کی خواہش ہو۔ میں نے کسی شہر پر خراج کا غیر ضروری بار نہیں ڈالا ہے کہ کسی کو اعتراض کی گنجائش ہو۔ پھر جس قدر جہاں سے آتا ہے وہیں کے مفاد پر خرچ کر دیا جاتا ہے، میرے پاس صرف خمس غنیمت جمع رہتا ہے جسے مسلمان مناسب موقعوں پر خرچ کرنے کا پورا اختیار رکھتے ہیں۔ اللہ کے مال میں ایک پیسہ کا بھی تصرف نہیں کیا جاتا۔ میرا اس میں سے

خود کچھ نہیں لیتا۔ حتیٰ کہ اپنی معاش کا بار بھی بیت المال پر نہیں ڈالتا۔

(۸) کہا جاتا ہے کہ میں نے اپنے حاشیہ نشینوں کو قطعات زمین عطا کر دئیے ہیں۔ حقیقتِ حال یہ ہے کہ مفتوحہ علاقوں کی زمینوں میں سے فتوحات کے بعد مہاجرین و انصار کو ان کے حصے ملے تھے۔ تو ان میں سے جو لوگ وہاں رہ پڑے ان کی زمینیں تو ان کے اہلِ خاندان کے قبضہ میں ہیں، لیکن جو لوگ واپس چلے آئے وہ اپنی زمینوں سے فائدہ نہ اٹھا سکتے تھے، تاہم وہ زمینیں ان کی ملکیت تھیں۔ میں نے ان کی سہولت کے خیال سے ان کی دور افتادہ زمینوں کو مقامی صاحبان جائداد کے ہاتھ فروخت کر دیا اور قیمت ان اراضی کے مالکوں کے حوالہ کر دی[1]

اس تفصیل کے ساتھ آپ نے مفسدین کے ایک ایک الزام کا مدلل و مسکت جواب دیا۔ آپ ہر جواب کی تقریر فرمانے کے بعد حاضرین سے پوچھتے "جو کچھ میں نے کہا کیا وہ صحیح ہے؟"

حاضرین یک زباں ہو کر جواب دیتے "بے شک آپ نے بجا و درست ارشاد فرمایا۔"

ظاہر ہے کہ فسادِ نیت کی اصلاح دلائل و براہین سے نہیں ہو سکتی۔ وفود نے اپنے اپنے شہروں میں جا کر مشہور کیا کہ ہم نے مدینہ منورہ جا کر خلیفہ کو

---

[1] محاضرات خضری ج ۲ ص ۵۹-۶۱

حجت تمام کردی مگر وہ اصلاحِ حال کے لئے تیار نہیں ہیں۔

## مفسدین کی روانگی :-

اب مفسدین نے آپس میں نامہ وپیام کر کے طے کیا کہ شوال کے مہینہ میں بصرہ، کوفہ اور مصر سے حج کے بہانہ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوں اور وہاں پہنچکر اپنے عزائم کو بزورِ شمشیر پورا کریں۔ چنانچہ ان تینوں مقامات سے ایک ایک ہزار کی جمعیت متفرق ٹولیوں میں روانہ ہوئی۔ مدینہ کے قریب پہنچ کر اہلِ بصرہ مقام خشب میں ٹھہرے، اہلِ کوفہ مقام اعوص میں اور اہلِ مصر مقام ذی مروہ میں مقیم ہوئے۔ حضرت عثمان کی مخالفت میں تو یہ تینوں گروہ متفق تھے لیکن آئندہ خلیفہ کے انتخاب کے مسئلہ میں اختلاف رائے تھا۔ ابنِ سبا کے قیام مصر کی وجہ سے سب اہلِ مصر حضرت علی کے حامی تھے مگر اہلِ کوفہ کی اکثریت حضرت زبیر اور اہلِ بصرہ کی اکثریت حضرت طلحہ کو پسند کرتی تھی۔

اہلِ مصر کا ایک وفد حضرت علی کے پاس آیا اور ان سے اپنی مدد کی خواہش اور قبولِ خلافت کی درخواست کی۔ حضرت علی نے جواب دیا۔ "رسول اللہ صلعم نے فرمایا تھا کہ ذی خشب ذی مرود اور اعوص کے لشکر ملعون ہیں۔ سب دیندار مسلمانوں کو اس کا علم ہے۔ میں تمہارے ساتھ تعاون نہیں کر سکتا۔" اہلِ بصرہ حضرت طلحہ اور اہل کوفہ حضرت زبیر کے پاس پہنچے اور انہیں بھی یہی جواب ملا۔

حضرت عثمان کو جب مفسدین کے ارادوں کا علم ہوا تو وہ حضرت علی کے پاس آئے اور ان سے رشتہ داری کا واسطہ دیکر کہا کہ آپ ان لوگوں کو سمجھا بجھا کر واپس کر دیجئے۔ حضرت علی نے کہا میں نے آپ کو متعدد مرتبہ بنو امیہ کی طرف داری سے منع کیا تھا مگر آپ مروان، معاویہ ابن عامر ابن ابی سرح اور سعید بن عاص ہی کے اشاروں پر چلتے رہے۔ اب میں انہیں کیونکر واپس کروں؟ حضرت عثمان نے فرمایا کہ میں آئندہ آپ ہی کے مشورہ سے کام کیا کروں گا اور ان لوگوں کی بات نہ سنوں گا۔

حضرت علی اور محمد بن مسلمہ تیس آدمیوں کی ایک جماعت کے ساتھ اہل مصر کے پاس گئے۔ انہیں اطمینان دلایا کہ عمال کے متعلق تمہاری شکایات میں دور کرا دوں گا اور انہیں مصر کی طرف واپس کر دیا۔

حضرت علی اب حضرت عثمان سے ملے اور ان سے کہا جو کچھ آپ نے مجھ سے فرمایا اس کا اعلان مسجد میں کر دیجئے تاکہ سب کو اسکی اطلاع ہو جائے اور بصرہ اور کوفہ کے لوگوں کو بھی ہنگامہ آرائی کا بہانہ نہ رہے۔

حضرت عثمان مسجد میں تشریف لے گئے اور ایک پُر زور خطبہ دیا۔ آپ نے فرمایا ”اگر مجھ سے کوئی لغزش ہوئی ہے تو میں خدا سے اسکی معافی چاہتا ہوں۔ آپ صاحبان میں سے جو اہل الرائے ہوں ان سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے مناسب مشورہ دیں۔ خدا کی قسم اگر حقانیت کے ساتھ مجھ سے غلامانہ

اطاعت کا مطالبہ کیا جائے تو مجھے اس سے انکار نہ ہوگا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کی مرضی کے مطابق کام کروں گا اور مروان وغیرہ کی بات نہ سنوں گا"۔ یہ فرما کر حضرت عثمان رونے لگے اور سامعین بھی بے اختیار رو پڑے [1]

## مفسدین مدینہ میں:۔

اہل مدینہ سمجھے تھے کہ اب یہ جھگڑا ختم ہوگیا مگر ان کے تعجب کی کوئی حد نہ رہی جب یکایک مفسدین کے نعروں سے مدینہ کی گلیاں گونج اٹھیں۔ مصر، کوفہ اور بصرہ کے مفسدین کے گروہوں نے حضرت عثمان کے گھر کو گھیر لیا اور انتقام کا مطالبہ کرنے لگے۔ حضرت علیؓ اہل مصر کے پاس آئے اور ان سے پوچھا کہ تم لوگ تو مصر روانہ ہوگئے تھے لوٹ کیوں آئے؟ انہوں نے کہا کہ ہمیں راستہ میں ایک قاصد ملا جو تیزی کے ساتھ مصر کی طرف جا رہا تھا۔ ہم نے اس کی تلاشی لی تو اسکے پاس سے ہمارے قتل کا فرمان نکلا جس پر خلیفہ کی مہر ہے۔ حضرت علی نے اہل بصرہ و کوفہ سے پوچھا کہ تم لوگ کیوں آئے؟ انہوں نے جواب دیا ہم اپنے بھائیوں کی مدد کرنے آئے ہیں۔ حضرت علی نے پوچھا تم لوگوں کے راستے مختلف ہیں۔ تم اپنے اپنے راستوں پر کافی فاصلے طے کر چکے تھے پھر تمہیں آپس میں ملاقات کا موقع کیونکر ملا۔ مفسدین اس سوال کا کوئی جواب نہ دے سکے۔ حضرت علی نے فرمایا۔ خدا کی قسم یہ سب تمہاری سازش ہے۔ مفسدین نے

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام ج ۴ ص ۷۹۵

کہا آپ جو چاہیں سمجھ لیں ہمیں عثمان کو خلیفہ رکھنا منظور نہیں ہے۔ خدا نے ہمارے لئے اس شخص کا خون حلال کر دیا ہے۔ آپ بھی اس کام میں ہماری اعانت کیجئے۔ حضرت علی نے فرمایا خدا کی قسم میں تمہاری مدد نہ کروں گا۔ مفسدین نے کہا۔ پھر آپ نے ہمیں خط لکھ کر کیوں بلایا۔ حضرت علی نے فرمایا۔ خدا کی قسم میں نے تمہیں کوئی خط نہیں لکھا۔ اس جواب پر مفسدین ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

حضرت علی نے جب دیکھا کہ معاملہ ان کے قابو سے باہر ہو گیا ہے اور مفسدین انہیں بھی اس گندگی میں ملوث کرنا چاہتے ہیں تو وہ مدینہ سے باہر مقام احجارالزیت میں تشریف لے گئے۔

مفسدین حضرت عثمان کے پاس پہنچے اور ان کو فرمان دکھا کر کہا کہ یہ خط ہمارے متعلق آپ نے لکھا ہے؟ حضرت عثمان نے فرمایا۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے اس کا علم تک نہیں۔ مفسدین نے کہا اگر آپ نے یہ خط لکھا ہے تو ظاہر ہے کہ آپ خلافت کے اہل نہیں، اور اگر آپ کی طرف سے یہ خط لکھ دیا گیا ہے اور آپ کو اس کا علم نہیں تب بھی آپ خلافت کے لائق نہیں۔ کیونکہ جس خلیفہ کے علم کے بغیر اس کی طرف سے ایسے اہم فرمان مہر خلافت کے ساتھ جاری کر دئیے جائیں وہ اس اہم ذمہ داری کے لائق نہیں ہو سکتا۔ مفسدین نے حضرت عثمان سے مطالبہ کیا کہ آپ منصب خلافت سے دستبردار ہو جائیں۔ حضرت عثمان نے اس مطالبہ کو رد کر دیا اور فرمایا

"میں اس عزت کی قمیص کو جو خدا نے مجھے پہنادی ہے اپنے ہاتھوں نہ اُتاروں گا۔"

## محاصرہ:۔

مفسدین نے جب دیکھا کہ حضرت عثمان خلافت سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہیں تو انہوں نے آپ کے مکان کا محاصرہ کر لیا

یہ محاصرہ چالیس روز تک قائم رہا۔ اور بتدریج سخت تر ہوتا گیا، حتیٰ کہ آخری دنوں میں آپ پر پانی کی بھی بندش کر دی گئی۔

بلوائیوں نے شہر میں اعلان کر دیا تھا کہ جو شخص اپنے گھر میں بیٹھا رہے گا اس سے تعرض نہ کیا جائیگا لیکن جو شخص باہر نکلے گا اس کا مقابلہ کیا جائیگا مفسدین کی بدتمیزی اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ حضرت ام المؤمنین ام حبیبہ رضؓ نے کھانے کا کچھ سامان لیکر حضرت عثمان تک پہنچنے کی کوشش کی تو انہیں بزور روک دیا گیا۔ یہ رنگ دیکھ کر اکثر صحابہ اپنے گھروں میں خانہ نشیں ہو گئے۔ اور کچھ مدینہ کو چھوڑ کر باہر چلے گئے۔ تاہم حضرت عثمان کے مکان میں ان کی حفاظت کے لئے تقریباً سات سو کی جمعیت موجود تھی۔ اس جمعیت میں حضرات حسن، حسین، حضرت طلحہ کے صاحبزادہ محمد اور حضرت زبیر کے صاحبزادہ عبداللہ، حضرت ابو ہریرہؓ سعید بن عاص، مروان وغیرہ شامل تھے۔ ان محافظین کی مفسدین سے کئی مرتبہ جھڑپیں ہوئیں۔ مروان تو اس قدر زخمی ہوا

کہ زندگی کی توقع نہ رہی اور حضرت حسن کے بھی کچھ زخم آئے۔ مفسدین چاہتے تھے کہ کسی طرح بغیر مقابلہ کے حضرت عثمان پر قابو پالیں۔ وہ جانتے تھے کہ اگر باقاعدہ مقابلہ ہوا تو حضرات حسن وحسین کی وجہ سے بنو ہاشم میدان میں آجائینگے۔

حالتِ محاصرہ ہی میں آپ نے حضرت عبداللہ بن عباس کو امیر الحج بناکر مکّہ معظمہ کی طرف روانہ کیا۔ ایک غرض یہ بھی تھی کہ اہلِ مکّہ کو مدینہ کے حالات کا علم ہو جائے۔ علاوہ ازیں اسلامی صوبہ جات کے امراء کے پاس بھی آپ نے مفسدین کی ہنگامہ آرائی کی خبر بھیجی اور ان سے مدد طلب کی۔

## بے نظیر عزم وثبات:۔

جب محاصرہ نے طول کھینچا اور مفسدین کی جفا کاریاں بڑھیں تو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ حضرت عثمان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے امیر المؤمنین آپ مسلمانوں کے امام ہیں۔ مفسدوں کی بد باطنی سے آج آپ کی جان خطرہ میں ہے۔ میں آپ کے سامنے تین تجویزیں پیش کرتا ہوں۔ ان میں سے کسی ایک کو قبول کر لیجئے۔ باہر نکل کر مفسدین کا مقابلہ کیجیئے، آپ کے ساتھ جاں نثاروں کی معقول تعداد موجود ہے۔ پھر یوں بھی آپ حق پر ہیں اور حق کی فتح کیلئے اہلِ مدینہ آپ کی مدد کریں گے یا صدر دروازہ کو چھوڑ کر جسے مفسدین نے گھیر رکھا ہے کسی اور طرف دروازہ پھوڑ کر مکّہ معظمہ تشریف

لے جائیے۔ مفسدین میں طاقت نہیں کہ وہ مکہ میں آپ پر دست درازی کر سکیں یا پھر آپ ملک شام کی طرف کوچ کیجئے کہ وہاں معاویہ اور آپ کے دوسرے معاونین موجود ہیں۔

حضرت عثمان نے جواب دیا پہلی صورت تو مجھے اس لئے منظور نہیں کہ میں پہلا وہ خلیفہ بننا نہیں چاہتا جو اپنی تلوار کو مسلمانوں کے خون سے رنگین کرے دوسری تجویز اس لئے ناقابلِ قبول ہے کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے سُنا ہے کہ قریش میں سے ایک شخص مکہ معظمہ کی بیحرمتی کرے گا اور ساری دُنیا کے عذاب کا آدھا اس کے حصّہ میں آئے گا۔ میں نہیں چاہتا کہ میں مکہ معظمہ کی بیحرمتی کا سبب بنوں۔ تیسری راہ میں اس لئے اختیار نہیں کر سکتا کہ رسول اللہ صلعم کے دار الہجرۃ اور آپ کے جوار کی عزت کو میں کسی قیمت پر ترک کرنے کیلئے تیار نہیں [۵۰]

## شہادت:۔

حضرت عثمان کو رسول اللہ صلعم کی پیشین گوئیوں کی بنا پر یقین تھا کہ شہادت کی سعادت ان کے لئے مقدر ہو چکی ہے۔ تاہم رسول اللہ صلعم ہی کی زبانی انہوں نے یہ بھی سُنا تھا کہ جب امت محمدیہ میں ایک بار تلوار کھینچ جائیگی تو پھر وہ قیامت تک بے نیام رہے گی۔ لہذا ان کی خواہش تھی کہ امت محمدیہ کو

---

۵۰ اشہر مشاہیر الاسلام ج ۴ ص ۸۰

اس اندرونی عذاب سے جب تک بچایا جاسکتا ہے بچانے کی کوشش کیجائے چنانچہ دوران محاصرہ میں کئی مرتبہ حضرت عثمان نے بالاخانہ پر چڑھ کر محاصرین کو پند و نصیحت کی اور تفصیل کے ساتھ اپنے فضائل و مناقب بیان کئے۔ مگر ان سنگ دلوں پر جن کے ایمان کی روشنی ماند پڑ چکی تھی کچھ اثر نہوا۔

آخر جب باغیوں کو یقین ہوگیا کہ حضرت عثمان خلافت سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہیں اور اگر مزید انتظار کیا گیا تو حج کا موسم ختم ہوجانے کی وجہ سے بہت سے حاجی مدینہ منورہ میں آجائینگے اور صوبہ جات سے بھی امدادی لشکر پہنچ جائینگے، تو انہوں نے آپ کو شہید کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

چونکہ صدر دروازہ پر حضرات حسنین اور عبداللہ بن زبیر اور محمد بن طلحہ وغیرہ مدافعت کے لئے موجود تھے اور باغی ان سے مقابلہ مناسب نہ سمجھتے تھے اس لئے وہ دیوار پھاند کر آپ کے مکان میں گھس گئے۔ حضرت عثمان اس وقت قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول تھے۔ محمد بن ابی بکر جو اس جماعت میں پیش پیش تھے، حضرت عثمان کے ساتھ گستاخی سے پیش آئے۔ حضرت عثمان نے فرمایا بھتیجے اگر آج تمہارے باپ زندہ ہوتے تو انہیں تمہاری یہ حرکت پسند نہ آتی محمد ابن ابی بکر شرمندہ ہوکر پیچھے ہٹ گئے۔ غافقی نے پیشانی مبارک پر لوہے کا ایک گرز مارا جس سے آپ پہلو کے بل گر پڑے۔ سودان بن حمران نے تلوار کھینچ کر آپ پر وار کیا۔ لیکن وفادار بیوی نائلہ بنت فرافصہ نے اسے

اپنے ہاتھ پیروکا اور ان کی انگلیاں اُڑ کر الگ جا پڑیں۔ پھر عمرو بن حمق نے اپنی حماقت وضلالت کا ثبوت اس طرح دیا کہ ذی النورین کے سینہ مبارک پر چڑھ بیٹھا اور آپ کے نو زخم لگائے۔ پھر کوئی شقی ازلی آگے بڑھا اور اس نے گردن مبارک کو جسم سے جُدا کر دیا۔ خونِ عثمانی کے قطرے جس آیت پر گرے وہ یہ تھی :۔

فسیکفیکھم اللہ وھو العلیم الحکیم — ان کے مقابلہ میں خدا تمہارے لئے کافی ہے اور وہی صاحب علم و حکمت ہے۔

حضرت عثمان کا گھر بہت وسیع تھا۔ یہ واقعۂ ہائلہ اس خاموشی اور عجلت کے ساتھ ہو گزرا کہ محافظین کو خبر بھی نہوئی۔ جب علم ہوا تو ہر شخص اپنی جگہ دم بخود رہ گیا۔ کسی کو یہ گمان نہ تھا کہ باغی اس قدر جرأت کر گزریں گے کہ مدینۃ الرسول میں خلیفۃ الرسول کے حلقوم پر چھری پھیر دیں۔ جن لوگوں کو حضرت عثمان سے بعض انتظامی امور میں مخلصانہ اختلافات تھے وہ بھی مفسدین کی اس حرکت پر افسوس کرنے لگے۔

حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور سعد بن وقاص کو جب خبر پہنچی تو پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ حضرت عثمان کے گھر پہنچے تو دیکھا کہ واصل بحق ہو چکے ہیں۔ بے اختیار انا للہ وانا الیہ راجعون زبان سے نکلا۔ حضرت علی نے اپنے صاحبزادوں سے فرمایا۔ تم لوگوں کے یہاں ہوتے ہوئے امیر المؤمنین کس طرح

شہید ہو گئے۔ پھر حضرات حسنین کو سزا دی اور محمد بن طلحہ اور عبداللہ بن زبیر کو بُرا بھلا کہا۔

خلیفۃ المسلمین کے گلشن حیات کو تاراج کرنے کے بعد مفسدین نے کاشانۂ خلافت کو لوٹا۔ پھر بیت المال پر ہاتھ صاف کیا۔ سارے مدینہ میں مفسدین کا راج تھا، دلوں پر ان کی ہیبت چھائی ہوئی تھی اور زبانوں پر ان کے خوف سے مُہر لگی ہوئی تھی۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو جمعہ کے دن عصر کے وقت ہوئی۔ تین روز تک نعش بے گور و کفن پڑی رہی۔ چند لوگ حضرت علی کے پاس گئے۔ ان کی سفارش سے دفن کی اجازت ملی۔ مغرب اور عشاء کے درمیان جنازہ اُٹھایا گیا۔ سترہ آدمیوں نے مل کر نماز جنازہ پڑھی، حضرت جبیر بن مطعم یا حضرت زبیر نے نماز جنازہ کی امامت کی۔ جنّت البقیع کے قریب حش کوکب میں، عروس خلافت کو رنگین کپڑوں میں دفن کر دیا گیا۔

## افسوسناک نتائج :۔

قاتلین عثمان کی تلوار نے مسلمانوں کی وحدت ملّیہ کو چار حصّوں میں تقسیم کر دیا۔ (۱) عثمانی (۲) شیعہ علی (۳) مرجئہ (۴) اہل الجماعہ۔ عثمانی اہل شام و اہل بصرہ قرار پائے۔ یہ حضرت عثمان کو حق و انصاف پر سمجھتے تھے اور ان کے قاتلین کو ظالم قرار دے کر ان سے قصاص لینا ضروری سمجھتے تھے لیکن اہل شام

کہتے تھے کہ خلیفہ مظلوم کے ولی حضرت معاویہ ہیں جو ان کے قریبی عزیز ہیں لہذا ہمیں ان کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر خلیفہ مظلوم کا قصاص لینا چاہئیے۔ اہلِ بصرہ طلب قصاص کا مستحق حضرات طلحہ و زبیر کو سمجھتے تھے کیونکہ یہ حضرت عمر کے مجوّزہ اہلِ شوریٰ میں سے تھے۔ شیعۂ علی اہلِ کوفہ اور ان کے ساتھی قرار پائے۔ یہ وہ لوگ تھے جو حضرت عثمان کو خلافت کا اہل نہ سمجھتے تھے۔ قاتلین عثمان بھی انہی میں شامل تھے۔ مرجیہ وہ لوگ کہلائے جو مختلف بلاد و امصار میں مصروفِ جہاد تھے۔ انہوں نے کہا جب ہم مدینہ سے روانہ ہوئے تھے تو مسلمانوں میں کوئی تفرقہ نہ تھا۔ جب واپس آئے تو آپس میں تلوار چلتی دیکھی۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ شیعہ علی حقانیت پر ہیں یا شیعہ عثمان۔ لہذا ہم نہ کسی پر لعنت بھیجتے ہیں اور نہ کسی کی تصدیق کرتے ہیں اور ان کے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔ اہل السنت والجماعۃ کے نام سے وہ لوگ موسوم ہوئے جنہوں نے ہزارہا صحابہ کرام و تابعین عظام کے معتدل مسلک کو اختیار کیا۔ ان حضرات کا قول یہ تھا کہ ہم حضرت عثمان اور حضرت علی دونوں سے محبت رکھتے ہیں۔ کسی پر لعنت بھیجنا جائز نہیں سمجھتے۔ ان میں سے اگر کسی سے خطا سرزد ہوئی تو وہ خطا اجتہادی تھی جو قابلِ مواخذہ نہیں [1]

ظاہر ہے کہ ان افسوسناک اختلافات کی بنیاد یہ وقتی سیاسی مسئلہ تھا کہ

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام ج ۴ ص ۱۰۱۶ بحوالہ ابن عساکر

"حضرت عثمان مستحق عزل ہیں یا نہیں" اور ان متخالف جماعتوں کی حیثیت ان سیاسی پارٹیوں کی تھی جن کا وجود ہر اس نظام حکومت میں ناگزیر ہے جسکی بنیاد شوریٰ اور ڈیموکریسی پر ہو۔ لیکن جن دشمنانِ اسلام کا ہاتھ پس پردہ کام کر رہا تھا۔ ان کا مقصد وحدتِ اسلامی کے قصرِ رفیع میں ایسے شگاف پیدا کرنا تھا جو کبھی بھرے نہ جا سکیں۔ . . . . . . . . . . . . . . . . . .

. . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . .

. . . . . . . . . ان دشمنانِ اسلام کی جد و جہد سے ہر پارٹی نے اپنے مخصوص نظریات کی تاویلات کتاب و سنت میں تلاش کرنا شروع کر دیں اور بعض گم کردہ راہ جماعتوں نے عقائد اسلامی میں ایسی تحریفات کیں جو ان کے اعمال سے ہم آہنگ ہوسکیں۔ نتیجہ وہی ہوا جو دشمنوں کا مدعا تھا۔ بہت جلد یہ "سیاسی پارٹیاں" "مذہبی گروہوں" کی صورت میں تبدیل ہوگئیں، پھر یہ گروہ مزید فرقوں میں تقسیم ہوئے اور قبا، وحدت اسلامیہ پارہ پارہ ہو کر رہ گئی۔

ان اختلافات کا اس سے بھی زیادہ اندوہناک ثمرہ یہ ہوا کہ منصب خلافت کا فیصلہ رائے عامہ کی بجائے زبانِ خنجر سے ہونے لگا۔ اسلامی نظامِ حکومت جسکی اساس "شوریٰ" تھی درہم و برہم ہوگیا، اور اسلامی نظامِ حکومت کے ساتھ اسلامی نظامِ زندگی بھی جو اسی کے سہارے قائم تھا تباہ و برباد ہوگیا۔

اس طرح رسول اکرم صلعم کی یہ پیشنگوئیاں پوری ہوئیں:۔

تدور رحی الاسلام بخمس و — نظام اسلامی اپنے محور (کتاب وسنت)
ثلاثین او ست وثلاثین او — پر پینتیس یا چھتیس یا سینتیس سال گھومتا
سبع وثلاثین سنۃ (رواہ ابوداؤد) — رہے گا۔[۱]

اذا وضع السیف فی امتی لم یرفع — جب میری امت میں تلوار رکھ دی جائیگی
عنھا الی یوم القیامۃ (رواہ الترمذی) — تو پھر قیامت تک نہ اُٹھے گی۔

## خاندان عثمان رضؓ:۔

حضرت عثمان غنی رضؓ نے مکہ میں رسول اکرم صلعم کی صاحبزادی حضرت رُقیہ سے شادی کی۔ ایام بدر میں جب ان کا انتقال ہوگیا تو رسول اکرم صلعم کی دوسری صاحبزادی حضرت اُم کلثوم رضؓ سے عقد کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت رقیہ کے بطن سے آپ کے صاحبزادے عبداللہ اکبر پیدا ہوئے جو بچپن ہی میں فوت ہوگئے۔ حضرت ام کلثوم کے بعد حسب ذیل نکاح کئے:۔

فاختہ بنت غزوان۔ ان کے بطن سے ایک صاحبزادہ عبداللہ اصغر پیدا ہوئے جو کمسنی ہی میں انتقال کر گئے۔ ام عمرو بنت جندب دوسی۔ ان سے چار صاحبزادے

---

[۱] اس مدت کو واقعۂ ہجرت سے جو تاریخ اسلامی کا مبدا ہے شمار کیا جائے تو ۳۵ سال حضرت عثمان غنی رضؓ کی شہادت پر ختم ہوتے ہیں۔ چھتیسویں سال واقعۂ جمل اور سینتیسویں سال حادثۂ صفین پیش آیا۔

عمرو، خالد، ابان، عمر اور ایک صاحبزادی مریم پیدا ہوئیں۔ فاطمہ بنت ولید مخزومیہ ان سے دو صاحبزادے ولید اور سعید اور ایک صاحبزادی ام سعید پیدا ہوئیں۔ ام بنین بنت عیینہ فزاریہ۔ ان سے عبدالملک پیدا ہوئے جو کمسنی ہی میں فوت ہو گئے۔ رملہ بنت شیبہ۔ ان سے تین صاحبزادیاں عائشہ، ام ابان اور ام عمرو پیدا ہوئیں۔ نائلہ بنت فرافصہ کلبیہ۔ ان سے ایک صاحبزادی مریم پیدا ہوئیں جو بچپن ہی میں فوت ہو گئیں۔

شہادت کے وقت فاختہ، ام البنین، رملہ اور نائلہ موجود تھیں۔

## عمال عثمان رضؓ

۳۵ھ میں جب حضرت عثمان کی شہادت ہوئی آپ کی طرف سے مختلف صوبوں میں حسب ذیل عمال مقرر تھے:۔

مکہ۔ عبداللہ بن حضرمی۔

طائف۔ قاسم بن ربیعہ ثقفی۔

صنعا۔ یعلیٰ بن منیہ۔

جند۔ عبداللہ بن ربیعہ۔

بصرہ۔ عبداللہ بن عامر۔

شام۔ معاویہ بن ابی سفیان۔

حمص۔ عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید۔

قنسرین - حبیب بن مسلمہ فہری -

اردن - ابو الاعور سلمی -

فلسطین - علقمہ بن حکیم کنانی -

کوفہ - ابو موسیٰ اشعری -

قرقیسیا - جریر بن عبداللہ -

آذربیجان - اشعث بن قیس کندی -

حلوان - عتیبہ بن نہاس -

ماہ - مالک بن حبیب -

ہمدان - نسیر -

ری - سعید بن قیس -

اصفہان - سائب بن اقرع -

مصر - عبداللہ بن سعد -

ان صوبوں میں سے بڑے بڑے صوبے پانچ تھے۔ مصر، شام، قنسرین بصرہ اور کوفہ فوجی مراکز ہونے کی حیثیت سے دوسرے صوبہ جات ان کے تابع تھے۔ مصر کے تابع کل افریقی مقبوضات تھے۔ شام کے ماتحت دمشق کے علاوہ حمص، اردن اور فلسطین تھے قنسرین کے ماتحت کُل آرمینیہ تھا۔ کوفہ اور بصرہ کے ماتحت کل مشرقی و مغربی فارس تھا۔ گویا ان صوبوں کے والیوں کی

حیثیت گورنر جنرل کی تھی۔ جو ملحقہ چھوٹے صوبوں کے بھی حاکمِ اعلیٰ تصوّر کیئے جاتے تھے۔

حضرت عثمان کے عہد میں بیت المال کے نگران عقبہ بن عامر اور قاضی، زید بن ثابت تھے۔

# عہدِ علی مرتضیٰ

## کرم اللہ وجہہ

### انتخابِ خلافت:۔

شہادتِ حضرت عثمان غنی رضؓ کے بعد، مدینہ منورہ کی فضا فتنہ و فساد کے غبار سے تاریک تھی۔ آفاقی (مصر، کوفہ، اور بصرہ کے مفسدین) دارالخلافہ پر چھائے ہوئے تھے۔ اکابر صحابہ میں سے کچھ تو ملک کی فوجی و انتظامی ذمہ داریوں کے سلسلہ میں، سرحدات اور مختلف صوبجات میں منتشر تھے، کچھ فریضۂ حج کی ادائگی کے لئے مکہ معظمہ میں مقیم تھے اور کچھ مدینہ منورہ میں فتنہ و فساد کی گرم بازاری دیکھ کر مختلف اطراف میں نکل گئے تھے۔ تھوڑی سی تعداد مدینہ منورہ میں ضرور موجود تھی، مگر آفاقیوں کے غلبہ و تسلط نے آزادیٔ فکر و عمل کا حق ان کے لئے محفوظ نہ رکھا تھا۔

شہادتِ حضرت عثمان غنی کے بعد تین دن تک مسندِ خلافت خالی رہی غافقی (امیرِ مفسدین مصر) مسجد نبوی میں امامت کے فرائض انجام دیتا رہا۔ اس دوران میں آفاقیوں نے حضرتِ علی کا نام خلافت کے لئے تجویز کیا اور ان

سے اس منصب کو قبول کرنے کی درخواست کی۔

حضرت علی نے پہلے تو انکار کیا۔ لیکن جب دیکھا کہ اکابر صحابہ کی بھی یہی رائے ہے، تو آپ نے اس بارِ گراں کی ذمّہ داری کو قبول فرمالیا۔

سب سے پہلے مالک اشتر نے بیعت کی اسکے بعد دوسرے لوگوں نے۔ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر چونکہ حضرت عمر کے مجوزہ "اربابِ شوریٰ" میں سے تھے اور ان کی طرف سے مخالفت کا احتمال تھا۔ اس لئے حضرت علی نے انہیں بلوایا اور ان سے کہا اگر آپ خلافت کے خواہشمند ہوں تو میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے تیار ہوں۔ دونوں نے انکار کیا۔ اب حضرت علی نے کہا اچھّا تو پھر آپ صاحبان میرے ہاتھ پر بیعت کر لیجئے۔ یہ سُن کر حضرت طلحہ نے قدرے تامّل کیا۔ اس پر مالک اشتر نے تلوار کھینچ لی اور کہا بیعت کرو ورنہ ابھی سر تن سے جُدا کردوں گا۔ چنانچہ ان دونوں صاحبان نے بھی بیعت کرلی۔ سعد بن وقاص کو بھی بُلایا گیا۔ انہوں نے کہا جب دوسرے لوگ بیعت کر لینگے تو میں بھی کرلوں گا۔ آپ میری طرف سے اطمینان رکھئے۔ حضرت علی نے فرمایا انہیں جانے دو۔ پھر عبداللہ بن عمر کو بُلایا گیا۔ انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔ حضرت علی نے فرمایا۔ آپ اپنا کوئی ضامن دیجئے۔ عبداللہ بن عمر نے کہا میں کوئی ضامن نہیں دے سکتا۔ اشتر پھر کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا۔ انہیں میرے حوالہ کیجئے میں ابھی ان کی

گردن مارتا ہوں۔ حضرت علی نے فرمایا۔ میں اُن کا ضامن ہوں۔

اکابر انصار میں سے بھی ایک بڑی جمعیت نے بیعت نہیں کی۔ کچھ نام یہ ہیں :۔

حسّان بن ثابت، کعب بن مالک، مسلمہ بن مخلد۔ ابو سعید خدری۔ محمد بن مسلمہ — نعمان بن بشیر — زید بن ثابت : رافع بن خدیج۔ فضالہ بن عبید۔ کعب بن عجرہ۔ علاوہ ازیں قدامہ بن مظعون، عبداللہ بن سلام اور مغیرہ بن شعبہ نے بھی بیعت سے انکار کیا۔ بہت سے لوگ بالخصوص بنی امیہ کے خاندان کے لوگ شام کی طرف فرار ہو گئے اور بیعت سے گریز کیا۔ یہ لوگ اپنے ساتھ حضرت عثمان کا خون آلود کرتہ اور حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی اُنگلیاں بھی لیتے گئے۔ یہ دونوں چیزیں جب جامع دمشق میں منظرِ عام پر لائی گئیں تو ساٹھ ہزار حامیانِ عثمان کی ڈاڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں اور ساری مسجد "انتقام انتقام" کے نعروں سے گونج اُٹھی۔

# حالات قبل خلافت

آپ کا نام علی ہے۔ ابوالحسن اور ابوتراب کنیت ہے، حیدر لقب ہے والد کا نام ابوطالب اور والدہ کا نام فاطمہ ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے:۔

علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی۔

آپ کو رسول اللہ صلعم کے چچیرے بھائی ہونے کا فخر حاصل تھا۔ اور نجیب الطرفین ہاشمی تھے۔

حضرت علی بعثتِ نبوی سے دس سال پہلے پیدا ہوئے تھے۔ آپ کے والد بزرگوار کثیر العیال شخص تھے، ان کی مدد کے خیال سے رسول اللہ صلعم نے حضرت علی کو اپنی آغوشِ تربیت میں لے لیا تھا۔

## قبول اسلام:۔

حضرت علی کی عمر کا دسواں سال تھا کہ رسول اللہ صلعم خلعتِ نبوت سے سرفراز ہوئے۔ ایک دن حضرت علی نے دیکھا کہ رسول اللہ صلعم اور ان کی محترم شریکِ زندگی حضرت خدیجہ کبریٰ دربارِ خداوندی میں سربسجود ہیں۔ جب یہ دونوں بزرگ نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت علی نے طفلانہ حیرت کے ساتھ

پوچھا آپ دونوں یہ کیا کر رہے تھے؟ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہم خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کر رہے تھے، ہم تمہیں بھی اس کی ہدایت کرتے ہیں اور لات وعزیٰ کے سامنے سر جھکانے کی ممانعت کرتے ہیں۔

حضرت علی نے عرض کیا، یہ ایک ایسی بات ہے جو میں نے ابتک نہیں سُنی، میں اپنے والد سے پوچھ کر آپ کو جواب دوں گا۔

رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ علی! ابھی کسی سے اس کا تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر تمہیں تامل ہے تو تم خود سوچ کر فیصلہ کرلو۔ حضرت علی رات بھر غور و فکر کرتے رہے اور دوسرے دن صبح کو بارگاہِ نبوّت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔

## ہجرت :-

تیرہ سال رسول اللہ صلعم نے مکّہ معظّمہ میں تبلیغِ اسلام کا فرض انجام دیا، مگر بہت کم وہ سعید روحیں تھیں جنہوں نے اس روشنی کو قبول کیا۔ قریش نے اس روشنی کو قبول کرنے سے انکار ہی نہیں کیا بلکہ اسے بجھا دینے کا ارادہ کرلیا، ابوجہل کی رائے کے مطابق مختلف قبیلوں کے ممتاز جوان رسول اکرم صلعم کو شہید کرنے کے لئے مامور ہوئے۔ خداوند قدّوس نے اپنے نبی کو کافروں کے اس ارادہ سے مطلع کیا اور مکّہ چھوڑ کر مدینہ چلے جانے کا حکم دیا۔

جس رات رسول اللہ صلعم مدینہ کو روانہ ہو رہے تھے، نوجوانانِ قریش

ننگی تلواریں لے کر کاشانۂ نبوت کے چاروں طرف چکر لگا رہے تھے اور آپ کی نقل و حرکت کی نگرانی کر رہے تھے۔ آنحضرت صلعم نے حضرت علی کو اپنے بستر مبارک پر لٹایا اور سورہ یٰسین کی آیۃ :۔

فاغشیناھم فھم لا یبصرون ہم نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے وہ اب نہیں دیکھ سکتے۔

کی تلاوت کرتے ہوئے باہر نکل گئے۔ نوجوانانِ قریش یہی سمجھتے رہے کہ رسول اللہ صلعم ہی بستر پر آرام فرما رہے ہیں اور منتظر رہے کہ جب نکلیں گے تو وار کریں گے۔ صبح کو جب آنحضرت صلعم کی بجائے حضرت علی بستر پر سے اٹھے تو کفار کو سخت حیرانی ہوئی۔ انہوں نے تعجب سے حضرت علی سے پوچھا، محمد کہاں گئے؟ حضرت علی نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ کفار سمجھ گئے کہ محمد صلعم ان کی آنکھوں میں خاک جھونک کر نکل گئے اور ان کا وار خالی گیا۔

رسول اللہ صلعم کی روانگی کے بعد، حضرت علی دو تین روز مکہ میں مقیم رہے رسول اکرم صلعم کے پاس جن لوگوں کی امانتیں تھیں وہ ان کے سپرد کیں۔ اس کام سے فارغ ہو کر مدینہ کو روانہ ہو گئے۔

## شرف مصاہرت :۔

ہجرت کے دوسرے سال حضرت علی کو رسول اللہ صلعم کی دامادی کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا حضور کی چہیتی صاحبزادی تھیں

حضرت ابوبکر و حضرت عمر نے بھی ان کے لئے حضور کو پیغام دیا تھا۔ مگر آپ نے عمر کی مناسبت کا خیال فرماتے ہوئے حضرت علی کی درخواست کو منظور فرمایا۔ حضرت علی کی ازدواجی زندگی اگرچہ فقیرانہ تھی، مگر دولتِ محبت و اخلاص سے خالی نہ تھی۔ جبتک حضرت فاطمہ زہرا زندہ رہیں آپ نے کوئی دوسری شادی نہ کی۔

## شرکت غزوات :۔

حضرت علی بجز غزوۂ تبوک کے تمام غزوات میں شریک ہوئے اور ذوالفقار حیدری کے جوہر دکھائے۔ ۲ھ میں میدانِ بدر میں جب کفر و اسلام کی پہلی معرکہ آرائی ہوئی تو عربی قاعدہ کے مطابق قریش کی صفوں میں سے تین بہادر مبارزہ کے لئے نکلے۔ جماعتِ اسلامی میں سے بھی تین انصاری ان کے مقابلہ کے لئے میدان میں آئے۔ مگر قریش نے کہا ہم انصار سے مقابلہ کرنا پسند نہیں کرتے ہمارا مقابلہ قریش ہی کے نوجوانوں سے ہوگا جو ہمارے ہم کفو ہیں۔ اس پر رسولِ اکرم صلعم نے حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت عبیدہ کو میدان میں بھیجا۔ حضرت حمزہ نے اپنے حریف عتبہ کو قتل کردیا۔ حضرت علی نے ولید کو تہ تیغ کیا، لیکن عبیدہ شیبہ کی تلوار سے زخمی ہوئے یہ دیکھ کر حضرت علی جھپٹ کر عبیدہ کی مدد کو پہنچے، اور ان کے حریف کو بھی ٹھکانے لگادیا۔

سنہ ۳ھ میں جنگِ احد ہوئی جس میں بعض مسلمانوں کی اجتہادی غلطی سے فتح شکست سے بدل گئی۔ چونکہ اس لڑائی میں یہ مشہور ہو گیا تھا کہ سرکار نامدار شہید ہو گئے ہیں اس لئے بڑے بڑے جاں باز مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ مگر حضرت علی ان فدائیوں میں سے تھے جو اس موقع پر بھی ثابت قدم رہے۔ ایک کافر ابو عامر نے ایک گڑھا کھود رکھا تھا۔ رسول اللہ صلعم کا پائے مبارک اس میں جا پڑا اور آپ گر گئے۔ حضرت علی نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور حضرت ابو بکر و حضرت طلحہ نے آپ کو سہارا دیکر نکالا۔ اب صحابہ کو معلوم ہوا کہ حضور زندہ و سلامت ہیں۔ جاں نثار ایک حلقہ میں لیکر آپ کو پہاڑ پر لے گئے۔ اس لڑائی میں سرورِ عالم صلعم کے لبِ مبارک اور رخسارِ پُر انوار زخمی ہو گئے تھے اور ایک دانت بھی شہید ہو گیا تھا۔ حضرت علی اپنی ڈھال میں بھر بھر کر پانی لائے اور حضرت فاطمہ نے زخم کو دھو کر اس کی مرہم پٹی کی جنگ احد میں حضرت علی کے ستّرہ زخم آئے۔

سنہ ۵ھ میں مدینہ منورہ کے اردگرد بسنے والے یہودیوں کی سازش سے کفّار قریش کے ایک لشکرِ عظیم نے مدینہ کو آگھیرا۔ رسولِ اکرم صلعم نے شہر کی حفاظت کے لئے خندق کھدوائی اور جا بجا بہادر صحابہ کو متعین کیا کہ وہ کافروں کو اندر گھسنے کا موقعہ نہ دیں۔ اس غزوہ میں بھی حضرت علی نے شمشیر حیدری کے جوہر دکھلائے۔

غزوۂ خندق میں کامیابی کے بعد آنحضرت صلعم نے یہودیوں کے فتنہ کی طرف توجہ کی جو مار آستین بنے ہوئے تھے۔ پہلے آپ نے بنو قریظہ پر فوجکشی کی۔ اس موقعہ پر علم اسلام حضرت علی کے سپرد کیا گیا اور آپ ہی کو مقدمۃ الجیش کا افسر معین کیا گیا۔ چنانچہ آپ نے بنو قریظہ کی گڑھی کو گھیر کر اس پر قبضہ کر لیا اور صحنِ قلعہ میں نماز ادا کی۔

سنہ ۶ھ میں معلوم ہوا کہ بنو سعد یہود خیبر کی مدد کیلئے جمع ہو رہے ہیں۔ آپ نے حضرت علی کو ان کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا اور یہ مہم بخیر و خوبی کامیاب ہوئی۔

سنہ ۷ھ میں رسولِ اکرم صلعم نے خیبر کے یہودیوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ لوگ منافقین مدینہ کی مدد سے مدینہ پر غارتگری کا ارادہ کر رہے تھے۔ رسول اللہ صلعم دو سو میل کا فاصلہ طے فرما کر خیبر پہنچے۔ یہود خیبر نے یہاں بڑے بڑے مضبوط قلعے بنا رکھے تھے جنہیں فتح کرنا آسان کام نہ تھا۔ ان قلعوں میں سب سے بڑا قلعہ قموص تھا جس میں یہودیوں کا مشہور سردار مرحب رہتا تھا۔ جب متعدد اکابر صحابہ قلعہ قموص کو فتح کرنے میں ناکام رہے تو آپ نے فرمایا "میں کل اس شخص کو علم دونگا جو خدا اور رسول کا محبوب ہے اور خدا و رسول اسکے محبوب ہیں۔ خدا اس مہم کو اسی کے ہاتھ سر کرائے گا"۔ دوسرے دن رسول اللہ صلعم نے حضرت علی کو طلب فرمایا اور آپ کو علم عطا کیا۔ حضرت علی نے حیرت انگیز شجاعت کے ساتھ مرحب اور اسکے بھائی کو خاک و خون

میں لہرایا اور علم اسلامی قلعہ پر لہرایا۔ ۸ھ میں فتح مکہ اور پھر غزوۂ حنین میں بھی حضرت علی پیش پیش تھے۔ فتح مکہ کے موقعہ پر علم اسلام حضرت علی کے ہاتھ میں تھا اور غزوۂ حنین میں آپ ثابت قدم صحابہ میں تھے جن کی نوکِ شمشیر نے نقشۂ جنگ کو بگڑنے سے بچالیا۔

۹ھ میں شام کے عیسائی بادشاہ کے حملہ کی خبر سُن کر آنحضرت صلعم نے تبوک کا قصد فرمایا۔ چونکہ مدینہ پر غارتگری کا اندیشہ تھا اس لئے آپ نے اپنے اہلِ بیت کی حفاظت کیلئے حضرت علی کو مدینہ میں ہی روک دیا۔ منافقین نے حضرت علی کو طعن دیا کہ رسول اللہ صلعم نے انہیں اس غزوہ میں شریک کرنا پسند نہیں کیا۔ اس پر حضور نے آپ کو تسلّی دی اور فرمایا "اے علی کیا تمہیں پسند نہیں کہ میرے نزدیک تمہارا وہ رتبہ ہو جو موسیٰ (علیہ السّلام) کے نزدیک ہارون کا تھا۔"

## اعلان براءۃ :۔

۹ھ میں مسلمانوں کے اہتمام سے پہلا حج ہوا۔ رسول اکرم صلعم نے حضرت ابوبکر صدیق کو امیر حج بنا کر بھیجا۔ اس کے بعد سورہ براءۃ نازل ہوئی جس میں مشرکین سے مسلمانوں کے عہد ناموں کی تنسیخ کا اعلان تھا۔ عرب کے قاعدہ کے مطابق رسول اللہ صلعم کا کوئی عزیز ہی ان کی طرف سے اس قسم کا اعلان سُنا سکتا تھا۔ حضور نے حضرت علی کو منتخب کیا اور اپنی اونٹنی قصواء پر انہیں مکّہ روانہ کیا۔ حضرت علی نے جمرہ کے قریب سورۃ براۃ کی

آیات سنائیں اور اعلان کر دیا کہ آئندہ کوئی مشرک حج کعبہ کا قصد نہ کرے

## دیگر فضائل :-

حضرت علی چونکہ رسول اکرم صلعم کے خاندان کے ایک رکن تھے اور درس گاہِ نبوت ہی میں ان کی تربیت ہوئی۔ اس لئے کمالاتِ علمی میں آپ کا پایہ بہت بلند ہے۔ رسول اکرم صلعم نے آپ کے متعلق ارشاد فرمایا :-

انا مدینۃ العلم و علی بابھا میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب ہمیں کوئی شرعی حکم علی کے ذریعہ معلوم ہو جائے تو کسی اور کی طرف رجوع کرنے کی حاجت نہیں رہتی۔

رسول اکرم صلعم کے زمانہ میں آپ کاتبِ وحی اور منشی فرامین تھے، حدیبیہ کا مشہور صلحنامہ آپ ہی کے قلم سے لکھا گیا تھا۔ رسول اکرم صلعم نے یمن میں اشاعتِ اسلام کے بعد آپ کو وہاں کا قاضی مقرر کیا۔ آپ نے اس اہم فرض کو بڑی لیاقت اور ذہانت کے ساتھ انجام دیا۔ عہدِ خلفاء ثلاثہ میں بھی آپ کی بصیرتِ علمی نے بہت سے الجھے ہوئے احکام و قضایا کے سلجھانے میں مدد دی۔ حضرت عمر فرمایا کرتے تھے "ہم میں سب سے بہتر مقدمات کا فیصلہ کرنے والے علی ہیں"

حضرت علی عشرہ مبشرہ میں سے ایک تھے۔ حضرت عمر کے مجوزہ اصحابِ شوریٰ میں بھی آپ شامل تھے۔ روانگی بیت المقدس کے وقت حضرت عمر نے آپ کو اپنا قائم مقام بھی منتخب کیا تھا۔

# واقعاتِ عہدِ خلافت

## خطبہ خلافت :-

بیعت کے بعد آپ نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ دیا جس میں مُسلمانوں کو اتفاق و اتحاد کی خاص طور پر تلقین کی۔ آپ کے خطبہ کے بعض جُملے یہ ہیں:

"خُداوند تعالیٰ نے زمین حرم کو محترم قرار دیا ہے۔ مُسلمانوں کو اخلاص و محبّت اور اتحاد و یگانگت کی بڑی تاکید فرمائی گئی ہے۔ مُسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں بجز اس صورت کے کہ کوئی شرعی حق واجب ہو۔ خُدا کے بندوں سے معاملہ کرتے ہوئے خُدا سے ڈرو۔ قیامت کے دن تم سے اراضی اور مواشی کے معاملہ کے متعلق بھی باز پُرس کیجائیگی۔ (انسانوں کا تو ذکر کیا ہے) اللہ عزّ و جل کی اطاعت کرو اس کے احکام سے سرتابی نہ کرو نیکی کو قبول کرو اور بدی سے پرہیز کرو۔"

## مطالبۂ قصاص :-

خطبہ کے بعد صحابہ کی ایک جماعت جس میں حضرت طلحہ و زُبیر بھی تھے حضرت علی کے پاس آئے اور ان سے کہا "آپ خلیفہ منتخب ہو چکے اب آپ کا پہلا کام حدودِ شرعیہ کا اجراء ہے لہذا قاتلینِ عثمان سے حضرت عثمان کے خون کا بدلہ لیجئے۔ ہم نے اِسی شرط پر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے"۔ حضرت علی نے فرمایا "میں خونِ عثمان کو رائگاں نہ جانے دونگا لیکن ابھی

اِس کا موقعہ نہیں ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم مفسدین سے گھرے ہوئے ہیں مدینہ میں ان ہی کا زور ہے، امرِ خلافت بھی ابھی مستحکم نہیں ہُوا ہے۔ آپ تامل فرمائیں جب حالات سازگار ہوں گے میں یہ فرض ضرور انجام دوں گا۔

حضرت علی کا یہ جواب سُنکر لوگوں میں مختلف خیالات کا اظہار کیا جانے لگا۔ بعض نے کہا حضرت علی کی رائے صحیح ہے، قصاص کے لئے ابھی انتظار کی ضرورت ہے۔ بعض نے کہا حضرت علی قصاص سے گریز کر رہے ہیں۔ اگر وہ اس فرض کو انجام نہ دیں گے تو ہم خود انجام دے لیں گے مفسدین نے سوچا کہ اگر حضرت علی کو اطمینان کی فضا میں سانس لینے کا موقع ملا تو پھر ہماری خیر نہیں۔ لہذا کوشش کی جائے کہ ایسی فضا پیدا ہی نہ ہو۔

## عزلِ عمال:۔

حضرت علی نے عنانِ خلافت ہاتھ میں لیتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ حضرت عثمان غنی کے زمانہ کے تمام عاملوں کو معزول کر دیا اور اُن کی جگہ نئے عامل نامزد کئے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت ابن عباس نے (جو حضرت علی کے بہی خواہ اور اہل الرائے تھے) حضرت علی کو ٹوکا اور کہا کہ آپ عاملوں کی معزولی میں عجلت نہ کریں، فی الحال آپ اُنہیں بیعت کے لئے لکھیں جب وہ آپ کی بیعت کر لیں اور امرِ خلافت مستحکم ہو جائے تو آپ اُنہیں

معزول کر سکتے ہیں۔ اگر آپ نے ابھی معزول کر دیا تو وہ آپ کی خلافت کو تسلیم کرنے ہی سے انکار کر دیں گے' اور خونِ عثمان کے مطالبہ کے بہانہ مقابلہ کے لئے اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ حضرت علی نے اِس معقول رائے کو رد کر دیا۔ مغیرہ بن شعبہ حضرت علی سے ناراض ہو کر مکہ معظمہ چلے آئے۔

حضرت علی نے عثمان بن حنیف کو بصرہ کا، عمارہ بن شہاب کو کوفہ کا' عبید اللہ بن عباس کو یمن کا' قیس بن سعد کو مصر کا اور سہل بن حنیف کو شام کا عامل مقرر کیا' اور پروانہائے عمل دیگر متعلقہ صوبوں کی طرف روانہ کر دیا۔

سہل (شام کے نئے والی) تبوک پہنچے تو اُنہیں امیر معاویہ کے سواروں نے روکا۔ سہل نے کہا میں شام کا نیا امیر ہوں۔ سواروں نے جواب دیا اگر تمہیں عثمان نے بھیجا ہے تو خیر' ورنہ بہتر یہی ہے کہ سیدھے واپس چلے جاؤ۔ سہل واپس مدینہ چلے آئے۔ قیس بن سعد مصر پہنچے تو وہاں تین جماعتیں ہو گئیں۔ ایک جماعت نے تو ان کی امارت قبول کر لی' دوسری جماعت نے کہا اگر حضرت علی نے قاتلینِ عثمان سے قصاص لیا تو ہم اُن کے ساتھ ہیں' تیسری جماعت نے کہا اگر حضرت علی نے قاتلینِ عثمان سے جو ہمارے عزیز ہیں قصاص نہ لیا تو ہم اُن کے طرفدار ہیں۔ عثمان بن حنیف بصرہ پہنچے تو یہاں بھی مصر کی طرح مختلف جماعتیں ہو گئیں'

عمارہ بن شہاب کوفہ کے راستہ ہی میں تھے کہ انہیں طلیحہ بن خویلد اسدی ملے انہوں نے عمارہ سے کہا اہلِ کوفہ ابو موسیٰ اشعری کے سوا کسی کی امارت تسلیم نہ کریں گے بہتر یہی ہے کہ مدینہ واپس چلے جاؤ ورنہ ابھی تمہارا سر تن سے جُدا کر دوں گا۔ عمارہ واپس ہو گئے

عبید اللہ بن عباس نے یمن پہنچکر وہاں کی عنانِ امارت اپنے ہاتھ میں لیلی سابق امیر یعلیٰ بیت المال کی ساری رقم لیکر ان کے آنے سے پہلے ہی مکہ روانہ ہو چکے تھے۔

## معاویہ کی طرف سے حضرت علی کے نام :-

حضرت علی نے ایک خط معبد اسلمی کے ہاتھ ابو موسیٰ اشعری کے نام روانہ کیا۔ حضرتِ ابو موسیٰ اشعری نے خط کے جواب میں لکھا "اہلِ کوفہ نے میرے ہاتھ پر آپ کے لئے بیعت کر لی ہے آپ مطمئن رہیئے"۔ حضرت علی نے حجاج بن غزیہ کے ہاتھ دُوسرا خط امیر معاویہ کے نام شام روانہ کیا اس میں لکھا تھا۔ یا تو آپ بیعت کر لیجیئے ورنہ لڑائی کے لئے تیار ہو جائیے۔ امیر معاویہ نے بنی عبس کے ایک جری اور زبان دراز شخص کی معرفت حضرت علی کو اُن کے خط کا جواب بھیجا۔ حضرت علی نے امیر معاویہ کے خط کو کھولا تو اُس میں صرف بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا تھا، باقی تمام خط خالی تھا، لفافہ پر لکھا تھا "معاویہ کی طرف سے علی کے نام"۔ حضرت علی کے پاس اُس وقت بعض معززین بھی

بیٹھے ہوئے تھے۔ اُنہیں اِس مذاق پر غصّہ آیا اور عبسی قاصد سے پوچھا یہ کیا حرکت ہے؟ عبسی نے بڑی دلیری کے ساتھ جواب دیا:۔

"حضرات میں نے شام میں پچاس ہزار شیوخ کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ اُن کی ڈاڑھیاں آنسوؤں سے تر ہیں، اُنھوں نے حضرت عثمان کی خون آلودہ قمیص کو نیزوں پر اُٹھا رکھا ہے اور قسم کھائی ہے کہ جب تک قاتلینِ عثمان سے انتقام نہ لے لیں گے اُن کی تلواریں بے نیام رہیں گی۔

اِس پر خالد بن زفر عبسی نے کھڑے ہو کر کہا، اے قاصد شام کیا تو مہاجرین و انصار کو لشکرِ شام سے ڈرانا چاہتا ہے۔ خُدا کی قسم قمیصِ عثمان قمیصِ یوسف (علیہ السلام) نہیں نہ معاویہ کا غم یعقوب (علیہ السلام) کا غم ہے۔ اگر شام میں اُن کا ماتم کرنے والے ہیں تو عراق میں اُن کی توہین کرنے والے بھی ہیں[1]۔

حضرت علی نے عبسی کی زبان سے اِس الزام کو سُنکر کہا "اے اللہ! تو خوب جانتا ہے کہ میں عثمان کے خون سے بری ہوں۔ واللہ قاتلینِ عثمان تو بچ کر نکل گئے"۔

عبسی قاصد جب شام کو واپس جانے لگا تو حامیانِ علی نے اُسے مار ڈالنا چاہا مگر اہلِ مدینہ میں سے اس کے ہم قبیلہ لوگوں نے اُس کی جان بچائی۔

---

[1] الاخبار الطوال لابی حنیفہ احمد الدینوری ص۱۴۲

حضرت معاویہ کے اِس جواب سے حضرت علیؓ کو یقین ہو گیا کہ معاملہ آسانی سے طے ہونے والا نہیں۔ چنانچہ انہوں نے امیر معاویہ سے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ امام حسنؓ نے اپنے والد بزرگوار کو جنگ سے گریز کرنے اور خلافت سے دستبردار ہو جانے کا مشورہ دیا مگر حضرت علیؓ نے اُسے قبول نہ کیا۔

## حضرت عائشہ کی تیّاری :۔

جس زمانہ میں حضرت عثمان غنی شہید ہوئے ہیں حضرت عائشہ صدیقہ فریضۂ حج کی ادائگی کے سلسلہ میں مکّہ معظمہ میں تشریف رکھتی تھیں۔ حج سے فارغ ہو کر وہ مدینہ منورہ واپس آ رہی تھیں کہ راستہ میں اِس حادثۂ جانکاہ کی خبر ملی۔ حضرت عائشہ مکہ کو لوٹ آئیں اور وہاں مجمعِ عام میں آپ نے ایک تقریر فرمائی جس کا خلاصہ یہ ہے :۔

اے لوگو! مختلف مقامات کے اوباشوں نے مدینہ کے غلاموں کی مدد سے عثمان کو شہید کر دیا ہے' اُن کی یہ حرکت بہت بڑا ظلم ہے۔ ان مفسدین نے عثمان پر کچھ الزامات لگائے لیکن جب وہ انہیں ثابت نہ کر سکے۔ تو اُنہوں نے غدر برپا کر دیا۔ جس خون کو خدا نے حرام کر دیا تھا اُسے بہایا اور بلدِ حرام میں بہایا اور شہر حرام (ماہ ذی الحجہ) میں بہایا۔ پھر جس مال کو ہاتھ لگانا انہیں حرام تھا اُسے لوٹا۔ خدا کی قسم عثمان کی ایک اُنگلی اِن

بلوائیوں کی ایک دنیا سے زیادہ محترم ہے"۔

مکہ کے عامل عبداللہ بن حضرمی یہ تقریر سُنکر بولے" سب سے پہلے خلیفۂ مظلوم کے قصاص کے معاملہ میں میں آپ کا مددگار ہوں" عبداللہ بن عامر سابق والیِ بصرہ اور یعلیٰ بن منیہ سابق والیِ یمن بھی مکہ معظمہ آگئے اور حضرت عائشہ کی جماعت میں شریک ہو گئے۔ بنی امیہ کے کچھ لوگ مدینہ سے بھاگ کر مکہ آگئے۔ یہ سب بھی حضرت عائشہ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ ان میں سعید بن عاص، ولید بن عقبہ اور مروان بن الحکم بھی شامل تھے۔ حضرت زبیر و حضرت طلحہ بھی مدینہ سے مکہ چلے آئے اُن کی زبانی حضرت عائشہ کو مدینہ کے تازہ حالات معلوم ہوئے، اور اُن کے عزمِ انتقام میں مزید پختگی پیدا ہو گئی۔ ان ہی حضرات نے حضرت عائشہ کو بصرہ جا کر مالی و فوجی مدد حاصل کرنے کا مشورہ دیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ کے اثر و رسوخ کی وجہ سے مکہ معظمہ کے ڈیڑھ ہزار اشخاص اُن کے حکم کی تعمیل کے لئے کھڑے ہو گئے۔ ضروری تیاریوں کے بعد یہ لشکر بصرہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستہ میں جن لوگوں کو یہ معلوم ہوا۔ کہ ام المومنین خلیفۂ مظلوم کے انتقام کے لئے جا رہی ہیں وہ بھی اس میں شامل ہوتے گئے۔ چنانچہ بہت جلد یہ تعداد تین ہزار ہو گئی۔

اُس زمانہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی مکہ ہی میں تھے۔ بعض لوگوں نے

اُن سے بھی شرکت کی درخواست کی۔ مگر آپ نے منظور نہ کیا بلکہ اپنی بہن ام المومنین حضرت حفصہ کو بھی روک لیا۔

## حضرت عائشہ بصرہ کو:۔

یہ لشکر جب بصرہ کے قریب پہنچا تو حضرت عائشہ نے عثمان بن حنیف کو جو حضرت علی کی طرف سے بصرہ کے والی تھے اپنی آمد کی اطلاع دی۔ عثمان بن حنیف نے عمران بن حصین اور ابوالاسود دوُلی دو شخصوں کو حضرت عائشہ کے پاس بھیجا کہ آنے کی غرض معلوم کریں۔ عثمان اور ابوالاسود نے حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہو کر تکلیف فرمائی کی وجہ پوچھی۔ حضرت عائشہ نے فرمایا:۔ "میرا مقصد یہ ہے کہ مفسدین نے حرم نبوی میں عثمان کا خون بہا کر جو فساد پھیلایا ہے اُس سے مسلمانوں کو آگاہ اور اس فساد کی اصلاح کے متعلق جو ان کی ذمہ داریاں ہیں اُن سے خبردار کروں۔"

پھر یہ دونوں قاصد حضرت طلحہ و زبیر کے پاس آئے اور اُن سے یہی سوال کیا۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ "ہم عثمان کے خونِ ناحق کا بدلہ لینے نکلے ہیں"۔ قاصدوں نے پوچھا۔ "کیا آپ دونوں صاحبان نے حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کر لی ہے؟" انہوں نے جواب دیا۔ "لیکن ہم سے بزورِ شمشیر بیعت لی گئی ہے۔ پھر ہم اس بیعت کو بھی نہ

توڑتے اگر علی قاتلینِ عثمان سے انتقام لیتے یا ہمیں اُن سے انتقام لینے دیتے۔" اِس گفتگو کے بعد یہ دونوں قاصد عثمان بن حنیف کے پاس گئے اور انہیں کل حالات سے مطلع کیا۔ عثمان بن حنیف نے پختہ ارادہ کرلیا کہ وہ حضرت علی طرف سے مدد پہنچنے تک اپنی پوری قوت کے ساتھ مدافعت کریں گے۔ انھوں نے ایک جلسہ منعقد کیا تاکہ اہلِ بصرہ کو مقابلہ کے لئے آمادہ کریں۔ اِس جلسہ میں قیس نامی ایک شخص نے تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

"بھائیو! طلحہ و زبیر اور اُن کے ساتھی اگر مکہ معظمہ سے اپنی جان بچانے کے لئے بصرہ آئے ہیں تو یہ غلط ہے کیونکہ مکہ میں تو کوئی جانوروں کو بھی نہیں ستاتا۔ اور اگر خونِ عثمان کا قصاص لینے کے لئے آئے ہیں تو ہم تو قاتلینِ عثمان ہیں نہیں، لہذا ان لوگوں کا مقابلہ کرکے انہیں لوٹا دو۔"

یہ تقریر سُنکر اسود بن سریع کھڑا ہُوا اور اس نے کہا "ان دونوں میں سے ایک بات بھی نہیں ہے، یہ لوگ اِس لئے آئے ہیں کہ قاتلینِ عثمان کے مقابلہ میں خواہ وہ ہمارے عزیز ہوں یا غیر، ہمیں اپنا مددگار بنائیں۔" جلسہ میں اِس موافق و مخالف رایوں کے اظہار سے عثمان بن حنیف کو یہ اندازہ ہوگیا کہ بصرہ میں حضرت طلحہ و زبیر کے مددگار بھی کافی تعداد میں موجود ہیں۔ بہرکیف عثمان بن حنیف اپنے ساتھیوں کو لیکر

بصرہ سے باہر نکلے اور مقام مربد کے بائیں جانب قیام کیا۔ ادھر حضرت عائشہ اپنے لشکر کو لیکر آگے بڑھیں اور مربد کے دائیں جانب فروکش ہوئیں

## مقابلہ اور مصالحت :-

جب دونوں لشکر آمنے سامنے صف آرا ہو گئے تو حضرت عائشہ کے لشکر میں سے افسر میمنہ حضرت طلحہ اور افسر میسرہ حضرت زبیر نکلے اور اپنے ساتھیوں کو خطاب کر کے حضرت عثمان کے فضائل بیان کئے اور اُن کے خون ناحق کا بدلہ لینے کی ترغیب دی۔ پھر حضرت عائشہ نے خود تقریر شروع کی، حضرت عثمان کی بے گناہی، اور مفسدین کے ظلم و ستم کو بیان کیا، اور اُن سے انتقام لینے کو ضروریاتِ دین میں سے قرار دیا۔ عائشہ صدیقہ کی تقریر کچھ ایسی مؤثر تھی کہ فریقِ مخالف کے آدھے نوجوان اُن سے آملے۔ حضرت عائشہ نے یہ سوچ کر کہ شاید پند و نصیحت سے ہی کام چل جائے اپنے آدمیوں کو واپس بلالیا اور لڑائی کو روک دیا۔ لیکن حکیم بن جبلہ جو بصرہ میں عبداللہ بن سبا کا ایجنٹ تھا ایک دستہ فوج لیکر آگے بڑھا اور حضرت عائشہ کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ حضرت عائشہ نے حکم دیا کہ صرف مدافعت کی جائے۔ کچھ دیر تک لڑائی جاری رہی۔ آخر تاریکیِ شب نے تلواروں کی چمک پر پردہ ڈال دیا۔

دوسرے دن صبح کو حکیم بن جبلہ اور عثمان بن حنیف دونوں لڑنے کے لئے

نکلے۔ دوسری طرف سے بھی مدافعت ہوئی۔ دن ڈھلتے عثمان نے اِس شرط پر صلح کر لی کہ "معلوم کیا جائے طلحہ وزبیر نے جبراً بیعت کی ہے، یا رضامندی سے۔ اگر جبراً بیعت ثابت ہوئی تو عثمان بصرہ کو طلحہ وزبیر کے حوالہ کر دیں گے اور اگر رضامندی سے ثابت ہوئی تو یہ دونوں واپس چلے جائیں گے۔"

## حضرت عائشہ کا بصرہ پر قبضہ :-

کعب بن ثور قاضی بصرہ حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے مدینہ منورہ بھیجے گئے۔ انہوں نے مسجد نبوی میں، جمعہ کے دن اہلِ مدینہ سے پوچھا کہ حضرات طلحہ وزبیر نے رضامندی سے بیعت کی ہے یا جبراً۔ اُسامہ بن زید نے جواب دیا خُدا کی قسم جبراً بیعت لی گئی ہے۔ سہل بن حنیف والی مدینہ نے جو عثمان بن حنیف کے بھائی تھے اِس جواب پر اُسامہ کے ساتھ سختی کا برتاؤ کیا۔ حضرت علی کو بھی واقعہ کی اطلاع پہنچی۔ انہوں نے عثمان بن حنیف کو لکھا "اگر زبیر و طلحہ پر جبر بھی کیا گیا ہے تو یہ جبر مسلمانوں کو متحد کرنے کے لئے کیا گیا ہے نہ کہ متفرق کرنے کے لئے۔ اگر ان کا ارادہ بیعت توڑنے کا ہے تو ان کا کوئی عذر نہ سُنا جائے اور اگر اس کے علاوہ کچھ اور مقصد ہے تو گفتگو ہو سکتی ہے"۔

کعب بن ثور بصرہ پہنچے اور کُل کیفیت بیان کی تو حضرت زبیرؓ و طلحہ نے شرطِ صلح

کے مطابق عثمان سے بصرہ چھوڑ دینے کا مطالبہ کیا۔ عثمان بن حنیف کے پاس حضرت علی کا خط آچکا تھا جس میں مقابلہ کرنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ اس لئے انہوں نے شرط پوری کرنے سے انکار کر دیا۔ اب لڑائی کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ حضرت عائشہ اور عثمان بن حنیف کے لشکروں میں سخت جنگ ہوئی۔ عثمان نے ہزیمت کھائی اور گرفتار ہوئے حکیم بن جبلہ اپنے بہت سے ساتھیوں کے ساتھ مارا گیا۔

بصرہ پر قبضہ کرنے کے بعد، حضرت طلحہ و زبیر نے حکم دیا کہ اہلِ بصرہ میں سے جو لوگ حضرت عثمان کے ہنگامۂ قتل میں شریک تھے انہیں گرفتار کر کے لایا جائے۔ چنانچہ مختلف قبیلوں کے بہت سے آدمی گرفتار کر کے لائے گئے اور جب اُن پر جرم ثابت ہو گیا تو انہیں قتل کیا گیا۔ کچھ لوگ جنہیں بھاگنے کا موقعہ ملا بھاگ گئے۔ یہ واقعہ ۲۴ ربیع الآخر ۳۶ھ کا ہے۔

## حضرت علی کا سفر عراق :-

حضرت معاویہ کا خط موصول ہونے کے بعد، حضرت علی اُن سے مقابلہ کی تیاریاں کر رہے تھے کہ انہیں حضرت عائشہ کی روانگی بصرہ کی خبریں ملیں۔ اب آپ نے شام کا قصد ملتوی کر کے عراق کا ارادہ کیا اور اہلِ مدینہ کو شرکت کی دعوت دی۔ اکابر صحابہ میں سے جو لوگ مدینہ منورہ میں موجود تھے اُن کے لئے یہ بات بہت سخت تھی کہ امیر المومنین حضرت علی اور

ام المومنین حضرت عائشہ میں معرکہ آرائی ہو، اور مسلمانوں کی تلواریں آپس ہی میں ٹکرائیں۔ چنانچہ متعدد انصار و مہاجرین بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوئے اور حضرت علی کو اس ارادہ سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ حضرت سعد بن وقاص نے کہا "اے امیر المومنین مجھے تو صرف وہ تلوار چاہیئے جو مسلم اور کافر میں امتیاز کرے، اگر آپ مجھے ایسی تلوار دیتے ہیں تو میں آپ کی رفاقت کے لئے تیار ہوں ورنہ مجھے معذور سمجھئے"۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا "میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں جس بات کو میرا دل نہیں مانتا آپ مجھے اس پر مجبور نہ کیجئے"۔ محمد بن مسلمہ نے کہا "رسول اللہ صلعم نے مجھے حکم دیا ہے کہ جب تک کافروں سے مقابلہ ہو میں اپنی تلوار کو کام میں لاؤں اور جب مقابلہ مسلمانوں سے ہو تو میں اُسے کوہ اُحد کی چٹان پر مار کر ٹکڑے ٹکڑے کردوں چنانچہ کل میں اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر چکا"۔ اُسامہ بن زید نے کہا "اِس کام میں مجھے شرکت سے معاف رکھئے۔ میں خدا سے عہد کر چکا ہوں کہ کسی لا الٰہ الا اللہ کہنے والے سے جنگ نہ کروں گا"۔

اشتر نخعی کو جب ان صحابۂ کرام کی اِس گفتگو کا علم ہُوا تو اس نے حضرت علی سے کہا آپ ان لوگوں کو قید کیوں نہیں کر دیتے؟ حضرت علی نے فرمایا، میں انہیں ان کی رائے کے خلاف مجبور نہیں کرنا چاہتا۔[۱]

---

[۱] الاخبار الطوال ص۱۴۴ و ص۱۴۵۔

بہرحال حضرت علی اس خیال سے کہ عراق میں انہیں کافی مددگار مل سکتے ہیں اور وہاں کے بیت المال بھی مال و زر سے پُر ہیں اپنی رائے پر قائم رہے اور آخر ربیع الاوّل ۳۶ھ میں اپنی جمعیت کو لیکر بصرہ کی طرف روانہ ہو گئے عبداللہ بن سبا اور اس کی جماعت کے افراد بھی حضرت علی کے لشکر میں شامل تھے۔ حضرت علی کی تجویز یہ تھی کہ حضرت زبیر و طلحہ سے پہلے بصرہ میں داخل ہو جائیں لیکن مقام ذی قار میں پہنچکر آپ کو معلوم ہُوا کہ حضرت زبیر و طلحہ بصرہ پر قابض ہو گئے ہیں۔ اب آپنے اِسی مقام پر پڑاؤ ڈالدیا۔

## اہلِ کوفہ سے استمداد:۔

دورانِ سفرِ بصرہ میں حضرت علی نے اہلِ کوفہ کی مدد حاصل کرنے کی کوشش کی۔ کوفہ کے والی حضرت ابو موسیٰ اشعری تھے۔ وہ اِس خانہ جنگی میں شریک ہونا پسند نہیں کرتے تھے۔ حضرت علی نے پہلے محمد بن ابو بکر اور محمد بن جعفر کو کوفہ بھیجا، پھر مالک اشتر اور عبداللہ بن عباس کو روانہ کیا مگر حضرت ابو موسیٰ اور اُن کی وجہ سے اہلِ کوفہ شرکت جنگ کے لئے آمادہ نہ ہوئے۔ آخر میں حضرت علی نے امام حسن اور عمار بن یاسر کو کوفہ روانہ کیا۔ یہ دونوں صاحبان جس وقت کوفہ پہنچے۔ حضرت ابو موسیٰ جامع کوفہ میں ایک عظیم الشان مجمع کے سامنے حسب ذیل تقریر فرما رہے تھے:۔

اے اہلِ کوفہ میری بات مانو، دیکھو یہ وہی فتنہ ہے جس کی رسول اللہ

صلعم نے خبر دی تھی۔ اِس فتنہ میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے اور چلنے والا سوار ہونے والے سے بہتر ہے' اللہ تعالیٰ نے ہمیں بھائی بھائی بنایا ہے اور ہم پر ایک دُوسرے کا خون اور مال حرام کر دیا ہے۔ تم اپنی تلواروں کو نیام میں داخل کر لو' اپنے نیزوں کی انیوں کو نکال پھینکو' اپنی کمانوں کے تانتوں کو توڑ دو' اور اپنے گھروں کے گوشوں میں بیٹھ رہو۔

حضرت ابو موسیٰ کے بعد امام حسن اور عمار بن یاسر منبر پر آئے آپ نے حضرت علی کے استحقاقِ خلافت' حضرت طلحہ و زُبیر کی عہد شکنی اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ضرورت تفصیل کے ساتھ بیان کی۔ حضرت امام حسن کی تقریر سُنکر مجمع میں دو گروہ ہو گئے۔ قعقاع بن عمر نے کہا "اے اہلِ کوفہ ہمارے امیر ابو موسیٰ اشعری نے جو کچھ کہا وہ تو سچ ہے لیکن نظامِ خلافت کا باقی رہنا بھی تو ضروری ہے۔ اگر یہ نظام نہو تو ظالم سے انتقام اور مظلوم کی دستگیری ناممکن ہے۔ امیر المومنین حضرت علی خلیفہ منتخب کیے جا چکے ہیں' وہ تمہیں اصلاح کی طرف دعوت دیتے ہیں' تمہیں اس دعوت کو دل و جان سے قبول کرنا چاہیے۔"

قعقاع کے بعد' سیحان بن صوحان نے بھی جو کوفہ کی با اثر شخصیت تھے اسی مضمون کی تقریر کی۔ اِن تقریروں سے مجمع کا رنگ بدل گیا' اور

اہلِ کوفہ میں سے نو ہزار آدمی حضرت علی کی امداد کے لئے روانہ ہو گئے۔

اہلِ کوفہ مقام ذی قار میں حضرت علی کے لشکر میں آملے۔ حضرت علی نے اُن کی بہت تعریف کی اور فرمایا "میرا مقصد یہ ہے کہ اصلاح کی کوشش کروں، اگر اہلِ بصرہ باز آگئے تو سبحان اللہ اور اگر وہ اپنی ضد پر قائم رہے تو بھی ہم اُن کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں گے اور ہر حالت میں فساد پر صلاح کو ترجیح دیں گے[۱]۔

## مصالحت کی کوشش :۔

حضرت علی نے قعقاع بن عمرو کو بصرہ روانہ کیا تاکہ اگر ممکن ہو تو گفت و شنید کے ذریعہ اختلافات دُور ہو جائیں۔ قعقاع ایک مدبر اور خوش بیان شخص تھے۔ انہوں نے حضرت عائشہ اور حضرت زبیر و طلحہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا "آپ حضرات نے جو تکلیف فرمائی ہے اِس کا مقصد کیا ہے؟" حضرت عائشہ اور اُن کے رفقاء نے فرمایا "ہمارا مقصد اصلاح بین المسلمین اور عمل بالقرآن ہے"۔ قعقاع نے کہا۔ "پھر اِس کے لئے آپ نے کیا صورت تجویز کی ہے؟" ان بزرگوں نے جواب دیا "یہ کہ قاتلینِ عثمان کو قتل کیا جائے، اگر عثمان کا قصاص نہ لیا گیا تو ترکِ قرآن لازم آئے گا"۔ قعقاع نے کہا "قاتلینِ عثمان سے

---

[۱] اتمام الوفاء ص ۲۱۹-۲۲۰ و الاخبار الطوال ص ۱۴۶ و ص ۱۴۷۔

قصاص کا مطالبہ تو صحیح ہے، مگر جب تک امرِ خلافت مستحکم نہ ہو جائے اور ملک میں امن و امان قائم نہ ہو جائے یہ فرض انجام نہیں دیا جا سکتا۔ دیکھئے آپ نے مفسدینِ بصرہ سے قصاص لیا تو حرقوص بن زہیر پر آپ کا قابو نہ چل سکا۔ آپ نے اُسے قتل کرنا چاہا تو چھ ہزار آدمی اُس کی حمایت پر کمربستہ ہو گئے اور مجبوراً آپ کو اُسے چھوڑنا پڑا۔ جب آپ نے مصلحتِ وقت کے پیشِ نظر قاتلینِ عثمان میں سے ایک شخص کو چھوڑ دیا تو حضرت علی ہی پر کیا الزام ہے؟ اِس فتنہ کا سدباب اِسی طرح ہو سکتا ہے کہ آپ صاحبان امیرالمومنین کے زیرِ علم جمع ہو جائیں اور ہمیں اور اپنے آپ کو مصیبت میں نہ ڈالیں، جس کا نتیجہ یہ ہو کہ دونوں پس کر رہ جائیں۔ یہ معاملہ کسی ایک فرد یا ایک قبیلہ کا نہیں ہے بلکہ ساری اُمت کی صلاح و فساد کا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ مقابلہ و مقاتلہ پر امن و عافیت کو ترجیح دیں گے۔"

قعقاع کی اس تقریر کا حضرت عائشہ اور ان کے دونوں رفقاء پر بڑا اثر ہوا اُنہوں نے کہا "آپ کی تجویز تو نہایت معقول ہے، مگر کیا حضرت علی کی بھی یہی رائے ہے؟ اگر اُن کی بھی یہی رائے ہے اور وہ قاتلینِ عثمان سے قصاص لینے کے لئے تیار ہیں، تو یہ معاملہ بڑی آسانی سے طے ہو سکتا ہے۔"

قعقاع حضرت علی کے پاس لوٹ کر گئے اور اُنہیں کل گفتگو سنائی۔ حضرت علی بہت خوش ہوئے، قعقاع کے ساتھ اہلِ بصرہ میں سے کچھ آدمی حضرت علی کے لشکر میں آئے تاکہ وہ حضرت علی اور اہلِ کوفہ کے

خیالات معلوم کریں کہ وہ درحقیقت مصالحت کے لئے آمادہ ہیں یا نہیں؟ انہوں نے یہ خبریں سُنی تھیں کہ حضرت علی بصرہ کو فتح کرنے کے بعد وہاں کے جوانوں کو قتل کردیں گے اور عورتوں اور بچوں کو غلام باندی بنالیں گے۔ اِس قسم کی خبریں سبائی گروہ کے لوگوں نے اُڑائی تھیں۔ اہلِ بصرہ کو خود حضرت علی نے اپنے پاس بُلاکر ان خبروں کی تردید کی اور انھیں ہر طرح اطمینان دلایا۔ اہلِ کوفہ کو بھی انہوں نے صلح و آشتی پر مائل پایا۔ اِس طرح اُمید کی جانے لگی کہ فتنہ وفساد کا غُبار دب جائے گا اور مہر محبت و اُلفت کی کرنیں عالمِ اِسلام کو پھر جگمگادیں گی۔

## فرقہ سبائیہ کی سازش:۔

حضرت علی نے تکمیلِ مصالحت کے لئے بصرہ کی طرف روانگی کا قصد فرمایا روانگی سے پہلے آپ نے ایک مصالحانہ تقریر فرمائی۔ اُس تقریر میں آپ نے جاہلیت کی شقاوت اور اسلام کی سعادت کا ذکر کیا پھر خصوصیت کے ساتھ مُسلمانوں کو خدا کی اُس نعمت کا ذکر کیا جو اتحاد و یگانگت اور محبت و اُلفت کی صورت میں اُن کو عطا ہوئی۔ اس کے بعد موجودہ فتنہ پر دلی افسوس کا اظہار کیا اور فرمایا کہ یہ فتنہ اُن معاندینِ اسلام کی سازش کا نتیجہ ہے جو مُسلمانوں کی عظمت و شوکت کو دیکھ کر جلتے تھے اور چاہتے تھے کہ مُسلمان پھر ذلّت و نکبت کا شکار ہوجائیں۔ اِس کے بعد آپ نے فرمایا کہ کل ہم بصرہ کی طرف کوچ کریں گے۔

لیکن ہمارا یہ سفر جنگ و پیکار کی غرض سے نہ ہوگا بلکہ اتحاد و اتفاق کے مقصد سے۔
لہٰذا وہ لوگ جو قتلِ عثمان میں کسی قسم کا حصّہ لے چکے ہیں ہمارے ساتھ نہ چلیں۔

حضرت علی کی یہ تقریر سننے کے بعد فرقۂ سبائیہ کے پیروں تلے کی زمین نکل گئی۔ عبداللہ بن سبا اور اس کے مشیروں نے ایک خفیہ جلسہ منعقد کیا اور اس میں صورتِ حالات پر بحث ہوئی۔ ان لوگوں نے کہا اب تک تو طلحہ و زبیر ہی قصاصِ عثمان کے خواہاں تھے اب حضرت علی بھی اُن کے ہم خیال معلوم ہوتے ہیں۔ اگر اُن کی آپس میں صلح ہوگئی تو اُن کے صلحنامہ پر ہمارے خون سے مُہر لگے گی۔ ہمارا کیا دھرا سب بیکار جائیگا، اور ہماری سازش کی عمارت دھم سے زمین پر آرہے گی۔ لہٰذا جس طرح ممکن ہو اس صلح کو کامیاب نہ ہونے دیا جائے۔

عبداللہ بن سبا نے کہا بہتر صورت یہ ہے کہ ہم لوگ حضرت علی کے لشکر کے ساتھ لگے رہیں۔ اگر حضرت علی معترض ہوں تو کہہ دیں کہ ہم اس لئے آپ کے ساتھ ہیں کہ اگر مصالحت کی کوشش کامیاب نہ ہو تو فوراً آپ کی مدد کو پہنچ جائیں حضرت علی کے لشکر کے قریب رہ کر ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ کسی طرح مصالحت نہ ہو اور جنگ چھڑ جائے۔

## مصالحت کی ناکامی:۔

دوسرے روز صبح کو حضرت علی اپنے لشکر کے ساتھ بصرہ کی طرف روانہ

ہوئے۔ حضرت طلحہ و زبیر بھی اپنے لشکر کو لیکر بصرہ سے نکلے۔ تین روز تک دونوں لشکر آمنے سامنے ٹھہرے رہے، اور مصالحت کی گفتگو جاری رہی۔
حضرت علی نے حضرت طلحہ و زبیر کو پیغام بھیجا کہ قعقاع کی زبانی جو گفتگو ہوئی ہے اگر آپ اُس پر قایم ہیں تو معاملات طے ہو جانے چاہئیں۔ حضرت طلحہ و زبیر نے جواب دیا، بیشک ہم اُس گفتگو پر قائم ہیں۔ اِس کے بعد ادھر سے یہ دونوں صاحبان اپنے اپنے گھوڑوں پر بیٹھ کر نکلے اور ادھر سے حضرت علی اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آئے، اور ایک دُوسرے سے اِس قدر قریب ہو گئے کہ فریقین کے گھوڑوں کی گردنیں آپس میں مِل گئیں۔
حضرت علی نے فرمایا: "آپ صاحبان نے جو میرے مقابلہ کی تیاری کی ہے تو کیا وہ کسی حجت شرعی کی بنا پر ہے؟ اگر آپ کے پاس کوئی حجت ہے، تو بیان کیجئے ورنہ مُسلمانوں کے شیرازہ کو نہ بکھیریے اور خدا سے ڈریے۔ کیا میں آپ کا دینی بھائی نہیں ہوں؟ کیا میرا خون آپ پر اور آپ کا خون مجھ پر حرام نہیں ہے؟"
حضرت طلحہ نے فرمایا "آپ نے حضرت عثمان کے خلاف شورش میں حصّہ لیا۔"
حضرت علی نے فرمایا "میں قاتلینِ عثمان پر لعنت بھیجتا ہوں"۔ پھر فرمایا "اے طلحہ کیا تم میرے ہاتھ پر بیعت نہیں کر چکے ہو؟" حضرتِ طلحہ نے جواب دیا "بیشک مگر اس حالت میں کہ تلوار میری گردن پر رکھی ہوئی تھی"۔ اب حضرت علی حضرت زبیر کی طرف متوجہ ہوئے، اور فرمایا "تمہیں یاد ہے کہ ایک روز

ہم دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے رسول اللہ صلعم کے سامنے سے گزرے، اور رسول اللہ صلعم نے تم سے پوچھا اے زبیر کیا تم کو علی سے محبت ہے؟ تم نے جواب دیا ہاں یا رسول اللہ۔ اس پر رسول اللہ صلعم نے فرمایا" لیکن تم ایک دن علی سے ناحق جنگ کرو گے"۔ حضرت زبیر نے فرمایا" بیشک مجھے حضور کا یہ ارشاد یاد آگیا"

پھر حضرت زبیر نے دیکھا کہ حضرت عمار بن یاسر بھی حضرت علی کی فوج میں شامل ہیں۔ تو انہیں رسول اکرم صلعم کا یہ فرمان بھی یاد آگیا کہ "عمار کو بھی باغی جماعت قتل کریگی" اب حضرت زبیر کو یقین ہو گیا کہ اس معاملہ میں ان سے اجتہادی غلطی ہوئی ہے، اور وہ اس عزم کے ساتھ لوٹ آئے کہ اس نزاع سے دستکش ہو جائیں گے۔

اب مصالحت کی تکمیل میں کوئی شک نہ رہا تھا۔ فریقین کے صلح پسند لوگوں کے دل مطمئن تھے کہ مسلمانوں کی تلواریں آپس میں ٹکرانے سے رک گئیں۔ مگر فرقہ سبائیہ کے فتنہ جو دماغ سازش کا جال کس رہے تھے۔ رات کو دونوں لشکر امن و اطمینان کی نیند سوئے مگر ابھی تاریکیِ شب کا پردہ چاک نہ ہوا تھا، کہ فرقہ سبائیہ نے حضرت عائشہ کی فوج پر حملہ کر دیا اور دونوں طرف سے جنگ شروع ہو گئی۔ حضرت زبیر و طلحہ نے اپنے خیموں سے نکل کر پوچھا" یہ شور و غل کیسا ہے؟ ان کے آدمیوں نے جواب دیا کہ "حضرت علی کے لشکریوں نے ہم پر شب خون مارا ہے"۔ حضرت زبیر و طلحہ نے کہا" افسوس

علی مسلمانوں کا خون بہانے سے باز نہ آئے، ہمیں پہلے ہی اُن کی طرف سے کھٹکا تھا"۔ اِدھر حضرت علی نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ "یہ ہنگامہ کیوں ہے" تو سبائیوں نے جواب دیا "طلحہ و زبیر کے ساتھیوں نے ہم پر حملہ کر دیا ہے" حضرت علی نے فرمایا "افسوس طلحہ و زبیر مسلمانوں کا خون بہانے سے باز نہ آئے، مجھے پہلے ہی ان سے مصالحت کی توقع نہ تھی"۔

## جنگ جمل :-

اب دونوں طرف سے شدید جنگ شروع ہو گئی۔ مسلمانوں کی تلواریں اپنے بھائیوں کے گلے میں پیوست ہونے لگیں۔ کعب بن ثور قاضی بصرہ ام المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اگر آپ تکلیف فرمائیں تو شاید یہ خانہ جنگی رک جائے۔ حضرت عائشہ اونٹ پر سوار ہو کر خود میدانِ جنگ میں تشریف لے گئیں۔ احتیاط کی غرض سے آپ کے ہودج کو زرہوں سے ڈھک دیا گیا تھا۔ اہلِ بصرہ نے ام المومنین کا ہودج دیکھا تو وہ یہ سمجھ کر کہ ام المومنین خود لڑائی میں حصہ لینے تشریف لائی ہیں اور جوش و خروش سے لڑنے لگے۔ حضرت عائشہ نے کعب بن ثور سے کہا آپ مسلمانوں کو سمجھائیے کہ وہ لڑائی سے باز آئیں اور کتاب اللہ کے فیصلہ کو قبول کریں۔ کعب بن ثور یہ پیغام سنانے آگے بڑھے تو ایک سبائی نے تاک کر تیر مارا اور وہ جاں بحق ہوئے۔ اِس کے ساتھ ہی سبائیوں نے حضرت عائشہ کے ہودج کو نشانہ بنا کر

تیر اندازی شروع کر دی۔ اہلِ بصرہ نے جب حرم رسول اللہ کی حرمت کو خطرہ میں دیکھا تو ہودج کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ بنی ضبہ، ازد اور بکر بن وائل بڑھ بڑھ کر اپنی جانیں نثار کرنے لگے۔ جو شخص اونٹ کی مہار تھامے ہوئے تھا وہ زخمی ہو کر گرا، تو دوسرے نے پکڑ لی۔ [redacted] شہید ہوا تو تیسرے نے پیشدستی کی۔ اِس طرح ستر جانبازوں نے شمع بیت رسول پر پروانہ وار اپنی جانیں قربان کیں۔

حضرت علی نے سوچا کہ جبتک ام المومنین حضرت عائشہ کا اونٹ کھڑا رہیگا لڑائی ختم نہ ہوگی۔ آپ کے اشارہ سے ایک شخص نے پیچھے سے آکر اونٹ کی پنڈلی پر تلوار ماری۔ اونٹ زخم کھا کر سینہ کے بل گر گیا۔ اونٹ کے گرتے ہی اہلِ جمل منتشر ہو گئے۔ حضرت علی نے حکم دیا کہ کسی بھاگتے ہوئے کا پیچھا نہ کیا جائے کسی زخمی کو قتل نہ کیا جائے اور مال غنیمت کو نہ لوٹا جائے۔ پھر محمد بن ابی بکر کو حکم دیا کہ اپنی بہن کو احتیاط اور حفاظت کے ساتھ اُتار لو اور دیکھو کہ انہیں کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی۔

محمد بن ابی بکر، قعقاع بن عمرو اور زفر بن حارث کے ساتھ حضرت عائشہ کے اونٹ کی طرف گئے اور ہودج کو جو تیروں سے بندھا ہوا تھا تسمے کاٹ کر اونٹ کی پشت سے علیحدہ کیا۔ پھر حضرت عائشہ کو پردے تان کر احتیاط اور آرام کے ساتھ اُتارا۔ معلوم ہوا کہ خدا کے فضل سے وہ محفوظ رہیں صرف اُن کی کلائی پر

تیر کی خراش آئی۔

اِس کے بعد حضرت علی خود حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا "اماں جان کیسے مزاج ہیں؟" حضرت عائشہ نے فرمایا "بخیر ہوں خُدا تمہاری غلطی کو معاف کرے"۔ حضرت علی نے فرمایا "خُدا آپ کی بھی غلطی کو معاف فرمائے"۔

اِس لڑائی میں دونوں طرف سے تقریباً دس ہزار مُسلمان کام آئے۔ ان میں حضرت طلحہ، اُن کے صاحبزادے محمد بن طلحہ اور عبدالرحمٰن بن عتاب بھی شامل ہیں۔

حضرت علی سے گفتگو کے بعد حضرت زبیر نے لڑائی سے کنارہ کشی کا فیصلہ کر لیا تھا۔ چنانچہ وہ آغازِ جنگ ہی میں میدانِ جنگ سے نکل آئے اور بصرہ سے اپنا سامان لیکر حجاز کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ مگر ابھی آپ وادی سباع ہی میں پہنچے تھے کہ ایک شخص عمرو بن جرموز نے آپ کو نماز پڑھتے ہوئے شہید کر دیا۔ عمرو بن جرموز حضرت زبیر کے ہتھیار لیکر خوشی خوشی حضرت علی کے پاس آیا۔ حضرت علی نے حضرت زبیر کی تلوار کو پہچان کر فرمایا "اِس تلوار کے مالک نے بارہا رسول اللہ صلعم کی مصیبتوں کو دُور کیا ہے، میں زبیر کے قاتل کو جہنم کی بشارت دیتا ہوں"۔ ابن جرموز نے چیں بجبیں ہو کر کہا "ہم تو تمہارے دُشمنوں کو قتل کرتے ہیں اور تم ہمیں جہنم کی بشارت دیتے ہو"۔

لڑائی کے خاتمہ کے بعد، حضرت علی نے میدان جنگ میں ایک چکر لگایا۔ اکابر صحابہ کو اس بے معنی خانہ جنگی کا شکار ہو کر خاک و خون میں لوٹتے ہوئے دیکھ کر آپ بےحد متاثر ہوئے۔ آپ نے کعب بن ثور قاضیِ بصرہ کی لاش کو دیکھا تو اپنے ساتھیوں سے کہا "تم نے تو کہا تھا کہ مخالف صفوں میں صرف ناسمجھ لوگ ہیں"! پھر حضرت طلحہ کا جسد بے جان نظر آیا تو فرمایا "افسوس اے ابو محمد انا للہ و انا الیہ راجعون۔ واللہ مجھے یہ بات سخت ناگوار تھی کہ قریش کو پچھڑا ہوا دیکھوں"۔ پھر ان کی بہت تعریف کی۔

حضرت علی نے فریقین کے شہداء کی نماز جنازہ پڑھی اور انھیں دفن کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے اعلان کرا دیا کہ میدانِ جنگ میں جس کسی کا سامان یا ہتھیار رہ گئے ہوں وہ مسجد بصرہ میں آکر لے جائے۔

اب حضرت علی بصرہ میں داخل ہوئے۔ جامع مسجد میں خطبہ دیا اور اہلِ بصرہ سے بیعت لی۔ حضرت عبداللہ بن عباس کو وہاں کا والی اور زیاد بن ابی سفیان کو عامل خراج مقرر کیا۔ بصرہ میں ام المومنین حضرت عائشہ صفیہ بنت الحارث کے مکان میں مقیم ہوئیں۔ جب تکان دور ہو گئی تو حضرت علی نے ان کے بھائی محمد بن ابی بکر کے ساتھ انہیں مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔ راستہ کے آرام کے خیال سے بصرہ کی چالیس شریف عورتیں ان کے ساتھ کر دیں۔ رخصت کے وقت بہت سے آدمی حضرت عائشہ کے اونٹ کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ حضرت عائشہ

نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا۔

"میرے بچو! آپس میں ایک دوسرے کو برا نہ کہنا۔ واللہ میرے اور علی کے درمیان خاندانی شکر رنجیوں کے علاوہ کوئی دشمنی نہ تھی، میں ہر حالت میں انہیں بھلا آدمی سمجھتی ہوں"۔

حضرت علی نے فرمایا۔

"ام المومنین نے صحیح فرمایا۔ میرے اور ان کے اختلافات کی یہی نوعیت ہے۔ اِن کا درجہ بہت بڑا ہے، یہ دنیا اور آخرت میں رسول اللہ صلعم کی محترم بیوی ہیں"۔

حضرت علی کئی میل تک مشایعت کے طور حضرت عائشہ کے ساتھ گئے اور ایک منزل تک اپنے صاحبزادوں کو بھیجا۔ یہ واقعہ یکم رجب سنہ ۳۶ھ کا ہے۔

---

ف الاخبار الطوال ص۱۴۵ تا ص۱۵۰ و اتمام الوفاء ص۲۲۰ تا ص۲۳۶۔

# آویزشِ "صفین"

## فریقین کی جنگی تیاریاں :۔

بصرہ میں چند روز قیام کرنے کے بعد، حضرت علی کوفہ تشریف لائے۔ یہاں آپ کا پُرجوش استقبال ہُوا۔ چونکہ کوفہ میں آپکے حامیوں کی کثرت تھی اس لئے آپنے مدینہ منورہ کی بجائے اس ہی کو دارالخلافہ تجویز کیا۔

کوفہ میں قیام پذیر ہو کر آپنے حضرت معاویہ کے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ تاہم اتمامِ حجت کے لئے جریر بن عبداللہ بجلی کو قاصد بنا کر حضرت معاویہ کے پاس دمشق بھیجا اور اُنھیں بیعت کی دعوت دی۔ حضرت معاویہ نے اس دعوت کو قبول کرنے سے اِنکار کر دیا اور کہا کہ "پہلے قاتلینِ عثمان رضؓ قتل کئے جائیں گے پھر سب مُسلمان جمع ہو کر اپنی مرضی سے اپنا خلیفہ منتخب کریں گے۔"

اَب حضرت علی اپنی فوج کو لیکر کوفہ سے نکلے اور مقام نخیلہ میں قیام کیا یہیں عبداللہ بن عباس بھی بصرہ سے اپنا لشکر لیکر اُن سے آملے۔ نخیلہ میں حضرت علی نے اپنے لشکر کو مرتب کیا اور ضروری انتظامات سے فارغ ہو کر ملک شام کی طرف کوچ کیا۔ آپ نخیلہ سے روانہ ہو کر جزیرہ کے راستہ رقہ پہنچے پھر دریائے فرات کو عبور کر کے میدانِ صفین میں پڑاوُ ڈالدیا۔

حضرت معاویہ بھی آنے والے خطرہ سے غافل نہ تھے۔ ملک شام کی فوج بڑی منظم و مرتب اور فنونِ جنگ میں ماہر تھی۔ دنیا کی عظیم الشان طاقت "رومی سلطنت" سے وہ برابر کامیاب ٹکر لیتی رہتی تھی۔ حضرت معاویہ مسلسل بیس سال سے اس فوج کے حاکم اعلیٰ اور شام کے والی تھے۔ آپنے اپنے سیاسی تدبر اور حُسنِ اخلاق سے اہلِ شام کو اِس درجہ گرویدہ کر لیا تھا کہ وہ آپ کے اشارہ پر جانیں قربان کرنے کے لئے تیار تھے۔ شہادتِ عثمان غنی کے بعد مختلف ممالک اسلامیہ سے بڑے بڑے اموی سردار آکر انہی کے پاس جمع ہو گئے تھے، اِس طرح اُن کی طاقت میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔ حضرت علی کے جنگ جمل میں گھر جانے کی وجہ سے اِنہیں جو مہلت ملی اُس سے بھی انہوں نے پورا فائدہ اُٹھایا۔ جامع دمشق میں ہر موقعہ بموقعہ حضرت عثمان کی خون آلودہ قمیص اور حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی اُنگلیوں کی نمائش سے قاتلینِ عثمان کے خلاف جذبۂ نفرت کو ترقی دینے کی کوشش کی جاتی تھی۔ چنانچہ شامیوں نے قسم کھائی تھی کہ جب تک وہ خونِ عثمان کا قصاص نہ لے لیں گے نہ بستر پر سوئیں گے اور نہ ٹھنڈا پانی پئیں گے۔

حضرت عمرو بن عاص فاتح مصر جو اپنے سیاسی تدبر اور جنگی مہمات میں مشہور تھے اُنہیں بھی حضرت معاویہ اپنا حامی بنانے میں کامیاب ہو چکے تھے۔

جب حضرت معاویہ کو حضرت علی کی روانگی کی اطلاع پہنچی تو وہ بھی اپنا

لشکر لیکر میدان میں آ پہنچے۔ اِس طرح عراقی اور شامی مسلمانوں کی طاقتیں میدانِ صفین میں آمنے سامنے صف آرا ہو گئیں۔

## کوشش صلح:۔

دو روز تک دونوں طرف خاموشی رہی تیسرے دن نامہ و پیغام کا سلسلہ جاری ہوا۔ پہلا وفد حضرت علی کی طرف سے حضرت معاویہ کے پاس بھیجا گیا۔ اس وفد میں بشیر بن عمرو انصاری، سعید بن قیس ہمدانی اور شیث بن ربعی تمیمی شامل تھے۔ بشیر بن عمرو نے گفتگو شروع کی اور کہا:۔

"اے معاویہ، دنیا ناپائدار ہے تمہیں خدا کے سامنے جانا اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔ میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اُمت میں تفریق پیدا نہ کرو اور مسلمانوں کا خون خانہ جنگی میں نہ بہاؤ۔"

حضرت معاویہ نے کہا۔ "آپ نے یہ وعظ اپنے دوست حضرت علی کو کیوں نہ سنایا"

بشیر نے جواب دیا:۔ "اُن کی حیثیت آپ سے مختلف ہے، حضرت علیؓ اپنی ذاتی فضیلت، دینی عظمت، اسلام میں سبقت اور رسول اکرم صلعم کی قرابت کے لحاظ سے منصب خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ تمہیں چاہیئے کہ اُن کی بیعت کر لو اور دنیا و آخرت میں سرخرو ہو۔"

حضرت معاویہ نے کہا "خونِ عثمان کا مطالبہ ہم چھوڑ دیں، خدا کی قسم یہ ہم سے ہرگز نہ ہو گا۔" اب سعید نے گفتگو کرنی چاہی لیکن شیث نے بات

کاٹ کر کہا:-

"اے معاویہ! ہم تمہارا مطلب خوب سمجھتے ہیں، تم نے خود حضرت عثمان کی مدد سے گریز کر کے انہیں قتل کرایا ہے تاکہ تم خونِ عثمان کے مطالبہ کے بہانے منصبِ خلافت کے دعویدار بنو۔ یاد رکھو تمہارا یہ طرزِ عمل تمہارے لئے کسی حالت میں مفید نہیں ہو سکتا، اگر تم اپنے مقصد میں ناکام رہے تب تو ظاہر ہے کہ تم سے زیادہ بدبخت کوئی نہیں ہو سکتا لیکن اگر کامیاب ہو گئے تب بھی جہنم کی آگ کی لپٹ سے نہیں بچ سکتے۔"

شیث کی یہ سخت گفتگو حضرت معاویہ کو بہت ناگوار گزری۔ آپ نے فرمایا "اے سخت مزاج گنوار تو نے سراسر جھوٹ بولا ہے' جا ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار ہی فیصلہ کرے گی"۔ یہ وفد ناکام لوٹ کر آیا اور پہلے سے زیادہ آپس میں تلخی پیدا ہو گئی۔

## آغاز جنگ:-

اب لڑائی کے سوا چارہ نہ تھا۔ کیونکہ حضرت علی سب سے پہلے بیعت کا مطالبہ کرتے تھے اور قاتلینِ عثمان سے انتقام کے معاملہ کو ثانوی حیثیت دیتے تھے۔ اور حضرت معاویہ سب سے پہلے خونِ عثمان کا قصاص چاہتے تھے اور اُن کے ولی ہونے کی حیثیت سے اس مطالبہ کو اپنا حق سمجھتے تھے۔ تاہم چونکہ دونوں طرف مسلمان تھے اور جانتے تھے کہ آپس کی خانہ جنگی سے

اسلام کی قوت کو سخت نقصان پہنچے گا، اس لئے دلوں میں لڑائی کا جوش و خروش نہ تھا۔ لڑائی شروع ہوئی مگر اُس کی صورت یہ تھی کہ فریقین میں سے ایک ایک بہادر میدان میں نکلتا اور دادِ شجاعت دیتا اور باقی لوگ تماشہ دیکھتے۔ بعد میں جب لڑائی نے سختی اختیار کی تو ایک ایک افسر اپنے اپنے دستہ کو لیکر نکلنے لگا۔ غرض اسی طرح ذی الحجہ کا پورا مہینہ ختم ہو گیا اور محرم ۳۷ھ کا ہلال افق پر چمکا۔

## عارضی صلح:-

محرّم کا چاند دیکھ کر، حضرت علی اور حضرت معاویہ نے ایک مہینہ کے لئے عارضی صلح کر لی اور لڑائی بالکل بند ہو گئی۔

اس عارضی صلح کے دوران میں پھر مستقل صلح کے لئے کوشش شروع ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ طویل مدّت اس مقصد کی انجام دہی کے لئے مناسب ترین تھی۔ خصوصاً جب دونوں طرف اس کی خواہش بھی موجود تھی۔ لیکن فرقۂ سبائیہ، بساطِ سیاست پر اپنی شاطرانہ چالیں چلنے میں اب بھی مصروف تھا۔ شبث بن ربعی جس نے پہلی گفتگوئے مصالحت کو ناکام بنایا تھا اس گروہ کا ایک ممتاز فرد تھا۔ اس لئے آئندہ بھی اس قسم کی کوششوں کو پنپنے نہ دیا۔

عارضی صلح کے دوران میں، حضرت علی کی طرف سے جو وفد مصالحت کی

گفتگو کرنے کے لئے روانہ ہوا، اس میں یزید بن قیس، زیاد بن حفصہ، عدی بن حاتم طائی کے علاوہ شیث بن ربعی بھی شامل تھا۔ امیر وفد کی حیثیت سے عدی بن حاتم نے گفتگو شروع کی اور کہا:۔

"اے معاویہ، ہم تمہارے پاس اتفاق و اتحاد کی دعوت لیکر آئے ہیں، اگر تم نے اُسے قبول کر لیا تو مسلمانوں کے آپس کے جھگڑے مٹ جائیں گے اور ان میں خون خرابہ نہ ہوگا۔ دیکھو حضرت علی تمہارے بھائی، اُمت میں سب سے افضل ہیں، تم اور تمہاری جماعت کے سوا سب نے اُن کو خلیفہ تسلیم کر لیا ہے، تم بھی اُن کے ہاتھ پر بیعت کر کے اِس قضیہ کو ختم کرو۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ تمہیں بھی "اہلِ جمل" کی طرح مصائب کا سامنا کرنا پڑے۔"

حضرت معاویہ نے کہا:۔

"اے عدی افسوس! تم مجھے دھمکانے آئے ہو یا صلح کرانے۔ خُدا کی قسم میں "ابن حرب" ہوں میں جنگ سے نہیں ڈرتا۔ مجھے معلوم ہے کہ تم بھی حضرت عثمان کے قتل میں شریک ہو، تم سے بھی اُن کا قصاص لیا جائے گا۔"

یزید بن قیس اور زیاد بن حفصہ نے معاملہ کو بگڑتے دیکھا تو کہا:۔

"اے معاویہ! اِن باتوں کو چھوڑیے جن سے کچھ نفع نہیں اور وہ بات کیجئے جس سے آپس کا جھگڑا مٹے اور مصالحت کی صورت پیدا ہو۔"

حضرت معاویہ نے کہا:۔

"مصالحت کی صورت یہ ہے کہ علی قاتلینِ عثمانؓ کو جو اُن کے لشکر میں شریک ہیں اور اُن کے یار مددگار بنے ہوئے ہیں ہمارے حوالہ کردیں، ہم پہلے انھیں قتل کرینگے پھر علی کی اطاعت کرلیں گے۔"

اب شیث بن ربعی آگے بڑھا اور اُس نے کہا:۔

"اے معاویہ! کیا تم عمارؓ بن یاسر جیسی باعظمت شخصیت کو بھی قتل کرنا چاہتے ہو؟"

حضرت معاویہ نے کہا:۔

"کیوں عمارؓ بن یاسر میں کیا خاص بات ہے؟ میں تو اُنہیں حضرت عثمانؓ کے غلام کے قصاص میں قتل کردوں۔"

شیث نے کہا "خدا کی قسم یہ نہیں ہوسکتا جب تک کہ گردنیں شانوں سے جُدا نہ ہوجائیں، اور زمین کی پشت اور آسمان کا سینہ تمہارے لئے تنگ نہ ہوجائے۔"

حضرت معاویہ نے کہا "اگر ایسا ہونا ہی ہے تو یہ تمہارے لئے پہلے ہوگا۔"

غرض شیث بن ربعی کی مداخلت سے یہ سفارت بھی پہلی سفارت کی طرح ناکام واپس گئی۔

## آخری کوشش صلح:۔

پھر حضرت معاویہ نے ایک وفد اپنی طرف سے حضرت علی کے پاس بھیجا۔ اس وفد میں حبیب بن مسلمہ فہری، شرحبیل بن سمط، معن بن یزید اور اخنس بن

شریق شامل تھے۔ حبیب بن مسلمہ فہری نے امیر وفد کی حیثیت سے کہا:۔

"حضرت عثمان خلیفہ برحق تھے، کتاب و سنت کے عامل تھے اور احکام الٰہی کے پابند، تم نے اُن کی زندگی کو پسند نہ کیا اور اُن کو ظلم کے ساتھ شہید کر دیا اگر تم یہ کہتے ہو کہ تم اُن کے قتل سے بری ہو تو اُن کے قاتلین کو ہمارے حوالہ کر دو ہم اُن سے خونِ عثمان کا قصاص لے لینگے، پھر مسلمان جمع ہو کر اتفاق رائے سے جسے چاہیں گے اپنا خلیفہ منتخب کر لیں گے"۔

حضرت علی نے بگڑ کر فرمایا:۔

"خوب! تم اور مجھے معزول کرو، چھوٹا منہ بڑی بات! خاموش رہو تم اس معاملہ میں بولنے کے اہل نہیں ہو"

حبیب نے کہا۔ "تم مجھے اس حالت میں دیکھو گے جو تمہیں پسند نہیں"۔

حضرت علی نے فرمایا۔ "تم میرا بگاڑ ہی کیا سکتے ہو، جاؤ اپنے دل کی حسرت نکال لو!"

شرحبیل بن سمط نے کہا۔ "اگر میں کچھ کہوں گا تو وہی کہوں گا جو میرے ساتھی نے کہا۔ جو جواب آپ دے چکے ہیں، کیا اس کے سوا آپ کے پاس کوئی اور جواب ہے؟"

حضرت علی نے فرمایا:۔ "ہاں" پھر ایک تقریر شروع کی۔ آپ نے پہلے رسول اکرم صلعم کی بعثت اور اُمت کی ہدایت کا ذکر کیا، پھر خلافتِ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما

کا ذکر کیا اور فرمایا کہ ان حضرات نے اپنے عہدِ خلافت کو بہتر طریقہ پر گزارا اور عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کی، اس لئے اگرچہ ہمیں ان سے خلافت کے معاملہ میں اہلِ بیت ہونے کی حیثیت سے اپنی حق تلفی کی شکایت تھی تاہم ہم نے اُن کو معاف کیا، پھر حضرت عثمان کی خلافت کا ذکر کیا اور فرمایا کہ انہوں نے اپنی زندگی میں کچھ ایسے کام کئے جس سے لوگ ناراض ہو گئے اور انہوں نے انہیں شہید کر دیا۔ اس کے بعد لوگ میرے پاس آئے۔ میں اُن کے معاملات سے بالکل الگ تھلگ تھا۔ انہوں نے مجھے مجبور کیا کہ میں منصبِ خلافت کو قبول کروں۔ میں نے اوّل انکار کیا لیکن جب کہا گیا کہ اُمت کا شیرازہ اسی طرح بکھر سکتا ہے، اور مسلمان میرے سوا کسی کی خلافت پر متفق نہیں ہو سکتے، تو میں نے اُن کی درخواست کو قبول کر لیا۔ پہلے طلحہ و زبیر نے بیعت کرنے کے بعد میری مخالفت کی اور اب معاویہ علمِ اختلاف بلند کر رہے ہیں۔ حالانکہ نہ وہ سابقینِ اولین میں سے ہیں اور نہ انہوں نے اپنی زندگی میں اسلام کی کوئی مخلصانہ خدمت انجام دی ہے۔ وہ، اُن کے باپ اور ان کا خاندان ہمیشہ اللہ اور اُس کے رسول اور مسلمانوں کا دشمن رہا۔ وہ مجبور ہو کر دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ تعجب ہے کہ تم اُن کا ساتھ دیتے ہو اور اہلِ بیت نبیؐ کی مخالفت کرتے ہو۔ میں تمہیں کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلعم کی طرف

دعوت دیتا ہوں اور باطل کو مٹانے اور حق کو زندہ کرنے کی ہدایت کرتا ہوں۔"
شرجبیل بن سمط نے کہا:۔ "یہ تو فرما دیجئے کہ عثمان مظلوم قتل کئے گئے؟"
حضرت علی نے کہا:۔ "نہ میں یہ کہتا ہوں کہ وہ مظلوم ہونے کی حیثیت میں قتل کئے گئے اور نہ یہ کہ ظالم ہونے کی حیثیت میں"۔
حضرت علی کا یہ جواب سُنکر اہلِ وفد اُٹھ کھڑے ہوئے اور یہ کہکر رخصت ہو گئے کہ "جو شخص حضرت عثمان کی مظلومانہ شہادت کو تسلیم نہیں کرتا ہمارا اُس سے کچھ واسطہ نہیں"۔

اس طرح مصالحت کی یہ آخری کوشش بھی رائگاں گئی۔[۵۱]

## فیصلہ کُن جنگ:۔

ماہِ محرم کی آخری تاریخ کو عارضی صلح کی مدت پوری ہوتی تھی۔ ماہ صفر کا چاند دیکھتے ہی حضرت علی نے اپنے منادی کے ذریعہ اعلان کرا دیا کہ ہم نے اہلِ شام کو کافی مہلت دی کہ وہ سرکشی سے باز آجائیں اور حق کی طرف رجوع کریں لیکن انہوں نے اس سے انکار کیا، لہذا کل سے ان کا باقاعدہ مقابلہ کیا جائے گا۔ پھر آپ نے اپنے اہلِ لشکر کو ہدایت کی کہ "بھاگتے ہوئے کو قتل نہ کیا جائے، زخمی کو ہلاک نہ کیا جائے، کسی کے مال کو نہ لوٹا جائے اور عورتوں کی بے حرمتی نہ کی جائے"۔

---

۵۱ محاضرات خضری جلد ۲ صفحہ ۹۶ و صفحہ ۹۷۔

اِس کے بعد آپ نے جنگی اُصول کے مطابق اپنے لشکر کو مرتب کیا اور مختلف حصّوں میں اسے تقسیم کر کے ہر حصّہ کے الگ الگ سردار مقرر کیئے۔

حضرت معاویہ نے بھی اپنے لشکر کے انتظامات درست کیئے اور وہ بھی لڑائی کے لئے تیار ہو گئے۔

یکم صفر کو منگل کے دن لڑائی شروع ہوئی۔ ایک ہفتہ تک لڑائی کی یہ صورت یہ رہی کہ دونوں طرف سے ایک ایک سردار اپنے اپنے حصّہ فوج کو لیکر میدان میں نکلتا۔ سارے دن دادِ شجاعت دیتا اور شام کو واپس آجاتا اِن مقابلوں میں کبھی ایک فریق غالب آتا اور کبھی دُوسرا۔ اِس طرح لڑائی کسی فیصلہ کن مرحلہ پر نہ پہونچ سکی۔

۸ صفر منگل کی رات کو حضرت علی نے اپنی فوج میں ایک پُر جوش خطبہ دیا اور عام مقابلہ کا اعلان کر دیا۔ دُوسرے دن صبح کو حضرت علی اور حضرت معاویہ بنفس نفیس مقابلہ کے لئے نکلے اور دونوں لشکر اپنی پوری طاقت سے ایک دُوسرے پر حملہ آور ہوئے۔ سارے دن گھمسان کی جنگ رہی، رات کو دونوں فریق اپنی اپنی فرودگاہ کو واپس آئے۔ لیکن فتح و شکست کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔

۹ صفر بدھ کی صبح کو سُورج کی کرنوں کے ساتھ ساتھ پھر تلواریں میان سے نکل آئیں، صبح سے شام تک ہولناک جنگ ہوتی رہی۔ پہلے حضرت علی

کے لشکر میں شکست کی صورت پیدا ہوئی۔ لیکن حضرت علی نے خود شمشیر زنی کے جوہر دکھا کر اور اپنے ساتھیوں کی ہمت بڑھا کر لڑائی کے نقشہ کو بگڑنے سے بچا لیا پھر حضرت معاویہ کے لشکر پر آثارِ ہزیمت طاری ہوئے، اشتر نخعی اپنے ساتھیوں کے ساتھ حضرت معاویہ کے خیمہ تک پہنچ گیا۔ مگر حضرت معاویہ کی رکابی فوج نے اپنی جان کی بازی لگا کر اُسے پیچھے دھکیلا۔ آخر اُسی حالت میں رات کی تاریکی چھا گئی مگر فریقین کے بہادروں کی تلواریں اسی طرح چمکتی رہیں۔ قادسیہ کی لیلۃ الہریر کی طرح ساری رات ہولناک جنگ ہوتی رہی تلواروں کی کھڑکھڑاہٹ، گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور بہادروں کے نعروں سے شورِ قیامت برپا رہا۔ سپیدہ صبح کے چاک گریباں سے سورج نے منہ نکالا تو مسلمانوں کو بدستور دست و گریباں پایا۔ مسلسل چوبیس گھنٹے کی لڑائی کے بعد دونوں طرف تکان کے آثار ظاہر ہو رہے تھے مگر لڑائی کا آخری فیصلہ کئے بغیر کوئی میدانِ جنگ سے ٹلنے کے لئے تیار نہ تھا۔ حضرت علی کے لشکر کی تعداد نوّے ہزار تھی اور حضرت معاویہ کے لشکر کی اسّی ہزار، اس طرح دس ہزار کا فرق پہلے ہی تھا، رات کی لڑائی میں حضرت معاویہ کے لشکر کا زیادہ نقصان ہوا۔ اس طرح ۱۰ صفر جمعرات کی صبح کو حضرت علی کی فوج کا پلّہ نمایاں طور پر بھاری نظر آنے لگا۔ اشتر نے موقعہ دیکھ کر پوری طاقت کے ساتھ حضرت معاویہ کے لشکر پر حملہ کیا۔ حضرت علی مسلسل اُس کی مدد

کرتے رہے۔ حضرت معاویہ کی فوج اپنے سے دوگنی طاقت کے اس زبردست ریلے کو نہ روک سکی اور اُس کے قدم لڑکھڑانے لگے۔ حضرت معاویہ نے یہ نزاکت دیکھکر عمرو بن عاص سے مشورہ کیا اور اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا یکایک اہلِ شام نے اپنے نیزوں پر قرآن مجید بلند کرکے پکارنا شروع کردیا:۔

"یہ خدائے عزّوجل کی کتاب ہے، اپنے اور ہمارے درمیان اس کے فیصلہ کو منظور کرو۔ اگر اہلِ شام نہ رہے تو مغربی سرحدوں کی حفاظت کون کریگا اور اگر اہلِ عراق نہ رہے تو مشرقی سرحدوں کی حمایت کون کریگا؟"۔

حضرت علی جانتے تھے کہ یہ ایک جنگی چال ہے۔ انہوں نے اعلان کیا' "اے خدا کے بندو! لڑائی جاری رکھو اور دھوکہ میں نہ آؤ، فتح بہت قریب ہے۔ میں معاویہ، عمرو بن عاص، حبیب بن مسلمہ، ابن ابی سرح اور ابن ابی معیط کو بچپن سے جانتا ہوں' انہوں نے تمہیں دھوکہ دینے کے لئے یہ چال چلی ہے"۔

مگر حضرت علی کی جماعت کی بہت بڑی اکثریت نے اُن کی بات ماننے سے انکار کردیا۔ اشعث بن قیس کندی، مسعر بن فدکی، ابن کوا اور دوسرے سرداران فوج نے جو فرقہ سبائیہ سے تعلق رکھتے تھے اور لڑائی کے فیصلہ کن خاتمہ کو اپنی مصالح کے خلاف سمجھتے تھے کہا:۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہمیں کتاب اللہ کی طرف بلایا جائے اور ہم اس سے انکار کر دیں"۔

حضرت علی نے جب جنگ جاری رکھنے پر زیادہ اصرار کیا تو ان لوگوں نے کہا "یا تو آپ لڑائی کو بند کرنے کا حکم دیجیئے ورنہ ہم آپ کے ساتھ بھی وہی سلوک کریں گے جو عثمان کے ساتھ کر چکے ہیں"۔

حضرت علی نے اپنوں کے یہ تیور دیکھے تو پیروں تلے سے زمین نکل گئی اشتر کے پاس پیغام بھیجا کہ لڑائی کو بند کر کے فوراً واپس آ جاؤ، اپنی ہی جماعت میں فتنہ پھیل گیا ہے۔

اشتر بادل ناخواستہ واپس آیا اور لڑائی بند ہو گئی۔[۵۱]

## عہد نامہ تحکیم:-

حضرت علی نے، اشعث کو حضرت معاویہ کے پاس بھیجکر معلوم کیا کہ "قرآن مجید کے فیصلہ کو قبول کرنے سے آپ کی مراد کیا ہے"؟ حضرت معاویہ نے جواب دیا:- "ہمارا مقصد یہ ہے کہ فریقین ایک ایک شخص کو پنچ نامزد کریں اور اُن سے عہد لیلیں کہ وہ کتاب اللہ سے باہر نہ جائیں گے۔ پھر قرآن کریم کے حکم کے مطابق یہ دونوں ہمارے نزاع کا فیصلہ جس صورت سے کریں اُسے ہم قبول کرلیں"۔ اہلِ عراق نے کہا "ہمیں یہ

---

۵۱ محاضرات خضری صـ ۹۹ جلد ۲۔

تجویز منظور ہے۔"

حضرت معاویہ نے اہلِ شام کی طرف سے عمرو بن عاص کو پنچ نامزد کیا اور کسی نے اس نامزدگی سے اختلاف نہ کیا۔ لیکن اہلِ عراق اس معاملہ میں بھی متفق نہ ہو سکے۔ اشعث اور اس کے ساتھیوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کا نام تجویز کیا۔ حضرت علی نے فرمایا "مجھے ابوموسیٰ کی رائے پر اعتماد نہیں ہے، تم عبداللہ بن عباس کو حکم بنالو۔" اہلِ عراق نے کہا "حکم غیر جانبدار ہونا چاہیے، عبداللہ بن عباس تو آپ کے عزیز ہیں۔" حضرت علی نے فرمایا "اہلِ شام نے بھی تو کسی غیر جانبدار کو منتخب نہیں کیا ہے۔" اہلِ عراق بولے "اِس کے وہ ذمہ دار ہیں۔" حضرت علی نے فرمایا "اچھا اشتر کو حکم بنالو۔" ان لوگوں نے کہا "خوب! یہ ساری آگ تو اشتر ہی کی لگائی ہوئی ہے۔" آخر جب حضرت علی نے دیکھا کہ اہلِ عراق ابوموسیٰ اشعری کے سوا کسی اور کو منظور نہیں کرتے تو فرمانے لگے "جو تم چاہو کرو۔"

عمرو بن عاص حضرت علی کی فرودگاہ میں آئے اور حسبِ ذیل عہد نامہ لکھا گیا:

> "یہ وہ عہد نامہ ہے جس پر علی بن ابی طالب نے اہلِ کوفہ اور اُن کے ساتھیوں کی طرف سے، اور معاویہ بن ابی سفیان نے اہلِ شام اور اُن کے حامیوں کی طرف سے، اتفاق کیا ہے۔ طے یہ پایا ہے کہ ہم دونوں صرف خدا اور کلامِ خدا کے فیصلہ کو

منظور کرینگے۔ کتاب اللہ شروع سے آخر تک ہمارے درمیان
فیصلہ کن ہوگی۔ وہ جس بات کا حکم دیگی اُس کی تعمیل کرینگے اور
جس بات سے منع کریگی اُس سے رُک جائیں گے۔ ابو موسیٰ،
عبداللہ بن قیس اور عمرو بن عاص حَکَم مقرر کئے گئے ہیں وہ
کتاب اللہ کے حکم کے مطابق ہی فیصلہ کرینگے۔ اگر کوئی بات
کتاب اللہ میں نہ پائیں گے تو سنتِ عادلہ جامعہ غیر مختلف
فیہا کی طرف رجوع کریں گے۔
علی اور معاویہ کی طرف سے دونوں حکموں کو اُن کی جان و مال کی
حفاظت کا پورا اطمینان دلایا جاتا ہے اور وعدہ کیا جاتا ہے
کہ اُن کے فیصلہ کو نافذ کرانے میں امت اُن کی مدد کریگی۔
انہیں فیصلہ کرنے کے لئے رمضان تک مہلت دیجاتی ہے
یہ اپنے فیصلہ کا اعلان کسی ایسے مقام پر کریں گے جو عراق
اور شام کے وسط میں ہو"۔

اِس عہد نامہ پر فریقین کی طرف سے متعدد ذمہ دار لوگوں کے دستخط ہوئے
اور طے پایا کہ حکمین دومۃ الجندل میں آکر اپنے فیصلہ کا اعلان کریں۔ عہد نامہ
پر ۱۳ر صفر ۳۷ھ کی تاریخ ثبت کی گئی۔

اِس عہد نامہ کی تکمیل کے بعد، دونوں فریق نوّے ہزار جانبازوں کو

میدانِ صفّین میں ابدی نیند سو تا چھوڑ کر اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔ مسلمان شہداء کی یہ وہ تعداد تھی جو تاریخ اسلام کے تمام محاربات کے شہداء کی مجموعی تعداد سے بھی زیادہ تھی۔

## ظہورِ خوارج :-

عہد نامہ صلح کی تکمیل ہو گئی تو اشعث بن قیس مختلف قبیلوں میں اُسے سُنانے پر مامور ہوئے۔ قبیلہ عنزہ کے چار ہزار آدمی حضرت علی کے ساتھ تھے اشعث نے جب اِس قبیلہ میں عہد نامہ سُنایا تو دو بھائیوں نے کھڑے ہو کر کہا "خُدا کے سوا کسی اور کا فیصلہ ہمیں منظور نہیں ہے۔ کیا دینِ الٰہی کے فیصلہ کے ہوتے ہوئے تم انسانوں کو حَکَم بناتے ہو؟ اگر تم ایسا کرتے ہو تو بتاؤ ہمارے مقتولین کا کیا حشر ہو گا"۔ قبیلہ مراد، بنی راسب اور بنی تمیم نے بھی انہی خیالات کا اِظہار کیا۔

محرز بن خنیس حضرت علی کے پاس آیا اور کہا "اس فیصلہ سے رجوع کر لیجیے، مجھے اندیشہ ہے کہ اس کا انجام آپ کے حق میں اچھا نہ ہو گا" حضرت علی نے فرمایا "تم لوگوں نے اصرار کر کے تو مجھے اس فیصلہ کو قبول کرنے پر مجبور کیا اور جب قبول کر لیا تو اُسے رد کرنے کے لئے کہتے ہو، اب ایسا نہیں ہو سکتا"

غرض حضرت علی صفّین سے واپس ہوئے تو اُن کی جماعت میں تفریق پیدا ہو گئی تھی۔ ایک گروہ تحکیم کو پسند کرتا تھا اور کہتا تھا کہ مسلمانوں کا

بکھرا ہوا شیرازہ اس طرح مجتمع ہو جائے گا۔ دوسرا گروہ اسے ناپسند کرتا تھا اور کہتا تھا کہ شریعت کے معاملہ میں انسانوں کو حکم بنانا جائز نہیں۔ اِس اختلاف کا اظہار زبانوں سے گزر کر نوکِ خنجر سے بھی ہونے لگا تھا چنانچہ شام سے عراق تک برابر یہ چھیڑ چھاڑ جاری رہی۔

جب حضرت علی کوفہ پہنچے، تو بارہ ہزار آدمیوں کی جماعت جو تحکیم کے خلاف تھی، کھلم کھلا ان سے علیحدہ ہو گئی۔ اِس جماعت نے شیث بن ربعی کو اپنا امیر اور عبداللہ بن کوا یشکری کو امام نماز منتخب کیا اور مقام حرورا میں قیام کیا۔ اس جماعت نے اپنے نظریہ کی توضیح اِس طرح کی:۔

"حکم صرف خدائے عزّوجل کا مانا جا سکتا ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہمارا فرض ہے۔ حضرت علی اور حضرت معاویہ دونوں خطا کار ہیں۔ حضرت معاویہ اِس لئے کہ انہوں نے حضرت علی کو جو خلیفۂ برحق تھے خلیفہ تسلیم کرنے سے انکار کیا، اور حضرت علی اِس لئے کہ انہوں نے حضرت معاویہ کے ساتھ جو واجب القتل تھے مصالحت کی گفتگو کی، اور قرآن کے حکم صریح کو چھوڑ کر ان کے معاملہ میں انسانوں کو حکم تسلیم کیا۔ ہم پہلے ان دونوں سے جنگ کرینگے اور فتح کے بعد، مشورہ سے، ایسا نظام قائم کرینگے جو کتاب اللہ کے مطابق ہو۔"

حضرت علی نے اس فتنہ کو دبانے کے لئے حضرت عبداللہ بن عباس

کو بھیجا۔ حضرت ابن عباس نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی مگر انہوں نے ان سے مباحثہ شروع کر دیا۔

"عبداللہ بن عباس نے کہا:۔

"تمہیں انسانوں کو حکم مقرر کرنے میں کیا اعتراض ہے؟ خداوند تعالیٰ نے میاں بیوی کے اختلاف کو رفع کرنے کے لئے حَکم بنانے کا حکم دیا ہے، چنانچہ فرمایا ہے:۔

وان خفتم شقاق بینهما فابعثوا حکما من اهله وحکما من اهلها ان یریدا اصلاحا یوفق الله بینهما

اور اگر تمہیں میاں بیوی میں تفرقہ کا اندیشہ ہو تو ایک پنچ شوہر کے کنبہ میں سے اور ایک بیوی کے کنبہ میں سے مقرر کرو اگر دونوں پنچ چاہیں گے کہ صلح صفائی کرا دیں تو اللہ ضرور میاں بیوی میں موافقت پیدا کر دیگا۔

جب میاں بیوی کے جھگڑے کو دور کرنے کے لئے حَکم مقرر کئے جا سکتے ہیں تو اُمت کے اختلاف کو رفع کرنے کے لئے حَکم بنانے میں کیا ہرج ہے؟"

خوارج نے جواب دیا:۔

"میاں بیوی کے اختلاف پر باغیوں کے معاملہ کو قیاس نہیں کیا جا سکتا وہاں خداوند تعالیٰ نے انسانوں کو فیصلہ کا اختیار دیدیا ہے۔ لیکن یہاں اپنی طرف سے زانی اور سارق کی طرح حکم قطعی بیان فرمایا ہے۔

اِنسانوں کے ہاتھ میں کچھ نہیں رکھا۔ معاویہ اور اُن کے اصحاب نے جماعتِ مسلمین سے علیحدہ ہو کر بغاوت اختیار کی۔ ان کے متعلق خُدا کا ایک ہی حکم تھا، یا وہ توبہ کریں اور یا اُنہیں قتل کیا جائے۔ تم نے اُن سے صلح کی گفتگو کر کے خدا کے اُس حکم کو ٹھکرا دیا۔ لہذا تم بھی کافر اور وہ بھی کافر"

ابھی ان کا مباحثہ جاری ہی تھا کہ حضرت علی خود پہنچ گئے۔ انہیں معلوم ہوا کہ یزید بن قیس کا اُن پر اثر ہے۔ چنانچہ آپ یزید بن قیس ہی کے خیمہ میں اُترے۔ پہلے آپ نے دو رکعت نماز پڑھی، پھر یزید بن قیس کو اصفہان اور رے کا والی مقرر کیا۔ اس کے بعد، آپ اُن کی مجلس میں تشریف لے گئے اور پوچھا تمہارا دینی پیشوا، کون ہے؟۔ خوارج نے ابن کواء کا نام لیا۔ آپ نے ابن کواء کو بلا کر پوچھا:۔

"تم لوگوں نے میری بیعت میں داخل ہونے کے بعد، اس سے خروج کیوں کیا؟"

ابن کواء نے جواب دیا:۔

"اِس لئے کہ آپ نے اللہ کے حُکم کو چھوڑ کر انسانوں کو حَکم مانا"۔

حضرت علی نے فرمایا:۔

"ہم نے دونوں ثالثوں سے عہد لیا ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے مُطابق ہی فیصلہ کرینگے۔ اگر اُنہوں نے اللہ کے حُکم کے مُطابق فیصلہ کیا

تو ہم اُسے قبول کر لیں گے ورنہ رد کر دیں گے۔"

ابن کواء نے پوچھا:۔

"اچھا یہ بتائیے کیا خون کے معاملہ میں آپ انسانوں کے فیصلہ کو جائز سمجھتے ہیں؟"

حضرت علی نے جواب دیا:۔

"میں نے انسانوں کے فیصلہ کو قبول نہیں کیا بلکہ قرآن کے فیصلہ کو قبول کیا ہے۔ البتہ اس فیصلہ کا اعلان یہ دونوں ثالث کریں گے۔ قرآن تو ایک کتاب ہے وہ خود نہیں بول سکتا۔"

ابن کواء نے پوچھا:۔

"پھر اس کام کے لئے چھ مہینے کی طویل مہلت کی کیا ضرورت تھی؟"

حضرت علی نے فرمایا:۔

"تاکہ عالم اور جاہل سب قرآن کے حکم کو سمجھ سکیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس دوران میں مصالحت کے لئے فضا زیادہ سازگار ہو جائے۔"

اِس طرح حضرت علی سمجھا بجھا کر خوارج کو کوفہ میں واپس لے آئے۔ اور حکمین کے فیصلہ کا انتظار کرنے لگے۔

## نتیجہ تحکیم:۔

جب چھ مہینے کی مدت گزر گئی تو حسب قرارداد حضرت ابو موسیٰ اشعری

اور عمرو بن عاص دومۃ الجندل میں جمع ہوئے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری کے ساتھ چار سو آدمیوں کی جماعت تھی جس کے سردار شریح بن ہانی اور امام حضرت عبداللہ بن عباس تھے۔ اِسی طرح عمرو بن عاص کے ساتھ چار سو آدمیوں کی جماعت تھی جس کے افسر شرجیل بن صمہ تھے۔ اِن کے علاوہ حضرت معاویہ کی درخواست پر بعض غیر جانبدار بزرگ، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، ابوالجہم بن حذیفہ، عبدالرحمن بن یغوث، سعد بن وقاص وغیرہ بھی اصلاحِ اُمت کے نیک کام میں شرکت کے لئے تشریف لے آئے۔

دونوں ثالثوں نے مسئلہ زیر بحث پر گفتگو شروع کی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے پہلے امتِ مسلمہ کے افسوسناک اختلاف اور اُس کے مہلک اثرات کا ذکر کیا اور اس کے بعد کہا "اے عمرو! بہت جوتیوں میں دال بٹ چکی، اب کوئی ایسی تدبیر ہونی چاہیے کہ مسلمان آپس میں گلے مِل جائیں اور آپس کی نااتفاقی دور ہو"۔ عمرو بن عاص نے کہا "مجھے آپ کی رائے سے بالکل اتفاق ہے"۔ بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ ہمارے درمیان طے ہوتا جائے کاتب اُسے لکھتا جائے، کیونکہ جو بات تحریر میں آجاتی ہے اُس میں بھول چوک نہیں ہوتی"۔ ابو موسیٰ اشعری نے اِس تجویز سے اتفاق کیا اور کاتب کو بلوا لیا گیا۔ کاتب کو یہ ہدایت کردی گئی کہ وہ وہی الفاظ قلمبند کرے جس پر فریقین متفق ہو جائیں۔

حضرت ابو موسیٰ اور عمرو بن عاص نے کاتب سے کہا، لکھو:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ وہ فیصلہ ہے جس پر ابو موسیٰ، عبداللہ بن قیس اور عمرو بن عاص باہم متفق ہوئے ہیں۔ ہم دونوں اقرار کرتے ہیں کہ خدائے واحد کے سوا کوئی اور عبادت کے لائق نہیں اور نہ کوئی اس کا شریک ہے، اور محمد صلعم اُس کے بندے اور اُس کے رسول ہیں۔ خدا نے انہیں ہدایت اور دینِ حق دیکر بھیجا تاکہ وہ اس کی حقانیت کے سبب سے تمام ادیان پر غالب کر دیں اگرچہ مشرکین کو یہ ناگوار ہو۔"

عمرو بن عاص:۔ ہم دونوں اقرار کرتے ہیں کہ ابوبکر رسول اللہ صلعم کے خلیفہ تھے، اُنہوں نے تازندگی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلعم پر عمل کیا اور اپنے فرائض کو صحیح طور پر انجام دیا۔"

ابو موسیٰ (کاتب سے) "بجا و درست ہے، لکھو۔"

عمرو بن عاص:۔ یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ عمر بھی رسول اللہ صلعم کے خلیفہ تھے۔ اُنہوں نے بھی حضرت ابو بکر کے طرزِ عمل کو برقرار رکھا۔"

ابو موسیٰ:۔ "یہ بھی صحیح ہے، لکھو۔"

عمرو بن عاص:۔ "یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ عمر کے بعد، عثمان مسلمانوں کے اتفاق اور صحابہ کے مشورے اور اُن کی رضامندی سے، منصبِ خلافت پر فائز ہوئے اور وہ سچے اور پکے مسلمان تھے۔"

ابو موسیٰ :۔ "یہ مسئلہ اس وقت زیر بحث نہیں ہے"۔

عمرو بن عاص :۔ اگر آپ اُن کو مومن تسلیم نہیں کرتے تو پھر کیا وہ کافر تھے

ابو موسیٰ :۔ "اچھا لکھو"۔

عمرو بن عاص :۔ "اب دو ہی باتیں ہیں یا انہیں ظالم ہونے کی حیثیت سے قتل کیا گیا اور یا مظلوم ہونے کی حیثیت سے"۔

ابو موسیٰ :۔ "انہیں مظلوم ہونے کی حیثیت سے ہی قتل کیا گیا۔

عمرو بن عاص :۔ "جسے مظلوم ہونے کی حیثیت سے قتل کیا گیا ہو خدا نے اُس کے ولی کو قاتلوں سے طلبِ قصاص کا حق دیا ہے

ابو موسیٰ :۔ "ہاں دیا ہے"۔

عمرو بن عاص :۔ "آپ جانتے ہیں کہ معاویہ ہی عثمان کے ولی اقرب ہیں

ابو موسیٰ :۔ "یہ بھی دُرست ہے"۔

عمرو بن عاص :۔ "تو اس صورت میں معاویہ کو حق ہے کہ وہ قاتلینِ عثمان کا مطالبہ کریں، وہ جو کوئی ہوں اور جہاں کہیں ہوں، اور اِس کام میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں"۔

ابو موسیٰ :۔ "یہ بھی ٹھیک ہے"۔

عمرو بن عاص :۔ (کاتب سے) یہ سب باتیں لکھ لو"۔

ابو موسیٰ :۔ "اے عمرو، یہ نزاع امتِ مسلمہ کے لئے بڑی مصیبت ہے

کوئی ایسی تجویز سوچیں کہ اِس مصیبت سے چھٹکارا ہو، اور ملت کی بہبودی کی صورت پیدا ہو۔

عمرو بن عاص:۔ "ایسی کیا تجویز ہو سکتی ہے"؟

ابو موسیٰ:۔ "مجھے یقین ہے کہ اہلِ عراق کبھی معاویہ کو پسند نہ کریں گے اور اہلِ شام کبھی علی سے راضی نہوں گے، لہذا دونوں کو اس منصب سے علیحدہ کر کے عبداللہ بن عمر کو خلیفہ بنایا جائے"۔

عمرو بن عاص:۔ "کیا عبداللہ بن عمر اِس منصب کو قبول کر لیں گے"؟

ابو موسیٰ:۔ "اُمید تو ہے، بشرطیکہ سب مسلمان بالاتفاق ان سے درخواست کریں"۔

عمرو بن عاص:۔ "سعد بن وقاص کو کیوں نہ منتخب کیا جائے"۔

ابو موسیٰ:۔ "وہ موزوں نہیں"

اِس کے بعد عمرو بن عاص نے اور متعدد بزرگوں کے نام لئے۔ لیکن ابو موسیٰ انکار کرتے رہے اور عبداللہ بن عمر کے علاوہ کسی اور کے لئے رضا مند نہوئے۔ یہاں آکر گفتگو کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ اور جو کچھ طے پایا تھا اُس پر فریقین کے دستخط ثبت ہوگئے۔

اِس فیصلے کا خلاصہ یہ نکلا کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ کی معزولی میں تو دونوں کا اتفاق ہوگیا لیکن یہ طے نہوا کہ یہ منصب کس کے سپرد ہو

لہذا یہ کام اُمتِ محمدیہ کی رائے عامہ کے سپرد کر دیا گیا۔ جو کچھ تجویز قلمبند ہوئی تھی وہ مجمعِ عام میں پڑھ کر سُنا دی گئی اور فریقین اپنے اپنے مقامات کو روانہ ہوگئے[51]

---

[51] یہ روایت "مسعودی" کی ہے، دوسرے مورخین کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری اور عمرو بن عاص کی یہ گفتگو قلمبند نہیں ہوئی اور دونوں گفت و شنید کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ "حضرت علی اور حضرت معاویہ دونوں کو معزول کر دیا جائے اور اُمت کو اختیار دیا جائے کہ نئے سرے سے جسکو چاہے خلیفہ منتخب کرے"۔ دونوں حکم اِس فیصلہ کا اعلان کرنے مجمع عام میں آئے۔ پہلے حضرت ابوموسیٰ نے اعلان کیا:۔

"ہم حضرت علی اور حضرت معاویہ دونوں کو معزول کرتے ہیں اور آئندہ خلیفہ کو منتخب کرنے کا حق اُمت کے سپرد کرتے ہیں"۔

پھر عمرو بن عاص آئے انہوں نے کہا:۔

"جہاں تک حضرت علی کی معزولی کا تعلق ہے مجھے ابوموسیٰ کی رائے سے اتفاق ہے لیکن حضرت معاویہ کو میں معزول نہیں کرتا، اُن کو ان کے منصب پہ قائم رکھتا ہوں"۔

عمرو بن عاص کے اِس اعلان سے مجمع میں سخت برہمی پیدا ہوگئی اور دونوں حکموں میں سخت کلامی ہوئی۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت بوجوہ ذیل ناقابلِ قبول ہے:۔

(۱) "ثالثی نامہ" کی کتابت اور اس پر باقاعدہ شہادتوں کا ذکر سب مورخین نے کیا ہے۔ تعجب ہے کہ ثالثی نامہ تو قیدِ تحریر میں لایا جائے اور اصل فیصلہ زبانی ہو۔

(۲) عمرو بن عاص کو اس عیاری اور دروغ بیانی سے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا تھا۔ اُنہوں نے جو کچھ کہا وہ صرف اپنی رائے کا اظہار تھا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری کی طرف اُسے منسوب نہ کیا۔ حالانکہ طے شدہ شرائط کی رو سے صرف متفقہ فیصلہ ہی قابلِ قبول ہو سکتا تھا، نہ ایک حکم کی تنہا رائے۔

(۳) اس روایت کے سلسلہ میں، اعلان کے بعد حکمین کی طرف یہ الفاظ منسوب کئے

یہ فیصلہ حضرت معاویہ کے حق میں مفید ثابت ہوا۔ اِس کی رُو سے حضرت علی اور حضرت معاویہ ایک سطح پر آگئے، پھر چونکہ انہیں کُل اہلِ شام کی تائید حاصل تھی اور انتخابِ خلافت کا معاملہ رائے عامہ کے سپرد ہوا تھا، اِس لئے انہیں منصبِ خلافت کی آرزو پوری کرنے کے لئے مناسب موقعہ ہاتھ آگیا۔ حضرت علی کے حق میں یہ فیصلہ مضر ہوا۔ مدینۃ الرسول کی بیعت، جو اُن کے لئے بڑی حجت تھی، اِس فیصلہ کی رو سے باطل ہوگئی اور آیندہ انتخاب میں کامیاب ہونے میں مزید مشکلات پیدا ہوگئیں۔ اہلِ شام تو اُن کے مخالف تھے ہی، اہل عراق کی امداد بھی، تحکیم کو قبول کرنے کی وجہ سے منقسم ہوگئی۔ خوارج جو فیصلہ تحکیم کے اعلان سے پہلے دب گئے تھے، پوری قوت کے ساتھ اُبھرے اور ان کے لئے مارِ آستین بن گئے۔

---

(بقیہ حاشیہ ۳۶۴) جاتے ہیں۔ حضرت ابوموسیٰ نے فرمایا:-

انما مثلک کمثل الکلب ان تحمل علیہ یلھث او تترکہ یلھث۔ (تمہاری مثال کتے کی طرح ہے لادو جب بھی ہانپتا ہے اور نہ لادو جب بھی۔)

عمرو بن عاص نے جواب دیا:-

مثلک کمثل الحمار یحمل اسفارا۔ (تمہاری مثال گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لدی ہوں۔)

ظاہر ہے کہ یہ الفاظ ایسے ہیں کہ کسی صحابی اور خصوصاً حضرت ابوموسیٰ اشعری جیسے جلیل القدر صحابی کی طرف ان کی نسبت کو دل گوارا نہیں کرتا۔ واللہ اعلم

عمرو بن عاص اپنی جماعت کے ساتھ شام پہنچے تو انہوں نے حضرت معاویہ کو خلافت کی مبارکباد دی۔ اہلِ شام نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے انہیں "خلیفۃ المسلمین" کے لقب سے پکارنا شروع کر دیا۔

حضرت علی کو جب اس فیصلہ کا علم ہوا تو انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ نے فرمایا "چونکہ دونوں ثالثوں نے کتاب و سنت کے مطابق فیصلہ کرنے کی شرط کو پورا نہیں کیا اس لئے یہ ناقابلِ قبول ہے۔" آپ نے جامع کوفہ میں ایک تقریر کی اور ملک شام پر دوبارہ حملہ کرنے کے لئے تیاری کا حکم دیا۔

## شورشِ خوارج :-

حضرت علی ملک شام پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ خوارج نے پھر سر اٹھایا۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے حضرت علی سے تحکیم کو رد کرنے کے لئے کہا تھا مگر وہ نہ مانے۔ اب وہ حکمین کے فیصلہ کو کتاب و سنت کے خلاف بتا رہے ہیں اور جو بات ہم نے کہی تھی اسے تسلیم کر رہے ہیں۔ لہذا انہیں چاہیے کہ قبولِ تحکیم کے گناہ کا اعتراف کر کے توبہ کریں۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تب تو ہم ان کا ساتھ دیں گے ورنہ ہم ان کا مقابلہ کریں گے۔ ان لوگوں نے عبداللہ بن وہب کو اپنا امیر منتخب کیا اور کوفہ سے نکل کر جسر نہروان میں مجتمع ہوئے۔ یہاں ان لوگوں نے بصرہ، انبار اور مدائن سے بھی اپنے ہمنوا بلا لئے

لوگوں کو بلا لیا اور اپنی جمعیت کو خوب منظم کر لیا۔ اب خوارج نے اپنے عقیدہ کی زبردستی تبلیغ شروع کر دی۔ ذمیوں سے وہ تعرض نہ کرتے اور کہتے کہ ہمیں رسول اللہ صلعم کی ذمہ داری کو پورا کرنا چاہیے، لیکن کسی مسلمان کو جو اُن کی رائے سے اتفاق نہ کرتا نہ بخشتے، اور اُسے مرتد قرار دیکر قتل کر دیتے۔

عبداللہ بن خباب ایک بزرگ اپنی حاملہ بیوی کے ساتھ کہیں تشریف لیجا رہے تھے۔ ان لوگوں نے اُنہیں پکڑ لیا، اور کہا یہ قرآن جو آپ کی گردن میں لٹکا ہوا ہے آپ کے قتل کا حکم دیتا ہے۔ عبداللہ بن خباب نے کہا بھائی میں تو مسلمان ہوں اور پھر اپنا نام بتایا۔ خوارج نے کہا:۔ ہمیں کوئی حدیث سنائیے جو آپ کے والد کی سند سے آپ تک پہنچی ہو۔ عبداللہ بن خباب نے کہا میرے باپ نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

"ایک ایسا فتنہ نمودار ہوگا جس میں آدمی کا دل مر جائے گا جیسا کہ اُس کا بدن مر جاتا ہے۔ انسان رات کو مومن سوئیگا اور صبح کو کافر اٹھے گا، ایسے فتنہ میں مقتول ہونا، قاتل نہ ہونا"

خوارج نے پوچھا:۔ حضرت ابوبکر و عمر کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ عبداللہ نے اُن کی تعریف کی۔ خوارج نے کہا:۔ آپ حضرت عثمان کے ابتدائی عہد کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ عبداللہ نے اسے بھی بہتر بتایا۔ خوارج نے پوچھا:۔

اچھا علی کے متعلق قبولِ تحکیم سے قبل و بعد آپ کی کیا رائے ہے؟ عبداللہ نے کہا "علی تمہارے مقابلہ میں، کتاب اللہ کو زیادہ سمجھنے والے اور اُس پر عمل کرنے والے ہیں"۔ خوارج نے کہا۔ بس تم راہِ ہدایت سے دور، اور شخصیت پرستی میں گرفتار ہو"۔ پھر انہوں نے عبداللہ بن خباب کو نہر کے کنارے لیجا کر ذبح کر دیا۔ اور اُن کی حاملہ بیوی کا بھی پیٹ چاک کر کے شہید کر دیا۔

اِن کی باطنی شقاوت کی تو یہ حالت تھی اب ظاہری تقاہت بھی ملاحظہ ہو۔ ایک نصرانی سے انہوں نے کھجوروں کا معاملہ کرنا چاہا۔ نصرانی نے کہا، آپ لے لیجئے میں آپ سے قیمت نہیں لونگا۔ خارجی نے کہا، ہم بغیر قیمت ادا کئے تمہاری کھجوروں کو ہاتھ نہ لگائینگے۔ ایک خارجی نے ایک کھجور منہ میں رکھ لی تو سب چیخ اُٹھے اور اُسے منہ میں سے نکلوا کر چھوڑا۔

اُن میں سے ایک شخص کے سامنے سے ایک سور گزرا۔ اُس شخص نے اُسے مار ڈالا۔ اس پر دوسرے خارجی اُسے لعنت ملامت کرنے لگے، اور کہنے لگے کہ تو خدا کی زمین میں فساد پھیلاتا ہے۔ وضع قطع یہ تھی کہ نیچے نیچے کرتے پہنے ہوئے تھے اور لمبی لمبی نمازوں کی وجہ سے ہاتھوں پر گٹے پڑ گئے تھے اور گھٹنے اور کہنیاں جھاڑیوں کی طرح کھردری ہو گئیں تھیں[1]۔

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۲۸۷ و اتمام الوفاء ص ۲۳۹۔

## جنگ نہروان :-

حضرت علی ملک شام پر حملہ کرنے میں تاخیر پسند نہیں کرتے تھے مگر جب خوارج کے ان مظالم کی خبریں پہنچیں تو ان کے ساتھیوں نے کہا' یا امیر المومنین پہلے اِس فتنہ کا سر کچل دیجئے ایسا نہ ہو کہ ہم مُلک شام پر حملہ آور ہوں اور یہ ہمارے اہل و عیال کو موت کے گھاٹ اتار دیں۔ حضرت علی نے اِس رائے سے اتفاق کیا اور اپنی جمعیت کو لیکر نہروان کی طرف کوچ کیا۔

نہروان پہنچکر' حضرت علی نے خوارج سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر قیام کیا۔ آپ نے قیس بن سعد بن عبادہ اور حضرت ابو ایوب انصاری کو ان کے پاس بھیجا تاکہ سمجھا بجھا کر انہیں راہِ راست پر لانے کی کوشش کریں۔ مگر ان بزرگوں کی کوشش کامیاب نہ ہو سکی اور خوارج اپنی رائے پر اڑے رہے۔

اب حضرت علی نے پیغام بھیجا:-

"تمہاری جماعت میں سے جن لوگوں نے خباب اور دُوسرے مُسلمانوں کو شہید کیا ہے انہیں ہمارے حوالہ کر دو۔ ہم صرف ان قاتلین کو اپنے بھائیوں کے قصاص میں قتل کریں گے۔ اور فی الحال تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ کر شام کی مہم پر چلے جائیں گے۔ ممکن ہے ہماری واپسی تک خُدا تمہارے دِلوں کو پھیر دے اور تم دوبارہ ہدایت قبول کر لو۔"

مگر خوارج نے جواب دیا:-

"ہم سب نے تمہارے بھائیوں کو قتل کیا ہے اور ہم سب تمہارے
اور تمہارے ہم عقیدہ لوگوں کے خون کو مباح سمجھتے ہیں"۔

اُب حضرت علی کے لئے سوائے لڑائی کے کوئی چارہ کار نہ رہا۔ آپ نے اپنی فوج کو اُصولِ جنگ کے مُطابق ترتیب دیا۔ مگر چونکہ آپ حتی الامکان خونریزی سے بچنا چاہتے تھے، اِس لئے حضرت ابوایوب انصاری کو سفید جھنڈا دیکر بھیجا اور اعلان کرادیا کہ جو شخص اِس جھنڈے کے نیچے پناہ لیگا یا میدانِ جنگ کو چھوڑکر کوفہ یا مدائن چلا جائے گا ہم اُس سے تعرض نہ کرینگے۔ یہ اعلان سُنکر خوارج کی جماعت میں سے فروہ بن نوفل پانسو آدمیوں کے ساتھ نکل آیا اور بندنجین کی راہ لی۔ کچھ لوگ کوفہ کی طرف نکل گئے اور کچھ حضرت علی کے لشکر میں آکر شامل ہوگئے۔ اب خوارج کے لشکر میں دو ہزار آٹھ سو آدمی رہ گئے۔

آخر دونوں لشکروں کا مقابلہ ہُوا۔ خارجیوں کی یہ مختصر جماعت، بڑی بے جگری کے ساتھ لڑی۔ تمام بڑے بڑے سردار اور اکثر سپاہی شمشیر حیدری کا شکار ہوئے، جو باقی بچے وہ زخمی ہوکر گرفتار ہوئے۔

اِن لوگوں کی بہادری کا اندازہ اِس واقعہ سے کیا جاسکتا ہے کہ ایک خارجی سردار شریح بن ابی اوفیٰ کی ایک ٹانگ کٹ گئی تو وہ صرف ایک ٹانگ پر کھڑا ہوکر تلوار چلا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ "نر اونٹ گھوٹنے سے

بندھا ہُوا بھی اپنی مادہ کی حفاظت کرتا ہے۔ آخر کار قیس بن سعد نے اُس کا کام تمام کیا۔"

لڑائی کے خاتمہ کے بعد، حضرت علی نے زخمیوں کو جن کی تعداد چار سو تھی، علاج کے لئے اُن کے اعزہ کے سپرد کر دیا اور مقتولین کے گھوڑے اور ہتھیار اپنی فوج میں تقسیم کر دیے۔ اِس کے علاوہ اُن کا دوسرا سامان اُن کے وارثوں کے حوالہ کر دیا۔

## فتنہ خریت :۔

نہروان کی اِس عبرتناک شکست کے بعد اگرچہ خارجیوں کا زور ٹوٹ گیا، تاہم وہ جا بجا فتنہ و فساد میں مصروف رہے اور حضرت علی کو اطمینان کا سانس نہ لینے دیا۔ خریت ابن راشد ناجی نے بنی ناجیہ کے تین سو آدمیوں کو ساتھ لیکر "ان الحکم الا اللہ" کی دعوت دینی شروع کی اور مُلک کے مختلف حصوں میں قتل و غارتگری شروع کر دی۔ حضرت علی نے زیاد بن حفصہ کو اُس کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ مقام مذار پر زیاد کا خریت سے مقابلہ ہُوا۔ سارے دن لڑائی جاری رہی، رات کی تاریکی میں خریت اپنے بقیۃ السیف ہمراہیوں کو لیکر بھاگ نکلا۔ زیاد بصرہ لوٹ آیا اور حضرت علی کو حالات کی اطلاع دی۔ حضرت علی نے معقل بن قیس کو چار ہزار کی جمعیت کے ساتھ خریت کے تعاقب میں بھیجا۔ معقل نے خریت کو رامہرمز کی

پہاڑیوں میں جا پکڑا، خریت قتل ہوا اور اُس کے ساتھی کچھ قتل ہوئے کچھ منتشر ہو گئے۔

خریت کے علاوہ دُوسرے خارجی سرداروں نے بھی جا بجا فتنہ پردازی جاری رکھی اور حضرت علی کسی وقت بھی ان کی طرف سے مطمئن نہ ہو سکے۔

## کوفیوں کا حملۂ شام سے گریز۔

معرکہ نہروان سے فارغ ہونے کے بعد حضرت علی نے اپنے لشکر کو شام کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔ سردارانِ لشکر نے کہا، یا امیر المومنین، ہمارے ترکش خالی ہو گئے ہیں، ہماری تلواریں مڑ گئی ہیں اور ہمارے نیزے ٹوٹ گئے ہیں۔ ہمیں کوفہ جانے کی اجازت دیجئے تاکہ ہم اپنا سامان دُرست کر سکیں اور تازہ دم ساتھیوں کی مدد حاصل کر سکیں۔ حضرت علی ان لوگوں کو لیکر واپس تشریف لے آئے اور مقام نخیلہ میں قیام کیا۔ آپ نے حکم دیا کہ اہلِ لشکر نخیلہ ہی میں لڑائی کی تیاریاں مکمّل کر لیں اور شہر کوفہ میں نہ جائیں۔ مگر آپ کے حکم کو آپ کے ساتھیوں نے نہ مانا اور وہ ایک ایک کر کے کھسکنے لگے، یہانتک کہ بہت تھوڑی تعداد آپ کے ساتھ رہ گئی۔ حضرت علی نے یہ کیفیت دیکھی تو مجبور ہو کر آپ بھی کوفہ تشریف لے آئے۔ چند روز کے بعد آپ نے روساء کوفہ کو بُلایا اور ان سے پوچھا کہ اب شام پر حملہ کے متعلق کیا ارادہ ہے؟ ان لوگوں نے ٹال مٹول سے کام لیا اور بہانے تراشنے شروع کئے۔

حضرت علی نے اپنے پرجوش خطبوں سے اُن کے دلوں کو گرمانے کی کوشش کی مگراُن پر کوئی اثر نہ ہوا۔ مجبور ہو کر آپ نے شام کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

## واقعاتِ مصر:-

بیعتِ خلافت کے بعد، حضرت علی نے قیس بن سعد بن عبادہ کو مصر کا والی مقرر کیا تھا، قیس بن سعد بن عبادہ ایک باا ثر و مدبر شخصیت تھے۔ آپ نے حکمت عملی سے کام لیکر بہت جلد اکثر اہلِ مصر کو حضرت علی کی بیعت پر آمادہ کر لیا۔ صرف قصبہ "خربتا" کے لوگوں نے مسلمہ بن مخلد انصاری اور معاویہ بن خدیج کی سرکردگی میں توقف کیا۔ قیس بن سعد نے مصلحتِ وقت دیکھکر ان لوگوں کے پاس پیغام بھیجا کہ میں تم لوگوں سے تعرض نہ کروں گا بشرطیکہ تم امن و امان میں خلل انداز نہ ہو۔ اہلِ خربتا نے اِس شرط کو قبول کر لیا۔

حضرت معاویہ، قیس بن سعد کی لیاقت و صلاحیت سے واقف تھے۔ جب حضرت علی جنگِ جمل سے فارغ ہوئے اور صفین کی تیاریاں شروع کیں تو انہیں مصر کی طرف سے بہت فکر ہوئی۔ انہیں اندیشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ عراق کی طرف سے حضرت علی حملہ کریں اور مصر کی طرف سے قیس حملہ کر دیں اور وہ "چکی" کے دو پاٹوں میں پس کر رہ جائیں۔ اِس خطرہ کے انسداد کے لئے انہوں نے قیس بن سعد کو خطوط لکھ کر انہیں اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی مگر حضرت معاویہ اِس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے۔

اِسی دوران میں، حضرت علی نے قیس بن سعد کو لکھا کہ اہلِ خربتا سے بیعت لی جائے ورنہ اُن سے جنگ کی جائے۔ قیس سمجھتے تھے کہ اس وقت اِس بھڑوں کے چھتہ کو چھیڑنا مناسب نہیں۔ انہوں نے حضرت علی کو جواب دیا:۔
"اہلِ خربتا اطاعت و فرمانبرداری کی زندگی بسر کر رہے ہیں، وہ آپ کے مخالف نہیں ہیں، اِس وقت مناسب یہی ہے کہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے"۔
حضرت علی کے پاس قیس کا یہ خط پہنچا تو اُن کے بعض مشیروں نے اُن سے کہا، "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قیس معاویہ سے ساز باز رکھتے ہیں، تب ہی تو وہ آپ کے مخالفین سے جنگ کرنے کو تیار نہیں ہوتے"۔ حضرت معاویہ کو خبر پہنچی، کہ قیس بن سعد کے متعلق دربارِ خلافت میں یہ شُبہ کیا جا رہا ہے تو انہوں نے فوراً اِس سے فائدہ اُٹھایا۔ انہوں نے مشہور کرنا شروع کر دیا کہ "قیس ہمارے آدمی ہیں، اہلِ خربتا کے ساتھ اُن کا حُسنِ سلوک ہمارے لئے قابلِ قدر ہے"۔
حضرت علی کے جاسوسوں نے یہ خبر اُن تک پہنچائی۔ حضرت علی نے قیس کو معزول کر کے اُن کی جگہ محمد بن ابی بکر کو مصر کا والی مقرر کر دیا۔ یہ واقعہ جنگِ صفین سے پہلے کا ہے۔

محمد بن ابی بکر ایک نوجوان اور ناتجربہ کار شخص تھے۔ انہوں نے مصر پہنچکر اہلِ خربتا سے جنگ شروع کر دی۔ جنگ صفین کے زمانہ میں محمد بن ابی بکر اہلِ خربتا ہی سے اُلجھے رہے اور وہ حضرت علی کی کچھ مدد نہ کر سکے۔

جنگ صفین سے فارغ ہو کر جب حضرت علی کوفہ واپس آئے تو انہوں نے محمد بن ابی بکر کے ہاتھ سے مصر کا انتظام واپس لینے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ مالک بن اشتر نخعی کو جو ان کے لشکر کے ایک پُر جوش اور بہادر افسر تھے۔ مصر کی ولایت کا پروانہ دیکر روانہ کیا۔ اشتر نخعی ابھی مصر کے راستہ ہی میں تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت معاویہ کے اشارہ سے اشتر کو زہر دیدیا گیا۔ ابن کثیر نے حضرت معاویہ کے اس اقدام کی یہ توجیہ کی ہے کہ وہ اشتر کو قاتلینِ عثمان کے زمرہ میں شریک ہونے کے سبب مباح الدم سمجھتے تھے۔ حضرت علی کو اشتر کے انتقال کا بہت افسوس ہوا۔ اب انہوں نے محمد بن ابی بکر ہی کو بدستور مصر کی ولایت پر برقرار رکھا اور انہیں لکھا کہ "میں نے تمہیں کسی ناراضگی کی بنا پر معزول نہیں کیا تھا، بلکہ مصر کے حالات کی اصلاح مقصود تھی جس کے لئے اشتر اپنے تجربہ اور قابلیت کے لحاظ سے زیادہ موزوں تھے۔ اب جبکہ وہ دار آخرت کا سفر کر چکے ہیں تم اپنے فرائض کوشش اور تدبر کے ساتھ انجام دیتے رہو" محمد بن ابی بکر کو مصر سے اپنی معزولی ناگوار گزری تھی۔ لیکن اشتر کی اتفاقی موت اور حضرت علی کی اس تسلی و تشفی سے ان کا اطمینان ہو گیا اور انہوں نے لکھ بھیجا "کہ میں امیر المومنین کا تابع فرمان ہوں، ان کے دشمنوں کا مخالف اور دوستوں کا حامی مجھ سے زیادہ کوئی نہیں ہو سکتا" یہ واقعہ حکمین کے فیصلہ سنانے سے پہلے کا ہے۔

فیصلۂ حکمین کے بعد جب حضرت معاویہ نے باقاعدہ اعلانِ حکومت کیا تو انہوں نے مصر پر قبضہ جمانے کی فکر کی۔ حضرت معاویہ نے اِس مقصد کے حصول کے لئے پہلے "اہلِ خربتا" سے خط و کتابت کر کے اُن کی ہمت افزائی کی اور اُنہیں اطمینان دلایا کہ میں تمہاری مدد کے لئے جلد لشکرِ گراں بھیجنے والا ہوں۔ "اہلِ خربتا" نے حضرت معاویہ کی اِس پیشکش کو دِلی مسرت کے ساتھ قبول کیا۔

اَب حضرت معاویہ نے چھ ہزار کی جمعیت عمرو بن عاص فاتح مصر کی زیرِ سرکردگی مصر کی طرف روانہ کی۔ آپ نے عمرو بن عاص کو ہدایت کی کہ وہ حتی الامکان نرمی اور محبت سے کام لیں۔ پہلے مخالفین کو صلح و اتحاد کی دعوت دیں، اگر وہ انکار کریں تو پھر اُن ہی لوگوں سے جنگ کریں جو مقابلہ کے لئے میدان میں آئیں دُوسروں سے تعرض نہ کریں۔ اِسی کے ساتھ حضرت معاویہ نے ایک خط محمد بن ابی بکر کے نام بھی بھیجا اور اُنہیں یقین دلایا کہ اگر وہ مقابلہ نہ کرینگے تو اُنہیں کوئی گزند نہ پہنچے گا۔ محمد بن ابی بکر نے حضرت معاویہ کو سخت جواب دیا۔ پھر اُنہوں نے حضرت علی کو کُل واقعات کی اِطلاع دی اور اُن سے فوجی و مالی امداد کی درخواست کی۔ حضرت علی نے جواب دیا کہ وہ صبر و شجاعت کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کریں اور جلد امداد بھیجنے کا وعدہ کیا۔

عمرو بن عاص اپنی جمعیت کے ساتھ مصر میں داخل ہوئے تو حسبِ قرار داد خربتا کے دس ہزار جنگجو عثمانی بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اِس طرح انکی جمعیت

سولہ ہزار ہو گئی۔

محمد بن ابی بکر نے دو ہزار کی ایک جمعیت کنانہ بن بشر کی زیر سرکردگی اہلِ شام کے مقابلہ کے لئے روانہ کی اور خود مزید جمعیت کی فراہمی میں مشغول ہو گئے۔ کنانہ بن بشر نے بڑی بہادری اور جاں بازی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ پہلے اہلِ شام کو شکست ہوئی لیکن اہل خربتا کی امداد نے اس شکست کو جلد فتح میں بدل دیا۔ کنانہ بن بشر میدانِ جنگ میں کام آئے ان کے ساتھی کچھ شہید ہوئے اور کچھ نے راہِ فرار اختیار کی۔

محمدّ بن ابی بکر دو ہزار کی دوسری جمعیت کے ساتھ عمرو بن عاص کے مقابلہ کے لئے روانہ ہونے والے تھے کہ انہیں کنانہ بن بشر کے قتل اور ہزیمت کی خبر پہنچی۔

• اس خبر سے ان کے ساتھیوں پر کچھ ایسی دہشت طاری ہوئی کہ سب انہیں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ محمد بن ابی بکر اب مایوس ہو گئے اور جان بچانے کے لئے ایک کھنڈر میں پناہ لی۔ معاویہ بن حدیج ان کی تلاش میں نکلا اور چند قبطیوں کی اطلاع پر انہیں زندہ گرفتار کر لیا۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے جو لشکرِ شام میں شریک تھے عمرو بن عاص سے کہا کہ میرے بھائی محمد کو قتل نہ کیا جائے۔ عمرو بن عاص نے معاویہ بن حدیج کے پاس پیغام بھیجا کہ محمد بن ابی بکر کو میرے پاس بھیجدو اور انہیں قتل نہ کرو! مگر معاویہ نے کہلا بھیجا کہ محمد قاتلین عثمانؓ میں شامل ہیں، میں انہیں ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ چنانچہ معاویہ نے محمد بن ابی بکر

کو بڑی بے رحمی سے شہید کر دیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ کو اپنے بھائی محمد کی شہادت کی خبر پہنچی تو وہ بہت آزردہ ہوئیں، انہوں نے عمرو بن عاص اور حضرت معاویہ کے حق میں بد دعا کی اور اپنے بھائی کے بچوں کو اپنی تحویل میں لے لیا[1]۔

اس طرح ۳۸ھ میں مصر کا سرسبز و شاداب ملک حضرت معاویہ کی حکومت میں شامل ہو گیا اور حضرت علی خوارج کی شورش اور اپنے رفقاء کی سرد مہری کی وجہ سے کچھ نہ کر سکے۔ بڑی مشکل سے دو ہزار کی ایک جمعیت انہوں نے مالک بن کعب کی سرداری میں مصر کی طرف روانہ کی مگر ابھی مالک راستہ ہی میں تھے کہ انہیں محمد بن ابی بکر کی شہادت کی خبر مل گئی اور وہ حضرت علی کی حسب ہدایت واپس چلے آئے۔

## شورش بصرہ:۔

مصر کی فتح کے بعد، امیر معاویہ نے عبداللہ بن حضرمی کو بصرہ، اپنے حق میں پروپیگنڈا کرنے کے لئے بھیجا۔ بصرہ میں جنگ جمل کے زمانہ سے ایک جماعت حضرت علی کے مخالفین کی موجود تھی جن کی گردنیں تو ذوالفقار حیدری کے سامنے خم ہو چکی تھیں مگر دل حضرت معاویہ کے ساتھ تھے۔ حضرت ابن عباس والیِ بصرہ حضرت علی کی خدمت میں کوفہ گئے تھے اور زیاد بن

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۷، ص ۳۱۴۔

ابی سفیان اُن کا قائم مقام تھا۔ ابن حضرمی کے لئے یہ موقعہ سازگار تھا چنانچہ بصرہ پہنچکر اس نے بہت جلد قبیلہ بنو تمیم اور دُوسرے حامیانِ معاویہ کو خونِ عثمان کے مطالبہ کے لئے کھڑا کر دیا۔ زیاد اس شورش کا مقابلہ نہ کر سکا اس نے جان بچانے کے لئے ازد سے پناہ طلب کی اور حضرت علی کو اس نئی مصیبت کی اطلاع دی۔ حضرت علی نے اعین بن ضبیعہ کو ابن حضرمی کے فتنہ کو دبانے کے لئے بھیجا، مگر ابن ضبیعہ کو دھوکہ سے قتل کر دیا گیا۔ اب حضرت علی نے جاریہ بن قدامہ تمیمی کو پچاس دُوسرے آدمیوں کے ساتھ بصرہ بھیجا تاکہ وہ اپنی قوم بنی تمیم کو سمجھا بجھا کر ابن حضرمی کے فتنہ سے بچائیں۔ جاریہ ابن قدامہ اس مہم میں کامیاب ہوئے، بنی تمیم نے ابن حضرمی کا ساتھ چھوڑ دیا اور ابن حضرمی نے اپنے ستر رفقاء کے ساتھ ایک مکان میں پناہ لی۔ جاریہ نے ابن حضرمی کے مکان کا محاصرہ کر لیا، اوّل ان لوگوں کو ترغیب و ترہیب سے فتنہ انگیزی سے باز آنے کے لئے کہا لیکن جب باز نہ آئے تو مکان میں آگ لگا کر انہیں جلا ڈالا[1]۔

ابن حضرمی اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ اس سنگدلانہ سلوک سے بجائے فائدہ کے نقصان ہوا۔ ابتک تو بصرہ ہی فتنہ و فساد کا مرکز تھا اب یہ آگ فارس اور کرمان تک پھیل گئی۔ اُن لوگوں نے خراج دینے سے انکار کر دیا

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۳۱۶۔

اور اپنے عامل سہل بن حنیف کو نکال دیا۔ حضرت علی نے حضرت ابن عباس کے مشورہ سے زیاد بن ابی سفیان کو فارس اور کرمان کا والی بنا کر اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے روانہ کیا۔ زیاد نے آبِ خنجر سے آتشِ بغاوت کو سرد کیا اور دوبارہ امن و امان قائم کیا۔

## امیر معاویہ کے جارحانہ حملے :-

حضرت معاویہ نے اس شورشِ عام سے فائدہ اٹھایا۔ ۳۹ھ کے آغاز میں جبکہ مقبوضاتِ خلافت میں فتنہ و فساد کے شعلے بھڑک رہے تھے، اور شیعانِ علیؑ کے جوش و ولولے ٹھنڈے پڑ چکے تھے، حضرت معاویہ نے مختلف اطراف میں جارحانہ حملے شروع کر دیے۔

نعمان بن بشیر کو دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ عین التمر کی طرف روانہ کیا۔ یہاں نعمان کا مقابلہ مالک بن کعب سے ہوا۔ مالک کے ساتھیوں پر شامیوں کا ایسا رعب چھایا کہ سو آدمیوں کے سوا سب بھاگ کھڑے ہوئے۔ مالک نے حضرت علی سے مدد طلب کی۔ حضرت علی نے اہلِ کوفہ کو جمع کر کے ایک پرجوش خطبہ دیا، مگر اہلِ کوفہ پر کچھ اثر نہ ہوا اور دربارِ خلافت سے مالک کو کچھ مدد نہ پہنچ سکی۔ تاہم مالک نے اپنے مختصر رفقاء کے ساتھ نعمان کا اُس وقت تک بہادرانہ مقابلہ کیا جبتک کہ مخنف بن سلیم اُن کی مدد کو نہ پہنچ گئے اور آخرِ کار نعمان کو شام واپس جانے پر مجبور کر دیا۔

سفیان بن عوف کو چھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ ہیت کی طرف روانہ کیا۔ سفیان ہیت پہنچا تو یہاں میدان خالی پایا۔ سفیان نے انبار کا رُخ کیا۔ یہاں پانسو آدمی مقابلہ کے لئے موجود تھے تاہم بجز سو آدمیوں کے سب بھاگ کھڑے ہوئے ان سو نے اس وقت تک میدان نہ چھوڑا جب تک کہ اُن کا امیر اشرس قتل نہ ہو گیا۔ سفیان یہاں سے مال و اسباب اور خزانہ لوٹ کر شام واپس چلا گیا۔

عبداللہ بن مسعدہ کو ایک ہزار سات سو کی جمعیت کے ساتھ تیماد کی طرف روانہ کیا۔ عبداللہ نے اہلِ تیماد سے بجبر محاصل وصول کرنے شروع کر دیے حضرت علی نے مسیب بن نجبیہ کو دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ دونوں لشکروں میں سخت جنگ ہوئی۔ آخر کار مسیب نے عبداللہ کو ایک قلعہ میں محصور کر کے اِس شرط پر چھوڑ دیا کہ وہ شام واپس چلا جائے۔

ضحاک بن قیس کو تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ اطرافِ بصرہ پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا۔ حضرت علی نے حجر بن عدی کو چار ہزار کی جمعیت کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ دونوں لشکروں میں سارے دن لڑائی ہوتی رہی۔ رات ہوتے ضحاک نے شام کی راہ لی۔

امیر معاویہ کے ان حملوں سے اُن کی حدود مملکت میں تو اضافہ نہ ہوا، تاہم یہ نتیجہ ضرور نکلا کہ نظامِ خلافت اسلامیہ کی جڑیں ہل گئیں، حضرت علی کے مقبوضات میں عام ابتری اور بدامنی پھیل گئی، اور مرکزِ خلافت کا رعب

دِلوں سے جاتا رہا۔

زمانۂ حج میں حضرت علی نے قثم بن عباس کو اپنی طرف سے امیر الحج بنا کر مکّہ معظمہ بھیجا۔ اِدھر حضرت معاویہ نے یزید بن سخبرہ رہاوی کو اپنی جانب سے امیر الحج نامزد کر کے روانہ کیا۔ دونوں میں کشمکش ہوئی اور آخر فیصلہ یہ ہوا کہ شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ امارتِ حج کے فرائض انجام دیں۔ اس طرح اقتدارِ خلافت کا یہ مظہر بھی حضرت علی کے ہاتھ سے نکل گیا۔

## امیر معاویہ کا حجاز و یمن پر قبضہ :۔

۴۰ھ کے آغاز میں، امیر معاویہ نے بسر بن ابی ارطاۃ کو تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ حجاز کی طرف روانہ کیا۔ بسر مدینہ پہنچا اور بلا مقابلہ شہر پر قبضہ کر لیا۔ عامل مدینہ ابو ایوب مقابلہ کی طاقت نہ دیکھ کر حضرت علیؓ کے پاس کوفہ چلے گئے۔ بسر نے اہلِ مدینہ سے جبراً بیعت لی اور جس نے چون و چرا کی اُن کے مکانات منہدم کر دیئے۔ بسر نے مسجد نبوی کے منبر پر کھڑے ہو کر چیخ چیخ کر کہا :۔

”میرا شیخ (عثمان غنیؓ) آج کہاں ہے؟ کل وہ مدینہ ہی میں موجود تھا آج کہاں ہے! اے اہلِ مدینہ قسم ہے خُدا کی اگر معاویہ مجھ سے عہد نہ لے چکے ہوتے تو مدینہ میں کسی بالغ کو زندہ نہ چھوڑتا۔“ مدینہ کے بعد، بسر مکّہ معظمہ پہنچا وہاں بھی بلا مقابلہ قبضہ کیا اور حضرت معاویہ کے لئے بیعت لی۔ مکّہ سے

بسر نے یمن کا قصد کیا۔ حضرت علی کی طرف سے یمن کے والی عبید اللہ بن عباس تھے۔ وہ صنعاء کو چھوڑ کر کوفہ چلے گئے۔ بسر نے ان کے دو کمسن بچوں کو قتل کر دیا۔ بسر نے یہاں اور بھی بہت سے حامیانِ علی کو تہ تیغ کیا حضرت علی کو، بسر کے اِن مظالم کی اطلاع پہنچی تو آپ نے جاریہ بن قدامہ کو دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ جاریہ بخران پہنچے تو وہاں انہوں نے مددگارانِ عثمان کو تہ تیغ کیا اور اُن کے گھروں کو آگ لگا دی۔ بسر کو جاریہ کے آنے کی خبر پہنچی تو اُس نے شام کا راستہ لیا۔ جاریہ مکہ پہنچے اور وہاں حضرت علی کی بیعت کے لئے دعوت دی۔ اِسی دوران میں امیر المومنین حضرت علی کی شہادت واقع ہو گئی اور جاریہ کی مہم ناکام رہ گئی۔

ابن جریر کی روایت کے مطابق، اس سال کے آخر میں حضرت معاویہ نے حضرت علی کو لکھا کہ اُمت میں بہت خونریزی ہو چکی، اب کب تک مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہے گا بہتر یہ ہے کہ فریقین اپنے اپنے مقبوضات پر اکتفا کریں اور ایک دوسرے سے چھیڑ چھاڑ نہ ہو۔ حضرت علی نے حضرت معاویہ کی اِس رائے سے اتفاق کیا اور دونوں بزرگوں میں صلح ہو گئی۔[لہ]

---

لہ البدایہ والنہایہ ج ۷ ص۳۲۲۔

## شہادت علی رضی اللہ عنہ :۔

واقعہ نہروان کے بعد، تین خارجی، عبدالرحمٰن بن ملجم حمیری، برک بن عبداللہ تمیمی اور عمرو بن بکر تمیمی، مکہ معظمہ میں ملے۔ یہ تینوں عالم اسلام کی خانہ جنگی اور بدنظمی کا ذکر کر کے دیر تک افسوس کرتے رہے۔ پھر انہوں نے مقتولینِ نہروان کی یاد میں آنسو بہائے اور کہنے لگے کہ اپنے بھائیوں کی موت کے بعد، زندگی میں ہمارے لئے کچھ لطف نہیں رہا۔ بہتر یہ ہے کہ ہم علیؓ، معاویہ اور عمرو بن عاص کو ٹھکانے لگا دیں تاکہ ایک طرف عالم اسلام اِس خون خرابہ سے نجات پائے اور دوسری طرف ہم اپنے بھائیوں کا انتقام لے لیں۔ آخر طے یہ پایا کہ عبدالرحمٰن حضرت علی کو، برک حضرت معاویہ کو اور عمرو، عمرو بن عاص کو شہید کرے۔ ۱۷ رمضان ۴۰ھ کی تاریخ اِس کام کو انجام دینے کے لئے تجویز ہوئی۔

حسب قرارداد ابن ملجم کوفہ آیا اور یہاں خاندان بنی رباب سے جو خارجی عقیدہ رکھتا تھا تعلقات پیدا کئے۔ اِس خاندان میں ایک حسین و جمیل عورت تھی جس کا نام قطام تھا۔ ابن ملجم اُس کا گرویدہ ہو گیا اور اُسے شادی کا پیغام دیا۔ قطام نے کہا مجھے تمہارا پیغام منظور ہے، مگر مہر وہ ہو گا جو میں تجویز کروں۔ ابن ملجم نے کہا، تم کیا مہر تجویز کرتی ہو؟ قطام نے جواب دیا، تین ہزار درم، ایک غلام، ایک باندی اور حضرت علی کا سر۔ ابن ملجم نے کہا،

مجھے بسر و چشم منظور ہے، علی کے سر کے لئے تو میں کوفہ ہی آیا ہوں۔ غرض ابن ملجم اور قطام کی شادی ہوگئی۔ اور دونوں ملکر اس مقصد کی تکمیل کی تدبیریں کرنے لگے۔ ابن ملجم اور قطام کی کوششوں سے شبیب بن نجدہ حروری اور وردان دو اور خارجی بھی اِس سازش میں شریک ہو گئے۔

۱۷ رمضان ۴۰ھ جمعہ کی رات کو تینوں جامع کوفہ میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ فجر کے وقت حضرت علی مسجد میں داخل ہوئے اور حسب معمول سونے والوں کو نماز کے لئے جگانا شروع کیا۔ شبیب کمین گاہ سے نکلا اور حضرت علی پر تلوار کا وار کیا۔ آپ محراب میں گر پڑے۔ اب ابن ملجم آگے بڑھا اور حضرت امیر کے سر مبارک پر دوسرا وار کیا۔ حضرت کی ڈاڑھی خون میں تر بتر ہوگئی۔ آپ نے پکار کر کہا میرے قاتل کو پکڑو۔ وردان اور شبیب دونوں بھاگ نکلے۔ لیکن ابن ملجم پکڑ لیا گیا۔ حضرت علی کو آپ کے مکان پر لایا گیا اور ابن ملجم کو آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ نے فرمایا "اگر میں مر گیا تو اِس شخص کو قتل کر دینا اور اگر زندہ رہا تو خود جو سزا مناسب سمجھونگا دیدوں گا"۔

جب اُمید حیات منقطع ہوگئی تو آپ نے اپنے صاحبزادوں کو بلایا اور اُنہیں تقویٰ، حُسنِ عمل اور خدمتِ دین کی وصیت فرمائی۔ کسی نے پوچھا، "یا حضرت! آپکے بعد ہم حضرت حسن کے ہاتھ پر بیعت کر لیں"۔ آپ نے جواب دیا "نہ میں تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ اِس سے منع کرتا ہوں

جیسا مناسب سمجھو کرنا"

آخر کار اسی دن رات کو، آسمانِ رسالت کا یہ ستارہ درخشندہ غروب ہو گیا

رحلت کے وقت یہ آیہ کریمہ وردِ زبان تھی:۔

فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ "جو شخص ذرہ برابر نیکی کریگا، اُسکی جزا پائیگا اور

ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ جو شخص ذرہ برابر بدی کریگا، اُسکی سزا پائے گا"

آپ کی عمر ۶۳ سال ہوئی، اور تقریباً چار سال نو مہینے مسندِ خلافت پر متمکن رہے،

آپکے جنازہ کی نماز حضرت امام حسن نے پڑھائی اور ابن کثیر کی مرجح روایت کے

مطابق دار الخلافہ کوفہ کے اندرونی حصے میں دفن کیا گیا[۱]۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت امیر کے وصال کے بعد، حضرت حسن نے ابن ملجم کو بلایا۔ ابن ملجم

نے کہا کہ میں علی کی طرح معاویہ کے قتل کا بھی عہد کر چکا ہوں۔ اگر آپ اجازت

دیں تو میں اِس فرض کو بھی ادا کر لوں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر زندہ رہا تو

ضرور حاضر خدمت ہو جاؤں گا۔ حضرت حسن نے ابن ملجم کی اِس درخواست

---

[۱] بعض شیعہ صاحبان کا خیال ہے کہ حضرت علی کی قبر نجف میں ہے، علامہ ابن کثیر نے اِس خیال کو بے اصل قرار دیا ہے، پھر خطیب بغدادی کی روایت نقل کی ہے کہ نجف میں جو قبر حضرت علی کی طرف منسوب ہے وہ دراصل حضرت مغیرہ بن شعبہ کی ہے۔ اِس کے علاوہ حضرت علی کے مدفن کے متعلق اور بھی متعدد روایات نقل کی ہیں۔ (ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۲۹ و ص ۳۳۰) ۱۲

(مؤلف)

کو رد کر دیا اور عبداللہ بن جعفر کو قتل کا حکم دیا۔

ابن ملجم کو اپنے عقیدۂ باطل پر اس قدر یقین تھا کہ وہ قتل کے وقت سورۂ اقراء کی تلاوت کر رہا تھا اور کہتا تھا کہ میں اس وقت اپنی زبان کو ذکر اللہ سے غافل نہیں کرنا چاہتا۔

ابن ملجم کا دوسرا ساتھی برک بن عبداللہ دمشق پہنچا اور اس نے بھی اسی دن، اسی وقت، حضرت معاویہ پر جبکہ وہ نماز فجر سے فارغ ہو کر مسجد سے نکل رہے تھے حملہ کیا۔ حضرت معاویہ کے معمولی زخم آیا جو جلد اچھا ہو گیا۔ برک گرفتار ہوا اور قتل کر دیا گیا۔ اس واقعہ کے بعد حضرت معاویہ نے اپنے لئے مسجد میں مقصورہ بنوا لیا، اور ایک محافظ دستہ مقرر کیا جو نماز کے وقت اُن کی حفاظت کرتا تھا۔

ابن ملجم کا تیسرا ساتھی عمرو بن بکر مصر پہنچا اور اس نے بھی وقت معینہ پر اپنا عہد پورا کرنے کی کوشش کی۔ حسنِ اتفاق سے اس روز عمرو بن عاص بیماری کی وجہ سے مسجد نہ آسکے، اور ان کی بجائے خارجہ بن ابی حبیبہ نے امامت کی۔ عمرو بن بکر نے خارجہ کو عمرو بن عاص سمجھ کر حملہ کیا اور انہیں قتل کر دیا۔ عمرو بن بکر بھی گرفتار ہوا اور قتل کر دیا گیا۔

## خاندان علی مرتضیٰ :-

حضرت علی مرتضیٰ نے سب سے پہلے، جگر گوشۂ رسول، خاتونِ جنّت،

فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شادی کی۔ خاتونِ جنت کے بطن سے تین صاحبزادے حسن، حسین، محسن اور دو صاحبزادیاں زینب کبریٰ اور ام کلثوم کبریٰ پیدا ہوئیں۔ محسن نے بچپن ہی میں انتقال کیا۔

خاتون جنت کے جنت۔ کو سدھارنے کے بعد آپ نے متعدد شادیاں کیں اور اُن سے بکثرت اولاد پیدا ہوئی۔ تفصیل یہ ہے:-

(۲) ام البنین بنت حزام۔ ان کے بطن سے عباس، جعفر، عبداللہ اور عثمان پیدا ہوئے۔

(۳) لیلیٰ بنت مسعود تمیمی۔ ان سے عبیداللہ اور ابوبکر پیدا ہوئے۔

(۴) اسماء بنت عمیس۔ ان کے بطن سے یحییٰ اور محمد اصغر پیدا ہوئے۔

(۵) صہباء بنت ربیعہ۔ یہ ام ولد تھیں، ان سے ایک صاحبزادہ عمر اور ایک صاحبزادی رقیہ پیدا ہوئیں۔

(۶) امامہ بنت ابی العاص۔ یہ حضرت زینب بنت رسول اللہ صلعم کی صاحبزادی تھیں، ان کے بطن سے محمد اوسط پیدا ہوئے۔

(۷) خولہ بنت جعفر حنفیہ۔ ان کے بطن سے محمد بن حنفیہ پیدا ہوئے۔

(۸) ام سعید بنت عروہ۔ ان سے ام الحسن اور رملہ کبریٰ پیدا ہوئیں۔

(۹) محیاۃ بنت امرءالقیس۔ ان کے بطن سے ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں جو بچپن ہی میں فوت ہوگئیں۔

اِن کے علاوہ، کاشانۂ امارت میں متعدد لونڈیاں بھی تھیں جن کے بطن سے حسب ذیل صاحبزادیاں تولد ہوئیں :-

ام ہانی - میمونہ - زینب صغریٰ - رملہ صغریٰ - ام کلثوم صغریٰ - فاطمہ - امامہ - خدیجہ - ام الکرام - ام سلمہ - ام جعفر - جمانہ - نفیسہ -

ابن جریر طبری کی روایت کے مطابق، آپ کے چودہ صاحبزادے اور سترہ صاحبزادیاں تھیں اور واقدی کے قول کے مطابق آپ کے پانچ صاحبزادوں سے سلسلۂ نسل جاری رہا۔ اُن کے نام یہ ہیں :-
حسن - حسین، محمد بن حنفیہ - عباس، عمر (رضی اللہ عنہم) +

# عہدِ امام حسن رضی اللہ عنہ

## اِنتخاب اور عزمِ مقابلہ :-

حضرت علی مرتضیٰ کی شہادت کے بعد، اہلِ کوفہ مسجد جامع میں جمع ہوئے، اور آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی۔

حضرت معاویہ کو جب حضرت علی کی شہادت اور امام حسن کی بیعت کی خبر معلوم ہوئی تو انہوں نے اپنے لئے دوبارہ بیعت لی اور ساٹھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ کوفہ کا رُخ کیا۔ امام حسن کو حضرت معاویہ کی روانگی کی اِطلاع ملی تو انہوں نے بھی چالیس ہزار کے لشکر کے ساتھ حضرت معاویہ کو روکنے کے لئے مدائن کی طرف کوچ کیا۔

امام حسن ساباط پہنچے تو آپ نے آرام کرنے کے لئے وہاں لشکر کو قیام کا حکم دیا۔ یہاں آپ نے اپنے لشکر کی حالت کا اندازہ لگایا، تو آپ نے ان کی عجیب کیفیت پائی۔ وہ اپنی طبعی فتنہ جوئی کے سبب مصالحت کو پسند نہ کرتے تھے، مگر اپنی پست ہمتی کی وجہ سے جنگ کے لئے بھی مستعد نہ تھے۔ پھر ان میں اختلافِ رائے بھی موجود تھا۔ آپ نے یہ کیفیت دیکھ کر انہیں جمع کیا، اور حسبِ ذیل تقریر فرمائی :-

لوگو! خُدا کے فضل سے میرے دل میں کسی مسلمان کی طرف سے کینہ نہیں ہے۔ مجھے تمہاری بہتری بھی اپنی بہتری کی طرح عزیز ہے' اس لئے میری مخلصانہ رائے یہ ہے کہ اتفاق بہر حال اختلاف سے بہتر ہے میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے اکثر لڑائی سے بیزار ہیں' لہذا میں مناسب نہیں سمجھتا کہ تمہیں اس کام پر مجبور کروں جسے تم دل سے پسند نہیں کرتے!

امام حسن کی تقریر ختم ہوتے ہی مجمع میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ ایک جماعت نے کہا' حسن بھی اپنے باپ کی طرح کافر ہو گئے ہیں۔ اسی شور و شغب میں ایک گروہ نے امام حسن پر حملہ کر دیا۔ آپ کے خیمہ کا سامان لوٹ لیا' آپ کے نیچے سے مُصلّٰی اور آپ کے کاندھے سے چادر تک کھینچ لی۔ امام حسن کو اس بدتمیزی پر سخت غصہ آیا' فوراً گھوڑے پر سوار ہوئے اور پکار کر کہا' "ربیعہ اور ہمدان کے قبیلے کہاں ہیں"؟ امام حسن کی پکار سنتے ہی یہ دونوں قبیلے دوڑ پڑے اور حملہ آوروں کو مار بھگایا[1]

اس واقعہ سے حضرت امام کو یقین ہو گیا کہ اہل کوفہ اپنی سرشت سے مجبور ہیں اور خلافت جیسی اہم ذمہ داری کا بار ان کی امداد کے بھروسہ پر نہیں اُٹھایا جا سکتا۔ ساباط سے امام حسن مدائن کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں جراح بن قبیصہ

---

[1] الاخبار الطوال صہ ۲۱۸۔

خارجی نے آپ کے نیزہ مارا۔ آپ کو مدائن میں لایا گیا۔ یہاں آپ قصرِ ابیض میں فروکش ہوئے اور کچھ روز علاج کے بعد تندرست ہو گئے۔

امام حسن نے قیس بن سعد بن عبادہ کو بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ بطور مقدمۃ الجیش کے آگے بھیج دیا تھا۔ قیس بن سعد انبار پہنچکر ٹھہر گئے تھے۔ حضرت معاویہ انبار پہنچے انہوں نے قیس کے لشکر کا محاصرہ کر لیا، اور عبداللہ بن عامر کو پیغام صلح دیکر امام حسن کی خدمت میں روانہ کیا۔

## صلح:۔

امام حسن کو عبداللہ بن عامر کی مدائن کی طرف پیش قدمی کی اطلاع ملی تو آپ اپنے لشکر کو لیکر مدائن سے نکلے۔ عبداللہ بن عامر کی جمعیت امام حسن کے لشکر کے مقابل پہنچی تو عبداللہ بن عامر نے چیخ کر کہا:۔

"اے اہلِ عراق، میں لڑنے کے ارادہ سے نہیں آیا ہوں بلکہ معاویہ کی طرف سے صلح کا پیغام لیکر آیا ہوں۔ ابو محمد (حسن) کو میرا اسلام پہنچاؤ اور میری طرف سے عرض کرو کہ جماعت مسلمین کو جنگ کی ہلاکت سے بچائیں"۔

اہلِ عراق نے یہ پیغام سُنا تو انہوں نے لڑائی سے اجتناب کو پسند کیا۔ چنانچہ امام حسن اپنے لشکر کے ساتھ مدائن میں واپس چلے آئے۔ یہاں سے آپ نے عبداللہ بن عامر کو جواب بھیجا کہ "میں چند شرائط کے ساتھ

حضرت معاویہ سے صلح کرنے اور خلافت سے دستبردار ہونے کے لئے تیار ہوں"
عبداللہ بن عامر حضرت معاویہ کے پاس گئے اور انہیں مژدہ صلح سنایا۔
حضرت معاویہ بہت خوش ہوئے، انہوں نے ایک سادہ کاغذ پر اپنی مہر و
دستخط ثبت کرکے عبداللہ بن عامر کے حوالہ کیا اور کہا کہ "یہ حسن کو دیدو اور
اُن سے کہدو کہ وہ جو شرائط پسند کریں اس پر لکھ دیں مجھے منظور ہیں"۔

امام حسن نے یہ شرطیں لکھیں:۔

(۱) اہلِ عراق کو امنِ عام دیدیا جائے اور گزشتہ واقعات کے سلسلہ میں کسی
کی گرفت نہو۔

(۲) اہواز کا خراج میرے نام لکھ دیا جائے۔

(۳) میرے بھائی حسین کو بیس لاکھ درہم سالانہ وظیفہ دیا جائے۔

(۴) عطیات اور صلات میں بنی ہاشم کا حق دوسروں سے فائق سمجھا جائے۔

عہدنامہ کی تکمیل کے بعد امام حسن مدائن سے کوفہ واپس تشریف لے
آئے۔ حضرت معاویہ بھی انبار سے محاصرہ اُٹھا کر کوفہ آگئے۔ جامع کوفہ میں
حضرت معاویہ نے اہلِ عراق سے بیعت لی۔ پہلے حضرت امام نے بیعت
کی، پھر دوسرے اکابر و اصاغر نے۔ حضرت امام خلافت کے بار سے
سبکدوش ہو کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے اور بقیہ زندگی جوارِ رسول اللہ
میں گزار دی۔ اس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی

ان ابنی ھذا سید ولعل اللہ ان یصلح بہ بین طائفتین عظیمتین من المسلمین۔ — میرا یہ بیٹا "سید" ہے۔ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صُلح کا ذریعہ بنائے گا۔

یہ واقعہ ربیع الاوّل ۴۱ھ کا ہے چونکہ دس سال کی خانہ جنگی اور خونریزی کے بعد اس سال مُسلمانوں میں اتحاد و اتفاق ہُوا تھا، اِس لئے اس سال کا نام "عام الجماعت" رکھا گیا۔

اکثر مورخین نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے عہد کو نہایت مختصر ہونے کے سبب دورِ خلافتِ راشدہ میں شمار نہیں کیا۔ تاہم آپ کی بیعت کی حیثیت وہی تھی جو آپ کے والد بزرگوار حضرت علیؓ کی بیعت کی تھی، نیز فرمانِ نبویؐ الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ خلافت راشدہ میرے بعد تیس سال رہیگی۔ کی رو سے آپ کا عہد زمانہ خلافت راشدہ میں شامل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ہم نے حضرت امام عالی مقام کے عہد صلح و سلام کا ذکر مناسب سمجھا۔ رضی اللہ عنہ

# نظامِ خلافتِ راشدہ

## مقامِ خلافت

خلافتِ راشدہ کے نظامِ حکومت کا مرکزی نقطہ خود خلیفہ کی ذات تھی۔ خلیفہ حکومتِ الٰہی کا رئیس ہونے کی حیثیت سے کتاب و سنت کا ترجمان، اور نبی اکرم صلعم کا جانشین تھا۔ لیکن اپنی ذاتی حیثیت سے وہ اُمتِ مسلمہ کا ایک فرد تھا اور اُس میں اور کسی دُوسرے مسلمان میں کوئی فرق نہ تھا۔

مقام یرموک میں، مسلمانوں اور رومیوں میں ایک فیصلہ کن معرکہ گرم ہے۔ رومیوں کی ٹڈی دل فوجوں کے مقابلہ میں، شام و عراق کی اسلامی فوجیں مجتمع ہو کر دادِ شجاعت دے رہی ہیں۔ خالد بن ولید ایک نئے طرز پر اسلامی فوجوں کو لڑا رہے ہیں۔ سپہ سالارِ اسلامی کی مہارت قیادت کی بدولت نقشۂ جنگ میں فتح و ظفر کا رنگ بھرا جا رہا ہے، ہر شخص سیف اللہ کی رزمی و برائی پر عش عش کر اٹھتا ہے۔ یکایک خلیفۂ اسلام کا حکم پہنچتا ہے، کہ خالد اپنے عہدہ سے معزول کئے جاتے ہیں۔ سپہ سالار دربارِ خلافت کے اِس حکم کے آگے سر جھکا دیتا ہے۔ اُسکی پیشانی پر کوئی بل نہیں پڑتا، اور اُس کی تلوار کی روانی میں کوئی فرق نہیں آتا

یہ ہے خلیفہ اسلام کی پہلی حیثیت۔

مسجد نبویؐ میں حضرت عمر تقریر فرماتے ہیں کہ ایک شخص مجمع عام میں سے کھڑا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے "اے عمر خاموش ہو جاؤ ہم تمہاری بات نہیں سنتے" جو مال غنیمت تقسیم ہوا ہے اس میں سے سب کو ایک ایک چادر ملی ہے، تمہارے پاس دو چادریں کہاں سے آئیں کہ ایک کی قمیص بنالی ہے اور ایک اوڑھے ہوئے ہو؟" حضرت عمر نے فرمایا "میرا بیٹا عبداللہ اس کا جواب دیگا" عبداللہ بن عمر نے کھڑے ہو کر کہا "امیرالمومنین نے بھی ایک ہی چادر لی ہے دوسری چادر جس کی قمیص پہنے ہوئے ہیں میرے حصّہ کی ہے جو میں نے اپنے والد کو دیدی ہے" یہ ہے خلیفہ اسلام کی دوسری حیثیت۔

حقیقت یہ ہے کہ "خلیفہ راشد" کو جو کچھ امتیاز حاصل تھا وہ اس حیثیت سے حاصل تھا کہ وہ قانونِ شریعت کا ترجمان اور اس کا نفاذ کرنے والا ہے۔ لہٰذا اگر کسی کو یہ شبہ ہو جاتا کہ اس کا قدم قانونِ شریعت کے دائرہ سے باہر جا رہا ہے تو پھر اُس کی نگاہوں میں اس کی کوئی حیثیت نہ تھی۔

عہدِ اسلام کے خلیفہ اوّل نے خلافت کے بار کو سنبھالتے ہی، امتیازاتِ خلافت کی حدود کو ان الفاظ میں ظاہر کر دیا تھا۔

ایّھا الناس انما انا متبع ولست "اے لوگو! میں تو احکام شریعت کی

بمبتدع۔ فاذا احسنت فاعینونی پیروی کرنے والا ہوں، کوئی بات وان انا زغت فقومونی[1]۔ اپنی طرف سے ایجاد کرنے والا نہیں۔ لہذا جب میں صحیح راستہ پر چلوں تو میری مدد کرو اور اگر اس سے انحراف کروں تو مجھے سیدھا کرو"۔

خلفائے راشدین، رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیاں، ان ہی حدود کی عملی تفسیر ہیں۔

## طرزِ حکومت:۔

ترکیب اور ساخت کے لحاظ سے آجکل حکومت کی دو بڑی تقسیمیں کی جاتی ہیں۔ جمہوری اور شخصی، جمہوری حکومت یا ڈیموکریسی (Democracy) میں قانون سازی اور قانون کے نفاذ کے جملہ اختیارات عوام کو حاصل ہوتے ہیں۔ عوام کی منتخبہ "مجلس مقننہ" (Constituent Assembly) قانون بناتی ہے اور مجلس مقننہ کا صدر اپنے مشیروں کی ایک جماعت "کابینہ" (Cabinet) کے ساتھ ملک کا نظم و نسق اُس قانون کے مطابق قائم کرتا ہے۔ شخصی حکومت یا امپیریلزم (Imperialism.) میں حکومت کا تمام تر تعلق بادشاہ کی ذات سے ہوتا ہے، اُس کی زبان قانون ہوتی ہے اور اُس کی طاقت قوتِ نافذہ"۔

سطور بالا میں خلیفہ کی حیثیت کے متعلق ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس سے

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام ص۱۹۱ بحوالہ تاریخ سیوطی۔

یہ واضح ہو جاتا ہے کہ خلافتِ راشدہ کا نظام حکومت نہ شخصی کہا جا سکتا ہے اور نہ جمہوری۔ اسلام کا قانونِ شریعت مدون و مرتب پہلے ہی موجود تھا۔ خلیفہ یا عوام کسی کو بھی اس میں ذرہ برابر تغیر و تبدل کا اختیار حاصل نہ تھا۔ البتہ جہاں تک قانونِ شریعت کے نفاذ کا تعلق ہے یہ خلیفہ کا فرضِ منصبی تھا حکومت کے اس شعبہ میں وہ عوام کے سامنے جوابدہ تھا۔ اور امت کا ہر فرد معمولی لغزش پر اسے سرِ منبر ٹوک سکتا تھا۔

## خلافتِ راشدہ کی خصوصیات:۔

خلافت راشدہ میں خاندانی حقوق اور وراثت کو دخل نہ تھا۔ زیادہ سے زیادہ "قرشیت" کی قید تھی۔ چاروں خلفاء راشدین تین مختلف خاندانوں کے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق "بنی تیم" کے خاندان سے تھے۔ حضرت عمر فاروق "بنی عدی" کے خاندان سے اور حضرت عثمانؓ و علیؓ "بنی عبد مناف" کے خاندان سے۔ جناب رسول اللہ صلعم کے علمی و عملی کمالات کا پرتو ہی استحقاق خلافت کے لئے اصل جوہر سمجھا جاتا تھا۔ حضرت عمر فاروق کے صاحبزادہ عبداللہ بن عمرؓ کمالات کے لحاظ سے بھی ہر طرح اپنے والد بزرگوار کی جانشینی کے لائق تھے۔ تاہم حضرت عمر نے صاف فرما دیا کہ "خاندان خطاب میں سے ایک شخص ہی اس ذمہ داری کی جوابدہی کے لئے بہت کافی ہے"۔

حضرت علیؓ سے جب حضرت امام حسنؓ کی خلافت کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے

بھی اِس اہم مسئلہ کو اُمتِ مسلمہ کی صوابدید ہی پر چھوڑ دیا۔

خلفاء راشدین کو قانونِ شریعت کے صحیح طور پر سمجھنے اور عملدرآمد میں مدد دینے کے لئے مجلس شوریٰ موجود ہوتی تھی۔ حضرت عمرؓ کے ارکانِ شوریٰ میں عثمانؓ بن عفان، عباسؓ بن عبدالمطلب، عبدالرحمنؓ بن عوف، علیؓ بن ابی طالب معاذ بن جبلؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن عباسؓ جیسے اکابر علم و عمل شامل تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طریقہ یہ تھا کہ خلیفہ مسئلہ زیر بحث کو ارکان شوریٰ کے سامنے پیش کرتا۔ ارکان شوریٰ اگر متفقہ طور پر کوئی فیصلہ کرتے تو خلیفہ اس پر عمل درآمد کرتا۔ اگر ارکان شوریٰ کی آراء میں اختلاف ہوتا تو اپنی رائے سے کسی ایک صورت کو ترجیح دیدیتا۔ کبھی کبھی معاملہ کے اہم ہونے کی صورت میں عامۃ المسلمین سے بھی رائے لیجاتی لیکن اگر مجلس عام اور مجلس شوریٰ کی رایوں میں اختلاف ہوتا تو اہل شوریٰ کی رائے کو ترجیح حاصل ہوتی۔ جنگ قادسیہ کی قیادت کے مسئلہ میں ایسا ہی ہوا!

---

مقدمہ کتاب میں اِس موضوع پر ہم ایک اُصولی بحث کر چکے ہیں۔

---

خلفاء راشدین کی زندگی میں شاہانہ جاہ و حشم کو دخل نہ تھا۔ اُن کی غذا، اُن کا لباس، ان کا مکان اور ان کا ساز و سامان بالکل سادہ بلکہ فقیرانہ ہوتا تھا اُن کا رہن سہن اُمت کے ایک عام فرد کی طرح تھا۔ امیر و فقیر کو ان کی مجلس میں یکساں درجہ حاصل تھا اور معمولی سے معمولی کام خود انجام دینے میں آ ہنیں

مطلق عار نہ تھا۔

احنف بن قیس امرائے عرب کے ساتھ ایک دن حضرت عمر کی ملاقات کو گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ امیرالمومنین دامن چڑھائے اِدھر اُدھر بھاگے پھرتے ہیں۔ احنف کو دیکھا تو کہا "آؤ تم بھی میرا ساتھ دو، بیت المال کا ایک اُونٹ بھاگ گیا ہے، تمہیں معلوم ہے کہ اس میں بہت سے غریبوں کا حق ہے" ایک شخص نے کہا، "امیرالمومنین آپ کیوں تکلیف کرتے ہیں، کسی غلام کو حکم دیجئے وہ ڈھونڈھ لائے گا۔" آپ نے فرمایا "مجھ سے بڑھکر کون غلام ہوسکتا ہے؟" اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں جن میں سے بعض سابق میں گزر چکے ہیں۔

خلفاء راشدین بیت المال کو قوم کی ملکیت سمجھتے تھے۔ بجز مقررہ گزارہ کے اپنی ذات اور اپنے خاندان کے آرام و آسایش کے لئے وہ اُس میں سے ایک پائی بھی نہ لیتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق کو تو اِس قدر احتیاط ملحوظ تھی کہ وہ بیت المال میں کچھ جمع ہی نہ ہونے دیتے۔ جو کچھ آتا فوراً مستحقین پر صرف کر دیتے۔ چنانچہ ان کے اِنتقال کے بعد بیت المال کی تلاشی لی گئی تو صرف ایک درم ملا۔ حضرت عمر کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ آپ کو بیماری کی وجہ سے شہد درکار ہوا۔ کہیں اور نہ ملتا تھا، بیت المال میں موجود تھا۔ آپ بیماری ہی کی حالت میں مسجد نبوی میں تشریف لائے اور عام مسلمانوں سے اُس کے استعمال کی اجازت طلب کی

جب اجازت مل گئی تب اُسے ہاتھ لگایا۔

خلفاء راشدین اپنے آپ کو مسلمانوں کا مخدوم نہیں بلکہ خادم سمجھتے تھے عام مسلمانوں کی ضروریات سے باخبر رہنے کی پوری کوشش کرتے تھے۔ دارالخلافہ میں خود ہی نمازوں کی امامت کرتے اور امارت حج کے فرائض بھی خود ہی انجام دیتے۔ اِس طرح انہیں عام مسلمانوں سے ملنے جُلنے کا موقع ملتا اور ہر شخص اپنی ضرورت و شکایت اُن سے بیان کر سکتا۔ عام حکم تھا کہ جس کسی کو کسی افسر کے متعلق کوئی شکایت ہو وہ حج کے موقعہ پر آکر بیان کرے، عمال کو بھی حکم تھا کہ وہ ان شکایتوں کی جوابدہی کے لئے موقعہ پر موجود رہیں۔ خلافت کی گرانبار ذمّہ داریوں کے علاوہ، خلق اللہ کی نفع رسانی کو وہ اپنی زندگی کا مقصد سمجھتے تھے۔ محتاجوں کی دستگیری، ضعیفوں کی خدمتگزاری یتیموں اور بیواؤں کی سرپرستی، بیماروں کی تیمارداری اور مسافروں کی پاسبانی اُن کے محبوب مشاغل تھے۔

نواحِ مدینہ میں ایک ضعیف و نابینا عورت رہتی تھی حضرت عمرؓ کا معمول تھا کہ روزانہ علی الصباح اُس کے جھونپڑے میں جا کر اُس کی ضروری خدمات انجام دیتے تھے۔ کچھ دِنوں کے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ کوئی اللہ کا بندہ اِس کام میں اُن سے سبقت کر جاتا ہے۔ ایک روز اُس کا کھوج لگانے کے لئے کچھ رات رہتے آگئے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ حضرت صدیق اکبر

اس ضعیفہ کی خدمت کی سعادت سے بہرہ یاب ہو کر نکل رہے ہیں۔ متحیر ہو کر کہا "اے خلیفۂ رسول! خدا کی قسم کیا روز آپ ہی سبقت کر جاتے ہیں!"

اس قسم کے واقعات اگر کتب تاریخ میں سے جمع کیے جائیں تو کئی ضخیم جلدوں میں سمائیں۔

# صیغۂ عدالت

خلیفہ کے فرائض میں سے اہم فرض امت کے نزاعات کا فیصلہ تھا۔ اس فرض کو انجام دینے کے لئے وہ اپنی طرف سے نائب مقرر کر سکتا تھا۔ حضرت ابوبکر کے عہد تک خلیفہ کی طرف سے یہ فرض عمّال و ولاۃ ہی انجام دیتے تھے، مگر حضرت عمر کے عہد میں جب خلافت اسلامیہ کے حدود کی توسیع اور تمدن اسلامی کی ترویج ہوئی اور حکام و ولاۃ کے انتظامی مشاغل بڑھے تو صیغۂ عدالت کو صیغۂ انتظام سے علیحدہ کر دیا گیا۔

قضاۃ کے انتخاب میں بڑے غور و احتیاط سے کام لیا جاتا تھا۔ صرف وہی لوگ اس منصب کے لئے انتخاب کئے جاتے تھے جو قانونِ اسلام (کتاب و سنت) کا بہترین علم رکھتے تھے اور اپنے علم کو بروئے کار لانے کے لئے تقویٰ اور عدل کے اوصاف سے بھی متصف ہوتے تھے۔ ابن جوزی نے مناقب میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر نے قاضیِ دمشق سے پوچھا،

فصل خصومات میں آپ کا طریقہ کیا ہے؟ قاضی صاحب نے جواب دیا "میں پہلے کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتا ہوں پھر سنت رسول اللہ کی طرف رجوع کرتا ہوں اگر یہاں بھی کوئی صریح حکم نہیں پاتا تو امثال و نظائر میں غور و فکر کرتا ہوں اور اپنے معاصر علماء سے بھی اس مسئلہ میں مشورہ لیتا ہوں پھر فیصلہ کرتا ہوں"۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تمہارا طریقہ درست ہے، اتنا اور کیا کرو کہ جب مجلس قضاء میں بیٹھا کرو تو خدا سے دعا مانگا کرو کہ:-

اللھم انی اسئلک ان افتی بعلم واقضی بحکم واسئلک العدل فی الغضب والرضاء۔

"اے اللہ مجھے توفیق دے کہ میں علم کے ساتھ فتویٰ دوں اور حکم کتاب و سنت کے مطابق فیصلہ کروں، اور اے اللہ مجھے توفیق دے کہ میں رضامندی و ناراضی دونوں حالتوں میں حدود عدل سے تجاوز نہ کروں!"

قضاۃ کے انتخاب میں، ذکاوت و ذہانت کو بھی ملحوظ رکھا جاتا تھا، ایک قاضی نے حضرت عمرؓ سے کہا "میں نے دیکھا کہ سورج اور چاند آپس میں لڑ رہے ہیں اور دونوں کے ساتھ ستاروں کا ایک لشکر ہے"۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا پھر تم کس کے ساتھ ہوئے؟ قاضی نے کہا میں نے چاند کی طرفداری کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تم نے غلطی کی، قرآن کہتا ہے:-

وجعلنا اللیل والنھار اٰیتین فمحونا اٰیۃ اللیل وجعلنا

آیۃ النہار بمبصرہ۔ اور اُسے معزول کردیا۔[1]

یہ امر بھی ملحوظ رہتا تھا کہ قُضاۃ حرص و طمع سے مغلوب یا اثر و رعب سے مرعوب نہ ہوں۔ اِس لئے قضاۃ کی تنخواہیں بھی گراں قدر تجویز کی جاتی تھیں اور حتی الوسع دولتمند اور معزز اشخاص کا انتخاب کیا جاتا تھا حضرت ابو موسیٰ اشعری کے نام آپ نے جو فرمان لکھا اُس میں تصریح فرمائی کہ دولتمند رشوت کی طرف مائل نہ ہوگا اور معزز آدمی کسی سے مرعوب نہ ہو سکے گا۔

قضاۃ کو حکم تھا کہ وہ حتی الامکان فریقین میں آپس میں مُصالحت کرادیں، کنز العمال میں آپ کی یہ ہدایت منقول ہے۔ "فریقین مقدمہ کو لوٹا دو کہ وہ آپس میں مصالحت کے ذریعہ معاملہ طے کرلیں کیونکہ عدالتی فیصلہ سے معاملہ تو طے ہو جاتا ہے مگر دل صاف نہیں ہوتے۔[2]

قُضاۃ کو سخت تاکید تھی کہ وہ مدعی اور مدعا علیہ میں مساوات کو ملحوظ رکھیں زید بن ثابتؓ کی عدالت میں جب حضرت عمرؓ کو ایک مرتبہ مدعا علیہ کی حیثیت سے آنا پڑا اور زید نے آپ کو تعظیم دینی چاہی تو آپ نے اُن سے سخت ناراضگی کا اظہار کیا۔

ہر بڑے شہر میں، علماء و فقہاء کی ایک جماعت بھی موجود ہوتی تھی،

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام صفحہ ۳۰۶/۲ بحوالہ مناقب ابن جوزی۔
[2] اشہر المشاہیر صفحہ ۳۲۷/۲ بحوالہ کنز العمال۔

جن سے قضاۃ مشکل مقدمات کے فیصل کرنے میں مشورہ لیتے تھے۔ اِس کی ضرورت اِس لئے اور بھی تھی کہ احادیث رسول اللہ صلعم کتابوں کی صورت میں مدون نہیں ہوئی تھیں، بلکہ اصحابِ رسول اللہ کے سینوں میں محفوظ تھیں۔ جب کوئی اہم مقدمہ پیش ہوتا تو قضاۃ علماء کی طرف رجوع کرکے سنّتِ رسول اللہ صلعم کی روشنی میں مقدمہ کا فیصلہ کرتے۔

چونکہ بعض صحابہ کو جو حدیثیں معلوم تھیں وہ دوسروں کو نہ تھیں اِس لئے بعض اوقات مختلف شہروں کے قضاۃ کے فیصلے مختلف ہو جاتے تھے۔

ان علماء کرام کا یہ بھی فرض تھا کہ وہ قانونِ اسلام کی طرف عوام کی رہنمائی کریں اور بغیر کسی محنتانہ و شکرانہ کے عامۂ مسلمین کو آئینِ شریعت کی دفعات سے آگاہ کریں۔ چنانچہ اُن کے حلقہائے درس طالبانِ سنت سے بھرے رہتے تھے اور لوگ ہزاروں میل کے سفر طے کرکرکے اُنکے پاس پہنچتے تھے۔

چونکہ "تصفیۂ نزاعات" خلیفہ کے فرائضِ منصبی میں داخل تھا، اِس لئے فریقین مقدمہ کو انصاف کی کوئی قیمت ادا نہیں کرنی پڑتی تھی۔ طریقہ انصاف بھی بہت سیدھا سادہ تھا۔ عام طور پر مسجدیں ہی عدالتوں کی حیثیت سے استعمال ہوتی تھیں اور صاحب معاملہ بلا روک ٹوک حاکم تک پہنچ جاتا تھا۔

جہانتک معلوم ہو سکا ہے عدالتی کارروائی کا کوئی ریکارڈ نہیں رکھا جاتا تھا۔ نہ فیصلہ کی کوئی تحریری نقل فریقین مقدمہ کو دی جاتی تھی اور نہ فیصلہ

کے اجراء کے لئے کسی طاقت کا استعمال کیا جاتا تھا۔ فریقین مقدمہ کی حیثیت "طالبِ حق" کی ہوتی تھی اور جب انہیں اپنے نزاع کے متعلق شریعت کا حکم معلوم ہو جاتا تھا تو وہ خود اس کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیتے تھے[1]۔

# صیغۂ دفاع

"جہاد" یعنی دینِ اسلام کی حفاظت و حمایت کے لئے دشمنوں سے لڑنا اسلام نے فرض قرار دیا ہے۔ مگر یہ فرض "فرض کفایہ" ہے یعنی "امیر" اُمت میں سے بقدرِ ضرورت سپاہیوں کو جبریہ طلب کر سکتا ہے۔ عہدِ نبوت اور عہدِ ابوبکر رضی اللہ عنہ میں جب ضرورت پیش آتی تھی امیر قوم کو شرکتِ جنگ کی دعوت دیتا تھا، جو مسلمان لڑائی میں شریک ہوتے تھے اُن کو مالِ غنیمت میں سے حصہ مل جاتا تھا۔ پیدل کو ایک حصہ ملتا تھا اور سوار کو تین حصے۔ اس کے علاوہ حصوں کی تقسیم میں اور کوئی فرق ملحوظ نہیں ہوتا تھا۔

**دفترِ فوج کا اجراء:۔**

۱۵ھ میں حضرت عمر نے فوج کے لئے مستقل دفتر قائم کیا۔ تمام عرب کے

---

[1] محاضرات خضری ص ۳۵ ج ۲۔

فوجی جماعت قرار دیا گیا اور نبی عربیؐ کے ہم قوم ہونے کے لحاظ سے دین اسلام کا دفاع ان کے لئے لازمی قرار دیا گیا۔ عربوں کے علاوہ غیر ملکی مسلمانوں کے لئے فوجی خدمات اختیاری قرار دی گئیں۔ تمام اہل لشکر کے نام باقاعدہ رجسٹروں میں درج ہوئے۔ اور رسول اکرم صلعم سے قرابت اور دینی خدمات کے لحاظ سے ان کی حسب ذیل تنخواہیں مقرر ہوئیں۔

| | |
|---|---|
| حضرت عباس عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم | ۲۵ ہزار درہم سالانہ |
| ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم | ۱۰ ہزار درہم سالانہ |
| شرکاء جنگ بدر اور حضرات حسن و حسینؓ و ابوذر و سلمان فارسیؓ | ۵ ہزار درہم سالانہ |
| شرکاء صلح حدیبیہ۔ | ۴ ہزار " " |
| شرکاء حروب مرتدین۔ | ۳ ہزار " " |
| شرکاء جنگ قادسیہ و یرموک۔ | ۲ ہزار " " |
| قادسیہ و یرموک کے بعد کے مشہور معرکوں کے مجاہدین۔ | ۱ ہزار " " |

روادف (مذکورہ بالا طبقوں کے بعد کے مجاہدین) ۵۰۰ سے ۲۵ درہم تک۔ عورتوں کی بھی باعتبار درجات ۵ سو سے دو سو درہم سالانہ تک اور بچّوں کی سو درہم سالانہ تنخواہیں مقرر ہوئیں[۱]۔

اس سلسلہ میں عربی اور عجمی کا کوئی لحاظ نہ تھا۔ لحاظ تھا تو فقط خدمات

---

[۱] تاریخ ابن جریر طبری ج ۴، ص ۱۶۲ و ۱۶۳

اسلام کا۔ بلکہ بعض موقعوں پر تالیف قلوب کے خیال سے عجمیوں کے ساتھ امتیازی برتاؤ کیا گیا۔ جیسا کہ فتح تستر کے موقعہ پر سیاہ فارسی اور اُس کی قوم کے ساتھ۔ یہ صورت حضرت عثمانؓ کے عہد تک قائم رہی۔ حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ میں تمام مجاہدین کی تنخواہیں برابر کر دیں۔

فوج کا یہ نظام اِس قدر باقاعدہ اور حضرت عمر کی نگرانی اِس قدر سخت تھی کہ یہ ممکن نہ تھا کہ کوئی شخص اپنی ڈیوٹی سے غیر حاضر ہو جائے اور اُنہیں علم نہو۔

## طریقہ جنگ :۔

اسلام سے پہلے عرب میں لڑائی "کر و فر" کے طریقہ پر ہوتی تھی۔ اسکی صورت یہ تھی کہ پہلے دونوں طرف سے ایک ایک بہادر نکل کر بہادری کے جوہر دکھاتا تھا۔ پھر دونوں طرف کی فوجیں بے ترتیب گتھم گتھا ہو جاتی تھیں۔ بھاگتی تھیں پھر پلٹتی تھیں۔ پھر بھاگتی تھیں پھر پلٹتی تھیں۔

اسلام نے صف آرائی کے طریقہ کو پسند کیا :۔ ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفا کانھم بنیان مرصوص۔ رسول اکرم صلعم کے عہد میں صف آرائی کی ابتداء ہوئی اور حضرت عمر کے عہد میں حضرت خالد کی رائے سے وہ بہترین طریقہ جاری ہوا جسے "تعبیہ" کہتے ہیں اور یرموک اور قادسیہ کے میدانوں میں اِسی طریقہ پر جنگ ہوئی۔

طریق تعبیہ کے مطابق فوج حسب ذیل حصّوں میں تقسیم کی جاتی تھی:-
طلیعہ (گشتی فوج) مقدمہ (فوج کا اگلا حصّہ) قلب (درمیانی حصّہ جہاں سپہ سالار رہتا تھا) میمنہ (قلب کے دائیں طرف کا حصّہ) میسرہ (بائیں طرف کا حصّہ) ساقہ (پچھلا حصّہ) ردء (ساقہ کے پیچھے امدادی حصّہ) رائد (فوج کے لئے گھاس، پانی تلاش کرنے والی جماعت) مجرد (بے قاعدہ فوج) رکبان (شترسوار) فرسان (اسپ سوار) راجل (پیادہ) رماۃ (تیرانداز)-
یہ حصّے مختلف دستوں پر تقسیم ہوتے تھے جنہیں "کردوس" کہا جاتا تھا
امرادِ فوج کی ترتیب یہ تھی- سب سے بڑا افسر امیر عام (کمانڈر انچیف) ہوتا تھا۔ اس کے بعد اس کے نائب (ڈپٹی کمانڈر انچیف) کا درجہ تھا- اس کے بعد امراءِ میمنہ و میسرہ و قلب وغیرہ (ونگ کمانڈر) شمار ہوتے تھے- ان کے بعد اُن کے نائبوں (لفٹنٹ کمانڈر) کا درجہ تھا- ان کے بعد امراءِ کرادیس (اسکوڈرن آفیسر) تھے اور ان کے بعد عرفاء اور امراءِ اعشار (لفٹنٹ)
امیر کردوس ایک ایک ہزار سپاہیوں کا افسر ہوتا تھا- امراءِ اعشار غالباً ایک ایک سو سپاہیوں کے افسر اور عرفاء اپنے اپنے قبیلوں کے مقدم یا چودھری ہوتے تھے-
اِن کے علاوہ ہر فوج کے ساتھ افسر خزانہ، طبیب، قاضی، مبلغ، ترجمان اور کاتب بھی ہوتے تھے[1]-

---

[1] تاریخ طبری ج ۴- اخبار الیرموک والقادسیہ ص۲۲ و ص۸

## آلاتِ حرب:-

آلاتِ جنگ کے استعمال میں بھی حضرت عمر کے عہد میں ترقی ہوئی۔ پہلے عرب صرف تلواروں نیزوں اور تیروں کے ذریعہ سے لڑتے تھے یہ سامان بھی کچھ زیادہ عمدہ نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ قادسیہ کی جنگ میں ایرانیوں نے مسلمانوں کے تیروں کو تکلوں سے تشبیہ دی۔ لیکن روم وفارس کی متمدن فوجوں سے ٹکر کے بعد، مسلمانوں نے ان کے آلاتِ حرب کو بے تکلف استعمال کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ معرکۂ دمشق وغیرہ کے سلسلہ میں وہ کمند) منجنیق، سلم (رسی کا زینہ) دبابہ (لکڑی کا ٹینک) وغیرہ کے استعمال کا ذکر آتا ہے۔

## جنگی مہارت:-

عرب ہمیشہ سے ایک جنگی قوم تھی، لیکن اُن کی ساری طاقت آپس کے خون خرابوں میں صرف ہوتی تھی۔ اسلام نے ان کو دینی رشتہ میں جکڑ کر متحد کر دیا، پھر ان کے سامنے ایک عظیم الشان مقصد تھا جو عزتِ دنیوی کے ساتھ سعادتِ اخروی کا بھی حامل تھا۔ مسلمان جب اس مقصد کی تکمیل کے لئے عرب کی وادیوں سے نکلے، تو انہیں خوش قسمتی سے "فاروق اعظم" جیسے تاریخ کے بہترین مدبر و فاتح کی رہنمائی حاصل تھی۔ نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہیئے تھا۔ انہوں نے اپنے زمانے کی دو بہترین

طاقتوں سے کامیاب ٹکرلی اور فنونِ جنگ میں ایسی مہارت و براعت کا ثبوت دیا کہ تاریخ میں اُس کی نظیر نہیں ملتی۔ اِس سلسلہ میں چند امور خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں:۔

(۱) مسلمان جنگ کی ابتداء اپنے ملک کے اطراف سے کرتے تھے تاکہ اگر انہیں شکست ہو تو فوراً اپنے ملک میں داخل ہو جائیں اور دشمن کو ان کا پیچھا کرنے کی جرأت نہ ہو، پھر ابتدائی معرکوں میں وہ ایسی جرأت اور بہادری کا ثبوت دیتے تھے کہ مخالفین کے دلوں میں اُن کا رعب قائم ہو جاتا تھا اور وہ مسلسل پسپا ہوتے چلے جاتے تھے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ یرموک اور قادسیہ کے معرکوں نے ہی شام و فارس کے ملکوں میں مسلمانوں کے کامیاب مستقبل کا فیصلہ کر دیا تھا۔

(۲) جب دشمن کے ملک میں اندرونی علاقوں میں گھستے تھے تو اپنے لئے امدادی فوج کا انتظام کر لیتے تھے اور خطِ رجعت کو محفوظ رکھتے تھے دشمن کو ایسا موقعہ نہ دیتے تھے کہ وہ پیچھے سے ان کو آدبائے۔ چنانچہ معرکہ یرموک میں یزید بن ابی سفیان کی امداد مسلمانوں کے لئے محفوظ تھی۔ اِسی طرح علاء حضرمی کی امداد کے لئے جب اصطخر فوج بھیجی گئی تو بصرہ سے اہواز تک فوجی چوکیاں قائم کر دی گئیں۔

(۳) جب کسی شہر کا محاصرہ کرتے تھے تو دشمن کے تمام ذرائع مواصلت کو

منقطع کر دیتے تھے تاکہ اُسے کسی دوسری جگہ سے امداد نہ پہنچ سکے۔ چنانچہ دمشق کی فتح کے موقعہ پر حضرت ابو عبیدہ نے دس افسروں کو مخل اور دمشق کے درمیان مامور کیا۔ ذوالکلاع کو حمص اور دمشق کے درمیان اور علقمہ بن حکیم اور مسروق کو فلسطین اور دمشق کے درمیان متعین کیا۔ اِن راستوں کو محفوظ کر کے وہ خالد بن ولید اور یزید بن ابی سفیان کے ساتھ آگے بڑھے اور دمشق پر قبضہ کر لیا۔

(۴) جب اپنے مقبوضہ علاقہ پر دشمن کے حملہ کا خوف ہوتا تھا تو تمام قوّت ایک جگہ جمع نہیں کرتے تھے، بلکہ مختلف مقامات پر خطوطِ دفاع قایم کرتے تھے جیسا کہ مثنیٰ بن حارثہ شیبانی نے عراق میں کیا کہ ایک بسرے سے دُوسرے سرے تک فوجی چوکیاں قایم کر دیں اور اسلامی طاقت کو عرب سے عجم تک زنجیر کی کڑیوں کی طرح ملا دیا۔

(۵) مناسب موقعہ سے پُورا فائدہ اُٹھاتے تھے۔ چنانچہ فتح دمشق خالد بن ولید کی موقعہ شناسی ہی کی رہینِ منت تھی۔ اسی طرح دشمن پر غالب آنے کے لئے حیلہ و تدبیر میں بھی کسر نہ چھوڑتے تھے۔ چنانچہ عمرو بن عاص قاصد کا بھیس بدل کر اطبون کے لشکر میں گھس گئے اور بہت کچھ کام کی باتیں معلوم کیں اسی طرح فتح لاذقیہ کے موقعہ پر عبادہ بن صامت نے اپنی فوج کو خندقوں میں چھپا کر دشمن کو مغالطہ میں ڈال دیا۔

(۶) دشمن کی حرکات و سکنات پر گہری نگاہ رکھتے تھے اور بوقت ضرورت تمام ممالک اسلامیہ کی فوجیں بیک وقت ایک مشین کے پرزوں کی طرح حرکت میں آجاتی تھیں۔ چنانچہ جب ہرقل نے جزیرہ کی طرف سے یکایک مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا تو ایک طرف سے شام کی فوجیں اور دوسری طرف سے عراق کی فوجیں آگے بڑھیں اور ہرقل کی اسکیم کو ناکام کردیا۔

(۷) دشمن کے مقابلہ کے لئے متعدد محاذ قایم کر دیتے تھے تاکہ اس کی طاقت منتشر ہو جائے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ مدد نہ پہنچ سکے۔ چنانچہ جب ہرقل نے حمص پر حملہ کیا اور اہل جزیرہ سے مدد چاہی تو عراقی فوج نے فوراً جزیرہ پر حملہ کرکے انہیں ہرقل کی مدد سے روکدیا۔

(۸) دشمن کی طاقتوں کو توڑ لیتے تھے اور دشمن کے ہی آدمیوں سے جاسوسی کا کام لیکر مفید معلومات حاصل کرتے تھے۔ چنانچہ تکریت اور موصل کے معرکوں میں ایرانیوں کے مقابلہ میں نصارائے عرب کو ساتھ ملا کر کامیابی حاصل کی گئی اور تستر کا شہر ایک ایرانی کی کارگزاری ہی سے فتح ہوا۔

# صیغۂ مالیات

ایک ترقی یافتہ حکومت کے لئے ضروری ہے کہ اس کا نظامِ مالیات صحیح اصول پر مرتب ہو۔ عہد ابوبکر صدیق اور آغاز عہد عمر فاروق میں آئینِ آمد وخرچ نہایت سادہ تھا۔ مسلمانوں سے جو رقم زکوٰۃ وصدقات کی مد میں وصول ہوتی تھی وہ اہلِ حاجت کو تقسیم کر دی جاتی تھی۔ خمس غنیمت اور فَیٔ کی بھی اتنی بہتات نہ تھی کہ اس کی تقسیم کے لئے کوئی باقاعدہ نظام قایم کیا جاتا۔

جب مسلمانوں نے فارس و روم کے علاقے فتح کیے، دولت و ثروت کی ریل پیل ہوئی اور اسے مستحقین پر محض اپنی رائے سے تقسیم کرنا خلیفہ اور اس کی مجلس شوریٰ کے بس کی بات نہ رہی تو اس کے لئے باقاعدہ محکمہ قایم کیا گیا اور بیت المال کو متمدن ملکوں کے اصول پر ترتیب دیا گیا۔

صورت یہ ہوئی کہ ۱۵ھ میں بحرین سے ۵ لاکھ کی کثیر رقم آئی۔ حضرت عمرؓ نے اہل شوریٰ کو بلا کر مشورہ کیا کہ اسے کس طرح خرچ کیا جائے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا "جو کچھ رقم آپ کے پاس جمع ہو وہ سال کے سال خرچ کر دی جایا کرے"۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا "آمدنی کی کثرت ہے، اگر پانیوالوں کے نام ضبط نہ کیے گئے تو یہ معلوم نہ ہو سکے گا کہ کس نے لیا اور کس نے نہ لیا"۔

ولید بن ہشام نے کہا "میں نے شاہانِ شام کے ہاں دیکھا ہے کہ انہوں نے اس کام کے لئے دفتر قائم کر رکھے ہیں" حضرت عمر نے اس رائے کو پسند کیا، بیت المال کا محکمہ قایم کرنے کا حکم دیا اور عقیل بن ابی طالب مخرمہ بن نوفل اور جبیر بن مطعم کو بلا کر اس کی تدوین کا کام ان کے سپرد کیا۔

بیت المال کا صدر دفتر مدینہ منورہ میں قائم ہوا اور اس کے ماتحت صوبجاتِ اسلامیہ کے صدر مقامات میں بیت المال کے دفاتر قایم کئے گئے۔ صوبائی دفاتر میں اہلِ ملک کی آسانی کے لئے ملکی زبانوں میں کام ہوتا تھا۔ اور زیادہ تر پرانے اہل کار ہی اس کام کی انجام دہی کے لئے برقرار رکھے گئے تھے۔ مگر جب غیر مسلم کارکنوں نے بددیانتی کی تو عبدالملک بن مروان نے ماتحت دفاتر بھی عربی زبان میں منتقل کرادیئے[1]۔

## تفصیل محاصل :-

خلافتِ راشدہ کے محاصل کی دو بڑی قسمیں کی جا سکتی ہیں :-

(۱) وہ محاصل جو غیر مسلموں سے متعلق ہیں (۲) وہ محاصل جو مسلمانوں سے متعلق ہیں۔

جو محاصل غیر مسلموں سے متعلق تھے اُن کی تفصیل یہ ہے :-

---

[1] فتوح البلدان ص ۴۳۵ ... و اشہر المشاہیر ص ۳۶۵/۲ -

(۱) خراج: جن ملکوں پر مسلمان جنگ کے بعد قابض ہو گئے وہاں کی تمام زمینیں اہلِ ملک ہی کے قبضہ میں رہنے دی گئیں۔ البتہ پیداوار کے لحاظ سے اُن پر نہایت قلیل مالگذاری مقرر کر دی گئی۔ مالگزاری کی شرح کا اندازہ اِس سے کیا جا سکتا ہے کہ عراق میں گیہوں پر فی جریب (دو ن بیگہ پختہ) ۲ درہم سالانہ (تقریباً ۸/) اور جَو پر اِس سے نصف وصول کیا جاتا تھا۔

کھجور جو عراق کی خاص پیداوار تھی اور اس پر وہاں کی تجارت کا دار و مدار تھا، اِس پر کوئی مالگزاری نہ تھی۔

اِس خفیف شرح مالگزاری کے باوجود عہد فاروقی میں صرف مُلک عراق کا خراج دس کروڑ درہم تھا۔ اِس رقم میں اُن زمینوں کی آمدنی شامل نہیں ہے جو شاہی خاندان کی جاگیریں یا مفرور باغیوں کی جائدادیں تھیں اور جنہیں حضرت عمرؓ نے خالصہ قرار دیکر بیت المال کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔ ان زمینوں کی آمدنی ستر لاکھ درہم علیحدہ تھی۔

آراضی خالصہ کی آمدنی رفاہِ عام کے کاموں پر خرچ ہوتی تھی، اور کبھی کبھی ان ہی زمینوں میں سے اسلامی خدمات کے صلہ میں جاگیریں بھی دی جاتی تھیں[۱]۔

---

[۱] اشہر مشاہیر الاسلام ص ۳۱۹/۲ بحوالہ کتاب الخراج و فتوح البلدان۔

جزیہ :- جو ملک مسلمانوں نے فتح کر لئے یا جنہوں نے "نظامِ اسلامی" سے اپنا الحاق قبول کر لیا وہاں کے غیر مسلم باشندوں کو "ذمی" کہتے تھے یعنی اُن کے جان و مال کی حفاظت حکومتِ اسلامی کے ذمہ فرض ہو جاتی تھی۔ اس حفاظت کے معاوضہ میں مسلمان غیر مسلموں سے سالانہ ایک قلیل رقم "جزیہ" کے نام سے وصول کیا کرتے تھے۔ جزیہ دینے والوں کی مالی حالت کے لحاظ سے اس کی تین شرحیں مقرر تھیں، ۴۸ درہم سالانہ، ۲۴ درہم سالانہ اور ۱۲ درہم سالانہ۔ جزیہ چونکہ فوجی خدمات کا معاوضہ تھا، اس لئے (۱) صرف اُن لوگوں سے وصول کیا جاتا تھا جن پر فوجی خدمات کی ذمہ داری عائد ہو سکتی تھی یعنی بیس سال سے پچاس سال تک کی عمر کے مرد۔ بوڑھے، بچے، عورتیں اور اپاہج اس سے مستثنیٰ تھے، ناداروں کو بھی جزیہ معاف تھا۔

(۲) اگر کسی قوم نے جنگی خدمات کی ذمہ داری خود قبول کی تو اُس کو جزیہ سے مستثنیٰ کر دیا جاتا تھا۔ فتح آرمینیہ کے موقعہ پر وہاں کے رئیس شہر براز سے اسی قسم کا معاہدہ ہوا جو اپنی جگہ ذکر کیا جا چکا ہے۔

(۳) اگر مسلمان کسی وجہ سے حفاظتِ اہلِ ذمہ کی ذمّہ داری پوری کرنے سے معذور ہو جاتے تھے تو جزیہ کی رقم بھی وصول نہ کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عُمر فاروقؓ کے عہد میں جب جنگی مصالح کی بنا پر مُسلمانوں کو حمص سے ہٹنا پڑا تو وصول شدہ جزیہ واپس کر دیا گیا۔

(۳) غنیمت :- دورانِ جنگ میں مسلمانوں کو دشمنوں سے جو کچھ ہاتھ لگتا تھا وہ غنیمت کہلاتا تھا۔ اُس کے پانچ حصّوں میں سے ایک حصّہ تو بیت المال کا حق ہوتا تھا اور چار حصّے مجاہدین میں تقسیم کر دیے جاتے تھے۔

جو محاصل مسلمانوں سے متعلق تھے اُن کی تفصیل یہ ہے :-

(۱) زکوٰۃ :- مسلمانوں کے مال، سامانِ تجارت اور مواشی کی ایک معین مقدار پر اُس کا چالیسواں حصّہ بطور محاصل کے مقرر ہے جو سالانہ وصول کیا جاتا ہے، اس کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔

(۲) عشر :- مسلمانوں کی زمینوں پر بجائے خراج کے پیداوار کا دسواں حصّہ مقرر ہے۔ یہ عشر ہر فصل پر لیا جاتا ہے۔ خراج کی طرح سالانہ نہیں۔

(۳) صدقات :- اس میں صدقۃ الفطر، قربانی اور کفارہ وغیرہ کی رقوم اور ملّی و قومی ضرورتوں کے وقت عام چندوں کی رقوم شامل ہیں۔ ان کی تفصیل بھی کتب فقہ میں مذکور ہے۔

اِن محاصل کے علاوہ محصول چنگی "عشور" بھی رائج تھا۔ مسلمان سوداگر جب اپنا مال تجارت دُوسرے مُلکوں میں لیجاتے تو وہاں ان سے چنگی وصول کی جاتی۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ جو مُلک مُسلمانوں سے جس شرح سے چنگی وصول کرے اُس کے باشندوں سے بھی اُسی شرح سے چنگی وصول کی جائے۔ یہ محصول سال بھر میں صرف ایک مرتبہ وصول کیا جاتا تھا اور

دو سو درہم سے کم کے مال میں وصول نہیں کیا جاتا تھا۔

## وصول محاصل میں احتیاط:۔

محاصل کی اس فہرست پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ خلافتِ راشدہ کے اسلامی نظام حکومت میں مسلمانوں کے مقابلہ میں غیر مسلموں پر محاصل کا بار بہت کم ڈالا گیا۔ پھر اُس کی وصولیابی میں بھی بڑی احتیاط برتی جاتی کہ ذمیوں پر کسی قسم کا ظلم نہ ہونے پائے۔ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں لکھا ہے، کہ جب عراق سے سالانہ خراج وصول ہو کر آتا تو حضرت عمرؓ کوفہ اور بصرہ سے دس دس معززین کو شہادت میں طلب کرتے۔ انہیں خدا کی قسم کھا کر اقرار کرنا پڑتا کہ خراج کی وصولیابی میں کسی مسلم اور غیر مسلم پر ظلم نہیں کیا گیا ہے اور جو کچھ وصول ہوا ہے وہ بخوشیِ خاطر وصول ہوا ہے۔ امام ابو الفرج ابن جوزی نے مناقب عمرؓ میں لکھا ہے کہ عمر بن میمون کی حضرت عمرؓ سے اُن کی شہادت سے چند روز پہلے ملاقات ہوئی۔ اُنہوں نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ حذیفہ بن یمان اور عثمان بن حنیف سے متفکرانہ انداز میں فرما رہے ہیں کہ "تم نے عراق میں محاصل کی وصولیابی میں کیا طریقہ اختیار کیا؟ مجھے خوف ہے کہ تم نے مقررہ شرح سے زیادہ وصول نہ کر لیا ہو۔" ان دونوں صاحبوں نے عرض کیا "یا حضرت! ایسا نہیں ہو سکتا" حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر زندگی بخیر رہی تو میں ایسا انتظام کر جاؤں گا کہ عراق

کی کوئی بیوہ عورت کسی کی محتاج نہ رہے گی۔ اس واقعہ کے چار روز بعد حضرت عمرؓ شہید ہو گئے۔[1]

# علوم وفنون

## قرآن کریم:۔

تعلیمات اسلامیہ کا محور قرآن کریم ہے۔ بعد کے زمانوں میں اسی کی خدمتگزاری کے لئے مسلمانوں نے سینکڑوں علوم وفنون ایجاد کئے۔ اس لئے سب سے پہلی کتاب جو ضبط تحریر میں لائی گئی وہ یہی "کتاب اللہ" ہے۔

عہدِ رسالتؐ میں قرآن کریم کی آیات و سور مرتب ہو چکی تھیں۔ متعدد صحابہؓ کرام کو پورا قرآن حفظ تھا، اور صحابہ کی جماعت کثیر کو مختلف سورتیں یاد تھیں۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلعم ہر سال رمضان میں جبریل علیہ السلام کی موجودگی میں قرآن کریم کا ورد فرمایا کرتے تھے۔ سالِ ارتحال میں یہ ورد دو مرتبہ ہوا۔ آخری ورد کے موقعہ پر حضرت زید بن ثابت بھی موجود تھے۔ تاہم عہد نبویؐ میں پورا قرآنِ کریم ایک صحیفہ کی صورت میں، قیدِ تحریر میں نہیں لایا گیا۔ علامہ قسطلانیؒ نے اس کی یہ توجیہ

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام صفحہ ۲۲ بحوالہ مناقب لابن جوزیؒ۔

کی ہے کہ چونکہ اُس زمانہ میں قرآن کی آیات میں نسخ ہوتا رہتا تھا اس لئے اسے ایک صحیفہ کی صورت میں مرتب کرنا مناسب نہ تھا۔ البتہ مختلف آیات و سُوَر صحابہ کرام کے پاس کھجور کی شاخوں، ہڈیوں اور پتھروں کے ٹکڑوں پر لکھی ہوئی موجود تھیں۔

عہدِ صدیقی میں، جنگ یمامہ میں جب سات سو قراء صحابہ شہید ہو گئے تو حضرت عمر نے حضرت ابو بکر سے کہا "اگر حفاظ کی شہادت کا سلسلہ جاری رہا تو مجھے اندیشہ ہے کہ قرآن ضائع نہ ہو جائے، لہذا قرآن کریم کو ایک مصحف کی صورت میں لکھ لیا جائے"۔ حضرت ابو بکر نے معمولی تامل کے بعد ان کی رائے سے اتفاق کیا، اور حضرت زید بن ثابت کو بُلا کر جو کاتبِ وحی اور عرضہ اخیرہ کے شاہد تھے، یہ کام اُن کے سپرد کیا۔ حضرت زید بن ثابت نے اپنی یادداشت کی دیگر حفّاظ صحابہ کی یادداشت سے تصدیق، اور عہدِ نبوی کے نوشتوں سے توثیق فرمانے کے بعد، کلام مجید کو ایک مصحف کی صورت میں قلمبند کیا۔

قرآنِ کریم کا یہ نسخہ حضرت ابو بکر کے پاس محفوظ رہا، ان کے بعد حضرت عمر کی تحویل میں آیا، ان کے انتقال کے بعد ام المومنین حضرت حفصہ بنت ابو بکرؓ اس کی امین قرار پائیں۔

جمع قرآن کا اہم کام تو انجام پا گیا لیکن ابھی اس کے نسخوں کی اشاعت کا مرحلہ باقی تھا۔ یہ سعادت حضرت عثمان کے حصّہ میں آئی۔ ابن عساکر

اور ابن اثیر کے بیان کے مطابق اس کی تفصیل یہ ہے:۔

سنہ ۳۰ھ میں آذربیجان اور باب الابواب کی فتوحات کے سلسلہ میں، مختلف ممالک اسلامیہ، شام، مصر اور عراق کی فوجیں یکجا ہوئیں تو اُن میں عجیب اختلافِ قرأۃ نمودار ہوا۔ اہلِ مصر کا لہجہ کچھ تھا، اہلِ عراق کا کچھ اور اہلِ شام کا کچھ۔ لہجوں کے اختلاف سے قرأۃ میں بھی بیّن اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ پھر اُن میں سے سب اپنی قرأۃ کو صحیح اور دُوسرے کی قرأۃ کو غلط سمجھتے تھے حضرت حُذَیفہ بن یمان نے یہ منظر دیکھا تو انہیں بڑی تشویش ہوئی۔ پہلے انہوں نے کوفہ میں بعض اکابر صحابہ کو اِس خطرے سے آگاہ کیا۔ پھر اُن کی رائے سے مدینہ منورہ جا کر سارا واقعہ حضرت عثمان کو سُنایا اور فرمایا کہ "اِس اُمت کی خیریت منظور ہے تو اس مصیبت کا علاج کیجئے"۔ حضرت عثمان نے صحابہ کرام کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ سب کی رائے سے حضرت ابوبکر کے عہد کا لکھا ہُوا، قرآن کریم کا نسخہ حضرت حفصہؓ سے منگوایا گیا اور اُس کی آٹھ نقلیں کرا کر ایک ایک نقل مختلف ممالک اسلامیہ میں بھیجدی گئی۔

اِس طرح حضرت عثمان ہی کے عہد میں قرآن کریم کے مستند نسخے مختلف دیار و امصار میں اشاعت پا گئے اور یہ کتاب الہٰی، وعدۂ خُداوندی اِنّا نحن نزّلنا الذکر و انّا لہ لحافظون، کے مُطابق، ہر قسم کی تحریف سے محفوظ ہو گئی۔[۱]

---

۱؎ نہایۃ القول المفید للشیخ محمد مکی نصر ملخصاً از ص ۱۵۵ تا ص ۱۹۱

صحیفۂ الٰہی کو ضبط تحریر میں لانے کے علاوہ، خلفائے راشدین نے اسے سینوں میں محفوظ کرنے کا بھی بڑا اہتمام کیا۔ تمام ممالکِ محروسہ میں قرآن مجید کی تعلیم کا انتظام کیا گیا اور ابن جوزی کی تصریح کے مطابق حضرت عمرؓ و حضرت عثمان نے مؤذنوں، اماموں اور قرآن کی تعلیم دینے والوں کی تنخواہیں مقرر کیں یہی نہیں بلکہ حضرت عمرؓ نے اُن لوگوں کے بھی وظیفے مقرر کئے جو قرآن کی تعلیم حاصل کریں۔ اِس تحریص و ترغیب کا نتیجہ یہ نکلا کہ ممالکِ اسلامیہ کی مسجدیں اور مکتب کلام الٰہی کی صداؤں سے گونج اُٹھے۔ صرف جامع دمشق میں جہاں حضرت ابوالدرداء درسِ قرآن کا کام انجام دیتے تھے سولہ سو ۱۶۰۰ طالب علم تھے۔

## حدیث شریف:-

قرآن کریم کے بعد حدیث رسول اللہ کا درجہ ہے جو قرآن کی تشریح کی حیثیت رکھتی ہے۔ عہدِ رسالتؐ میں آنحضرت صلعم نے حدیث کی کتابت سے اِس لئے منع کیا تھا کہ قرآن کی آیات سے جو اُس زمانہ میں نازل ہو رہی تھیں التباس نہ ہو جائے۔ صحیح مسلم کی روایت کے مطابق آپ نے فرمایا:-

- جس کسی نے قرآن کے علاوہ کچھ اور لکھا ہو وہ اُسے مٹا دے" البتہ زبانی حدیث کی روایت کا حکم دیا اور فرمایا:-

"لیبلغ الشاہد الغائب"

عہدِ ابوبکر صدیقؓ میں جب قرآن کریم محفوظ ہو گیا تو حدیث رسول اللہ صلعم کی تحریری و تقریری اشاعت عام ہوئی۔ فتوحات اسلامیہ کے سلسلہ میں صحابۂ کرام دُور دراز کے علاقوں میں پھیل گئے، اور جہاں گئے علوم نبوت کو بھی ساتھ لیکر گئے۔ چنانچہ شام، مصر، عراق وغیرہ کے بڑے بڑے شہروں میں حدیث کی درس گاہیں قائم ہو گئیں۔ نومسلموں نے، جنھوں نے اسلام کی روشنی قبول کی مگر داعیِ اسلام کے جمالِ جہاں آرا سے محروم رہے اور نئی اسلامی نسلوں نے جو خیر القرون کے عہدِ خیر و برکت کے بعد پیدا ہوئے بڑے ذوق و شوق کے ساتھ ان جواہر ایمانی سے اپنے دل کے دامنوں کو بھرنا شروع کیا۔

عہدِ خلافت راشدہ میں ذوقِ حدیث کا یہ حال تھا کہ لوگ ایک ایک حدیث کو سننے کے لئے سیکڑوں میل کا سفر کرتے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں منقول ہے کہ:۔ رحل جابر بن عبد اللہ مسیرۃ شھر الی عبد اللہ بن انیس فی حدیث واحد (جابر بن عبد اللہ نے عبد اللہ بن انیس سے ایک حدیث سننے کے لئے، ایک مہینہ کی مسافت (شام) کا سفر اختیار کیا)۔ اسی طرح ابو ایوب انصاری نے عقبہ بن عامر سے ایک حدیث سننے کے لئے ایک طویل سفر اختیار کیا اور ایک دوسرے بزرگ نے ابو درداء سے ایک حدیث سننے کے لئے مدینہ سے دمشق کا سفر اختیار کیا اور ایک اور صحابی نے

فضالہ بن عبید سے حدیث سننے کے لئے مصر کا سفر کیا۔ ابوالعالیہ کی روایت سے قطیب (ایک تابعی) نے بیان کیا ہے کہ ہم اصحاب رسول اللہ کی روایت سے کوئی حدیث سنتے تھے مگر ہمیں اُس وقت تک صبر نہ آتا تھا جبتک کہ ہم خود سفر کر کے ان صحابہ سے اس حدیث کو نہ سُن لیتے۔

کُتب حدیث کی تقیید ابواب و فصول تدوین اگرچہ بہت بعد کا مرحلہ ہے تاہم اس عہد میں بھی بعض علماء صحابہ و تابعین اپنے حدیث کے ذخیرے صحیفوں کی صورت میں محفوظ کئے۔ اس سلسلہ میں حضرت علیؓ۔ عبداللہ بن مسعود، سعید بن جبیر، عروہ بن زبیر کا نام قابل ذکر ہے[1]۔

فقہ :۔ قرآن کریم اور حدیث شریف کے بعد فقہ کا نمبر ہے۔ عہد رسالت کے بعد پیش آنے والے حوادث کے متعلق فقہاء صحابہ نے جو احکام کتاب و سنت سے استنباط کئے وہ فقہ کہلاتے ہیں۔ گویا فقہ قانون اسلامی کے "بائی لاز" ہیں۔ خلفائے راشدین خود فقیہ تھے بالخصوص حضرت عمر اور حضرت علی کی فقہی بصیرت تو معروف و مشہور ہے۔ ان کے علاوہ ان کے مشیران خصوصی بھی ائمہ فقہ تھے۔ جب کوئی نیا مسئلہ زیر بحث آتا، خلفائے راشدین اس جماعت سے مشورہ کر کے اس کا فیصلہ کرتے اور پھر اس کا اعلان عام کر دیا جاتا۔ خلفائے راشدین مختلف موقعوں پر جو خطبے ارشاد فرماتے ان میں بھی مسائل ضروریہ کا بیان ہوتا۔ یہ خطبے چونکہ بڑے بڑے

---

[1] مفتاح السنۃ صفحہ ۱۸۔

اجتماعات میں ہوتے تھے اِس لئے اِن مسائل کی خوب تشہیر ہو جاتی۔ پھر تعلیم فقہ کے لئے، مقبوضات اسلامیہ کے مختلف شہروں میں فقہاء صحابہ کو بھیجا گیا۔ چنانچہ حضرت عمر نے عبداللہ بن مسعود کو کوفہ، عبداللہ بن مغفل اور عمران بن حصین کو بصرہ، عبادہ بن صامت، معاذ بن جبل اور ابو درداء کو شام اور حیان بن جبلہ کو مصر بھیجا۔ اِن حضرات کے فیض سے ہزار ہا تشنگان علم نے اپنی پیاس بجھائی اور کئی شہر فقہ اسلامی کے مرکز بن گئے۔

**دیگر علوم:۔** اسلام سے پہلے عرب میں ادب و شعر کا ذوق عام تھا۔ حضرت عمر نے اس ذوق کو بھی اس کے صحیح مصرف پر استعمال کیا۔ فہم قرآن کے لئے ادب و عربیت کی تعلیم لازمی کر دی اور حکم دیا کہ جو لغت عرب کا عالم نہ ہو وہ قرآن نہ پڑھائے۔[۵]

حضرت عثمان اور زید بن ثابت نے قرآن و سنت کی روشنی میں "فرائض" کو ایک مستقل علم کی حیثیت سے مدون کیا۔

حضرت علی نے علم نحو ایجاد کیا، ایک شخص کو قرآن کریم غلط پڑھتے دیکھ کر آپ کو خیال آیا کہ ایسا علم ایجاد کیا جائے جس سے اعراب کی غلطیوں سے بچا جا سکے۔ چنانچہ آپ نے ابوالاسود دؤلی کو اپنی زیر ہدایت اس علم کی تدوین پر مامور کیا۔ اِن علوم و فنون کی ایجاد و اشاعت کے علاوہ

---

۵ کنزالعمال ج ۱ ص ۲۲۸۔

ابتدائی تعلیم کے فروغ کی طرف بھی کافی توجہ کی گئی۔ اِس کام کے لئے چونکہ کسی خاص علمی معیار کے معلمین کی ضرورت نہ تھی اِس لئے تو مسلموں اور غیر مسلموں سے بھی یہ کام لیا گیا۔ چنانچہ فتح حیرہ کے بعد وہاں کے معلمین کی ایک جماعت کو بلایا گیا اور مدینہ منورہ میں اُنہیں بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھانے پر مامور کیا گیا۔[۲]

# تعمیرات

عہد خلافت راشدہ میں، فتوحات کے ساتھ ساتھ تعمیرات کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ ان تعمیرات کو تین قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ مذہبی، ملکی و فوجی اور رفاہی۔

(۱) حضرت عمر کے عہد میں جس قدر بڑے بڑے شہر فتح ہوئے وہاں جامع مسجدیں بھی تعمیر کی گئیں۔ صاحب روضۃ الاحباب نے اُن مسجدوں کی تعداد چار ہزار لکھی ہے۔ حرمین محترمین کو اسلام میں قطبین کی حیثیت حاصل ہے۔ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر حرم کی عمارت کافی نہ تھی۔ حضرت عمر نے آس پاس کے مکانات خرید کر عمارت کی توسیع فرمائی،

---

۲؎ محاضرات خضری ص ۱۴۵/۲۔

اسی طرح مسجد نبویؐ میں بھی توسیع فرمائی اور وہاں فرش اور روشنی کا بھی انتظام فرمایا۔ پھر حضرت عثمان نے اپنے عہد میں مسجد نبویؐ کو نئے سرے سے تعمیر کیا اور چونہ اور پتھر کی خوبصورت مستحکم اور وسیع عمارت تیار کرائی۔

(۲) فوجی ضروریات کے لیے حضرت عمرؓ کے عہد میں کوفہ، بصرہ، فسطاط جیزہ اور موصل جدید شہر آباد کئے گئے۔ ان میں سے بعض کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ جہاں جہاں چھاؤنیاں قایم کی گئیں وہاں قلعے اور بارکیں بنائی گئیں۔ صوبہ کے صدر مقامات میں دارالامارہ (گورنمنٹ ہاؤس) دیوان (سکرٹریٹ) بیت المال اور قید خانہ کی مضبوط اور شاندار عمارتیں تعمیر ہوئیں، حضرت علی کا عہدِ حکومت پر آشوب زمانہ رہا ہے، تاہم آپ کے عہد میں بھی متعدد قلعے تعمیر ہوئے جن میں اصطخر کا "حصن زیاد" قابلِ ذکر ہے۔

(۳) رفاہِ عام کی تعمیرات کی طرف سب سے زیادہ توجہ کی گئی۔ حضرت عمرؓ و حضرت عثمان کے عہد میں، سڑکیں، نہریں، پُل، کنوئیں، چراگاہیں اور مہمان خانے بکثرت تعمیر ہوئے۔ حضرت عمر کے زمانہ کی نہروں میں نہر معقل نہر ابی موسیٰ، نہر سعد، اور نہر امیر المومنین خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ نہر امیر المومنین وہ عظیم الشان نہر تھی جس کے ذریعہ دریائے نیل کو فسطاط کے مقام سے کاٹ کر بحر قلزم میں ملا دیا گیا تھا۔ یہ نہر ۶۹ میل لمبی تھی اور اس قدر وسیع تھی کہ بڑے بڑے جہاز آسانی سے گزر جاتے تھے۔ عہدِ عثمانؓ کا

بند مہزوز، جس کے ذریعہ مدینہ کو خیبر کی طرف سے آنے والے سیلاب سے محفوظ کیا گیا، اور عہدِ علی کا "جسر فرات" جو جنگی ضروریات کے سلسلہ میں تعمیر کیا گیا، بھی قابلِ ذکر کارنامے ہیں۔

# متفرق انتظامات

## سکّہ:۔

اسلام سے پہلے عرب میں، ایرانی اور رومی سکّے چلتے تھے۔ حضرت عمر کے عہد میں ۱۸ھ میں اسلامی سکّہ ڈھالا گیا۔ حضرت عمر نے ایرانی درہم وزن کرائے تو ان میں سے بعض ۲۰ قیراط کے، بعض ۱۲ قیراط کے اور بعض دس قیراط کے نکلے۔ حضرت عمر نے ان تینوں اوزان کا مجموعہ لیکر اس کا ثلث یعنی ۱۴ قیراط درہم کا وزن قرار دیا۔ اِس طرح دس درہم کا وزن سات مثقال ہو گیا۔ یہ درہم کسروی دراہم کے نمونے پر ڈھالے گئے۔ بعض کا نقش الحمد للہ، بعض کا لا الٰہ الا اللہ اور بعض کا محمد رسول اللہ قرار دیا گیا۔ حضرت عثمان کے زمانہ میں جب دراہم ڈھالے گئے تو ان پر اللہ اکبر کندہ کیا گیا۔

تحقیق یہ ہے کہ عہدِ خلافت راشدہ میں، صرف دراہم ڈھالے گئے،

دنانیر نہیں ڈھالے گئے۔ دینار بنوامیہ کے عہد میں، عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں، ڈھالے گئے۔

ڈاک:-

محکمہ ڈاک دارا شاہ فارس کی ایجاد ہے۔ پانچویں صدی قبل مسیح میں محکمہ ایران میں قائم ہوا۔ ایران کے بعد روم اور دوسرے متمدن ملکوں میں اس کا رواج ہوا۔

اسلام میں حضرت عمر نے سب سے پہلے یہ محکمہ قائم کیا۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ حضرت معاویہ نے سب سے پہلے اسے قایم کیا۔ مگر ان کا یہ خیال درست نہیں کیونکہ حضرت عمر کے عہد کے واقعات میں جا بجا "برید" کا ذکر آتا ہے۔

سنہ ۱۸ھ میں جب شہنشاہِ روم نے مسلمانوں کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھایا تو حضرت ام کلثوم بنت علی زوجہ امیر المومنین عمر نے ملکہ روم کو کچھ تحائف بھیجے ملکہ روم نے بھی اپنی طرف سے تحائف بھیجے۔ اُن تحائف میں ایک قیمتی ہار بھی تھا۔ حضرت عمر نے اپنی احتیاط پسند طبیعت کے اقتضاء سے اس ہار کو روک لیا اور مجلس شوریٰ میں معاملہ پیش کیا۔ اہلِ شوریٰ نے بالاتفاق کہا کہ ہار حضرت ام کلثوم کو دیدینا چاہیئے۔ مگر چونکہ معاملہ خلیفہ کے ذاتی فائدے سے متعلق تھا اِس لئے آپ نے فرمایا:- ولکن الرسول رسول المسلمین والبرید

---

تاریخ الاسلام السیاسی ص ۲/۴۷۵۔

برید ھم۔ (قاصد اور ڈاک تو جن کے ذریعہ سے یہ ہار آیا مسلمانوں کی ہے) پھر حکم دیا کہ ہار بیت المال میں داخل کر دیا جائے اور ام کلثومؓ کو جو کچھ اُن کے ہدیہ پر خرچ آیا تھا دیدیا جائے[1]۔

اسی طرح حضرت عمرؓ نے نصر بن حجاج کو جرم عشق میں مدینہ سے جلا وطن کر کے بصرہ بھیجدیا تو نصر بہت بے چین ہوئے۔ حضرت عمرؓ کا قاصد عامل بصرہ کے نام ڈاک لیکر آیا۔ جب وہ واپس جانے لگا تو اُس کے منادی نے اعلان کیا "الاان برید المسلمین یرید ان یخرج فمن کانت لہ حاجۃ فلیکتب"۔ (معلوم ہونا چاہئے کہ مسلمانوں کی ڈاک اب جانے والی ہے، جسے کوئی ضرورت ہو وہ خط لکھ دے) چنانچہ نصر بن حجاج نے بھی حضرت عمرؓ کو ایک خط میں اپنی داستانِ غم لکھ کر بھیجی[2]۔

ان واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں ڈاک کا محکمہ قایم تھا اگرچہ اس کا اولیں فرض عمالِ حکومت کے مراسلات کو پہنچانا تھا، تاہم ڈاک کے روانہ ہونے سے پہلے عام اعلان کرا دیا جاتا تھا اور پبلک میں سے جو شخص اپنا خط بھیجنا چاہتا تھا بھجوا سکتا تھا۔ یہ محکمہ ایک خاص عامل کے ماتحت ہوتا تھا جسے "عامل البرید" کہا جاتا تھا۔

---

[1] تاریخ ابن جریر طبری۔

[2] اشہر مشاہیر الاسلام صلہ ۲۷۴ بحوالہ مناقب عمر لابن جوزی۔

## تاریخ

عرب میں اسلام سے پہلے، بڑے بڑے واقعات سے سنہ کا کام لیتے تھے۔ پہلے کعب بن لوی کی وفات سے سال کا شمار ہوتا تھا، پھر واقعہ فیل سے سال کا شمار ہونے لگا۔ پھر عام الفجار کا رواج ہوا۔ آغاز عہد اسلام میں یہی طریقہ جاری رہا۔ حضرت عمر کے عہد میں جب دفاتر قائم ہوئے اور آمد و خرچ کے رجسٹر بنائے گئے تو اسلامی تاریخ کی بھی ضرورت محسوس ہوئی۔ حضرت عمر نے مجلس شوریٰ طلب کی اور اس میں اس مسئلہ کو پیش کیا گیا۔ مختلف اصحاب نے مختلف رایوں کا اظہار کیا۔ حضرت علی نے واقعہ ہجرت سے جو اسلام کے نیر عروج و اقبال کا مطلع ہے اسلامی تاریخ شروع کرنے کی رائے دی۔ حضرت علی کی رائے پسند کی گئی، اور اسلامی تاریخ کا مبدأ واقعہ ہجرت ہی کو قرار دیا گیا۔ علیٰ صاحبہا الف الف تحیہ وسلام۔ مادامت الشمس تجری علی النظام۔

تمام شد

کتبہ

(سید علی احمد کاتب میرٹھی)

# تاریخ مِلّت

حصہ دوم

# خلافتِ راشدہ



قاضی زین العابدین میرٹھی